بانی
سہام مرزا

مُدیرِ اعلیٰ ــــــــ منزہ سہام

مُدیر ــــــــ کاشی چوہان / رضوانہ پرنس

نائب مُدیر ــــــــ دانیال شمسی

منیجر مارکیٹنگ ــــــــ زین العابدین

قانونی مُشیر ــــــــ جی ایم بھٹو (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

انکم ٹیکس ایڈوائزر ــــــــ مخدوم اینڈ کمپنی (ایڈووکیٹ)

MEMBER
APNS
CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

خط وکتابت کا پتا

88-C II ـ فرسٹ فلور ـ خیابانِ
جامی کمرشل ـ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی ـ فیز ـ 7، کراچی

فون نمبر: 35893122 - 021-35893121

ای میل: pearlpublications@hotmail.com

جولائی 2015ء
جلد: 43 ☆ شمارہ: 07
قیمت: 60 روپے

☆ منیجر ایڈمن اینڈ سرکولیشن: محمد اقبال زمان ☆ عکاس: موسیٰ رضا / مرزا محمد یاسر

باتیں ملاقاتیں

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

عید مبارک

افسانے

انتخاب خاص

رنگ کائنات

دوشیزہ میگزین

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ)......890 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ......5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا......6000 روپے

پبلشر: منزہ سہام نے مٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: سی OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی
Phone : 021-35893121 - 35893122
Email : pearlpublications@hotmail.com
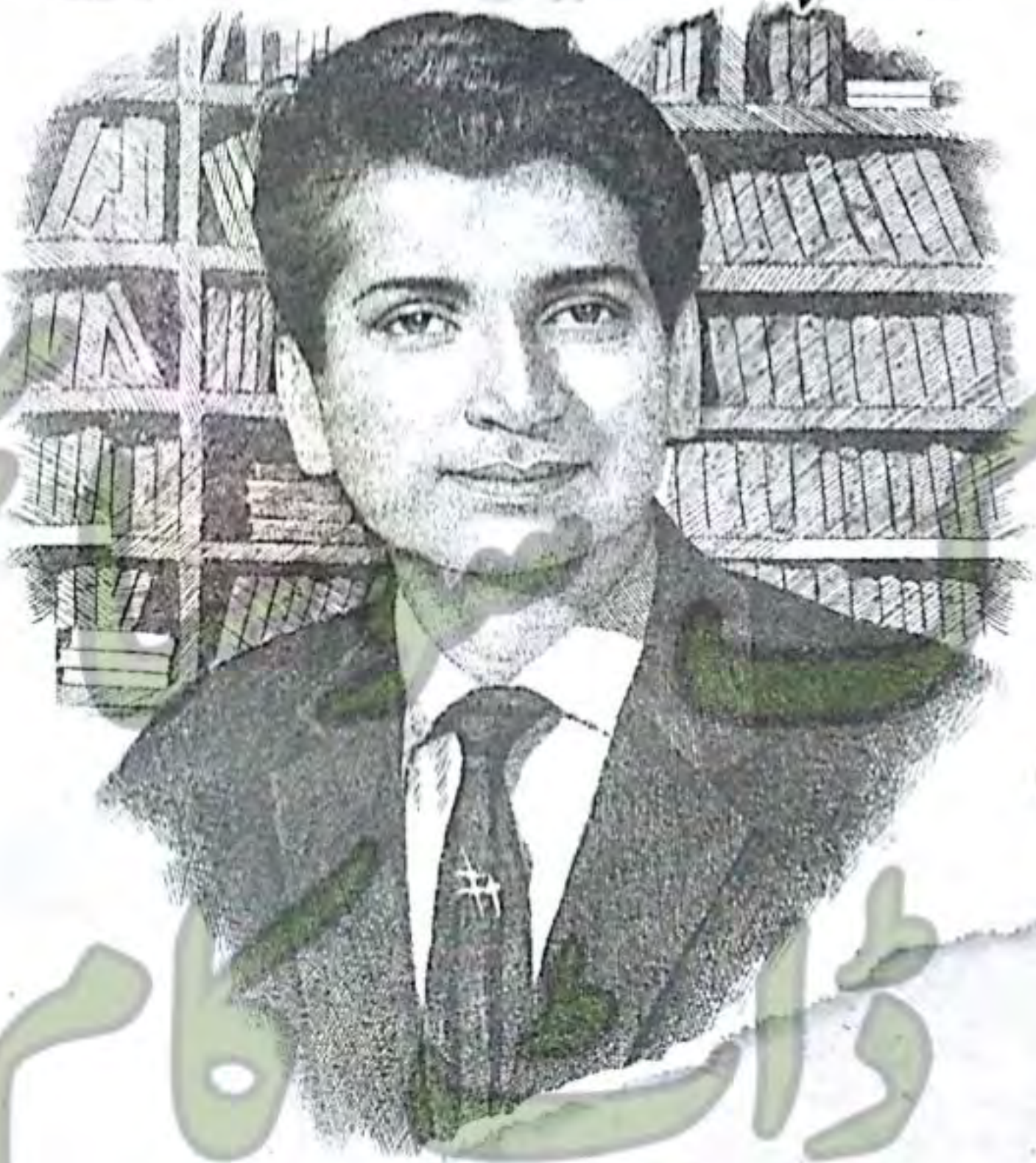
یہ رنگ رنگ کہانی ، یہ حرف حرف فسوں
تمہارے عزم کو ہم سب سلام کرتے ہیں

محبت سے...... عید مبارک

بعض لوگ اپنی محبتوں میں بڑے سخی، وفادار اور پُر جوش ہوتے ہیں۔ ہم کون ہیں؟ کیا ہم بھی ایسے ہی لوگوں میں اپنا شمار کرا سکتے ہیں؟ مگر...... محبت کا کاغذ پیلا پڑے تو زمانے گزر گئے۔ عبارت دھندلی ہوگئی اور اِس کتابِ محبت کی جلد بھی جگہ جگہ سے اُدھڑی پڑی ہے۔ یہ لفظ محبت کس نے لکھا تھا بھلا پہلے؟ آؤ ہم سب مل کر ڈھونڈتے ہیں کہ محبتوں میں اگر لوگ وفادار ہوتے ہیں تو ہم اُس محبت جیسی عظیم تخلیق کو ڈھونڈ کر اپنی وفاداری کا ثبوت کیوں نہیں دیتے۔

بہت ڈھونڈا...... مل ہی نہیں رہا۔ کہاں گیا؟ تلاش جاری ہے۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین اور زبانوں کے محققین اس نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ یہ لفظ شاید کسی مردہ زبان میں لکھا گیا تھا، جواب شاید کرۂ ارض پر موجود ہی نہیں۔ اب تو محبت کی بولی سمجھی ہی نہیں جاتی۔ اگر ایسا ہو گیا...... تو کیا ہوگا؟ آج بھی پت جھڑ میں پیڑوں سے پیلے پیلے پتے جب میرے لان میں گرتے ہیں۔ اور رات کو چھت پر جا کر جب میں تنہا چاند کو تکتا ہوں تو وہ پیلا پیلا چاند مجھے پت جھڑ کے پتے جیسا ہی بے جان دکھتا ہے۔ اور میرے دل میں خواہش مچلتی ہے کہ کاش! یہ چاند بھی مرے آنگن میں اُتر جائے۔ تو میں اِس پر کھوئی ہوئی محبت کی گمشدگی کا ایک اشتہار لگا کر آکاش پر روانہ کر دوں۔

کیا پتا ہم...... جنہیں اوپر دیکھنے کی عادت ہے۔ گمشدہ محبت کے اس اعلانِ گمشدگی کو پڑھ کر ہی واپس اپنے دلوں میں قید کر لیں۔ محبت خود بھی بہت سخی، پُر جوش اور وفادار ہوتی ہے۔ آؤ عہد کرو ساتھیو! ہم اِس تلاشِ گمشدہ محبت کو پھر سے در و بام پر سجا کر، اِس 'عید' پر ایک دوسرے سے گلے ملیں گے...... عید مبارک۔

کاشی چوہان

منورہ نوری خلیق

زادِ راہ

اگر ہمت اور حوصلہ ہو تو پھر آپ آخری عشرے میں اعتکاف ضرور کریں۔ دس دن ممکن نہ ہو تو کم مدت کا سہی۔ اعتکاف، قلب و روح، مزاج اور انداز، اور فکر و عمل کو تقویٰ کے رنگ میں رنگنے اور ربانیت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اکسیر حکم بھی رکھتا ہے۔ اس طرح شب......

زندگی کو آسان، باعمل اور ایمان افروز بنانے کا روشن سلسلہ

شب قدر اور اعتکاف

"یہ وہ مبارک رات ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ یہ رات اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے، اس کام کے لحاظ سے جو اس رات میں انجام پایا، ان خزانوں کے لحاظ سے جو اس رات میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور حاصل کیے جا سکتے ہیں، ہزاروں مہینوں اور ہزاروں سالوں سے بہتر ہے۔ جو اس رات میں قیام کرے، اس کو سارے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ ہر رات کی طرح اس رات بھی وہ گھڑی ہے جس میں دعائیں قبول کر لی جاتی ہیں اور دنیا کی جو بھلائی مانگی جائے، وہ عطا کی جاتی ہے۔" (مسلم...... حضرت جابرؓ)

"اگر آپ اس رات کے خیر سے محروم رہیں تو اس سے بڑی بد قسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

(ابنِ ماجہ...... حضرت انس بن مالکؓ)

یہ رات کون سی رات ہے؟ یہ ہم کو یقینی طور پر نہیں بتایا گیا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری عشرے کی کوئی طاق رات ہے، یعنی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں۔ (21-23-25-27-29) بعض احادیث میں کہا گیا ہے کہ یہ آخری عشرے کی کوئی ایک رات یا رمضان المبارک کی کوئی بھی رات ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ستائیسویں رات ہے، اور اگر اس رات قیام اور عبادت کا اہتمام کر لیا جائے تو کافی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور صلحاء کی روایات سے ستائیسویں رات کی تائید ہوتی ہے، لیکن میرے خیال میں اس رات کا واضح تعین نہ کیے جانے میں ایک گہری حکمت پوشیدہ ہے۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ ہمیں یہ رات معلوم ہے، اور یہ ستائیسویں رات ہے، تو یہ حکمت ضائع ہو جاتی ہے۔

اس کو پوشیدہ رکھنے کا راز یہ ہے کہ آپ اس کی جستجو اور تلاش میں سرگرداں رہیں، محنت کریں، اپنی آتش شوق کو جلتا رکھیں۔ آخری عشرے کی ہر طاق رات میں اُسے تلاش کریں اس سے زیادہ ہمت ہو تو رمضان المبارک کی ہر رات میں۔ جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور پیاری ہے، وہ یہ ہے کہ

بندہ اُس کوخوش کرنے کے لیے اور اس کی رحمت اور انعامات کی طلب اور شوق میں ہر وقت ہمہ تن جستجو بنا رہے۔ مسلسل کوشش میں لگا رہے۔ کام سے زیادہ، ارادہ اور مسلسل کوشش ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اگر معلوم ہو کہ یہ رات کون سی رات ہے تو سعی وجہد کی جو کیفیت مطلوب ہے، وہ ہاتھ نہ آئے گی۔

اس رات کے قیام سے وہ تمام خیرو برکت حاصل ہوتی ہے لیکن ایک طرف تو اس کے خیرو برکت میں کئی گناہ اضافہ ہوتا ہے، دوسری طرف مزید خیرو برکت کے دروازے بھی کھول دیے جاتے ہیں۔ پورا رمضان المبارک ہماری اُمت پر اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی رحمت کا مظہر ہے کہ اس نے ہمارے لیے کم وقت میں وہ ثواب اور اجر رکھا ہے۔ جو دوسری امتوں کو طویل مدت اور بہت عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق ”اس کی مثال ایسی ہے کہ امتِ مسلمہ کو نمازِ عصر سے نمازِ مغرب تک محنت کر کے اس سے کہیں زیادہ مزدوری ملتی ہے جتنی یہودیوں کو فجر سے ظہر تک اور عیسائیوں کو ظہر سے مغرب تک کام کر کے ملی۔“ (بخاری...... حضرت عمرؓ)

شب قدر ہمارے رب کی اس خصوصی رحمت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ چنانچہ آپ کمر ہمت کس لیجیے کہ کم سے کم آخری عشرے کی ہر طاق رات اللہ تعالیٰ کے حضور قیام وصلوٰۃ، تلاوت و ذکر اور دعا استغفار میں گزاریں۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں۔ سجدے میں پیشانی زمین پر ٹیک دیں۔ روئیں اور گڑگڑائیں۔ اپنے گناہوں سے استغفار اور توبہ کریں۔

قبولیت دعا کی خصوصی گھڑی تو ہر شب آتی ہے لیکن شب قدر میں اس گھڑی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کی شان اور تاثیر ہی جدا ہوتی ہے۔ وہ گھڑی نہ معلوم کون سی ہو، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ایک مختصر مگر بہت جامع دعا سکھائی تھی۔ جو اس رات میں آپ بھی کثرت سے مانگیں۔ (احمد۔ ترمذی)

ترجمہ: ”میرے اللہ تعالیٰ! تُو بہت معاف کرنے والا ہے۔ معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے۔ پس مجھے معاف کر دے!“

اگر ہمت اور حوصلہ ہو تو پھر آپ آخری عشرے میں اعتکاف ضرور کریں۔ دس دن ممکن نہ ہو تو کم مدت کا سہی۔ اعتکاف، قلب و روح، مزاج اور انداز، اور فکر و عمل کو تقویٰ کے رنگ میں رنگنے اور ربانیت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اکسیر حکم بھی رکھتا ہے۔ اس طرح شب قدر کی جستجو کا کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اعتکاف ہر شخص کے لیے تو ممکن نہیں، لیکن اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے اس کو فرضِ کفایہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا ہے تو رسول اللہ ﷺ اپنی کمر کس لیتے۔ راتوں کو جاگتے اور اتنی محنت کرتے جتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے۔ (بخاری۔ مسلم)

اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ آپ کچھ مدت کے لیے دنیا کے ہر کام، مشغلے، اور دلچسپی سے کٹ کر اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیں۔ اہل وعیال اور گھر بار چھوڑ کے اس کے گھر میں گوشہ گیر ہو جائیں اور سارا وقت اس کی یاد میں بسر کریں۔ اعتکاف کا حاصل یہ ہے کہ پوری زندگی ایسے سانچے میں ڈھل جائے کہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی بندگی کو ہر چیز پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہو۔

یہ تو ممکن نہیں آپ میں سے ہر شخص دس دن کا اعتکاف کرے، لیکن ایک کام آپ آسانی سے کر سکتے ہیں۔ جس سے آپ اپنی استطاعت کی حد تک ثواب حاصل کر لیں۔ وہ یہ ہے کہ آپ جب بھی مسجد میں جائیں تو اعتکاف کی نیت کر لیں کہ میں جو بھی وقت یہاں گزاروں گا وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا ہے۔

☆☆......☆☆

دوشیزہ کی محفل

محبتوں کا طلسم کدہ' خوب صورت رابطوں کی دلفریب محفل

خط بھجوانے کے لیے پتا: ماہنامہ دوشیزہ ڈائجسٹ۔ 88-C II ۔خیابان جامی ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔فیز-7،کراچی
E-mail:pearlpublications@hotmail.com

بہت پیارے دوستو!

آپ سب کو رضوانہ پرنس کا سلام قبول ہو۔ہمیں اُمید ہے کہ یہ عید نمبر آپ کی خوشیوں کو بڑھانے میں تھوڑا بہت کردار ضرور ادا کرے گا ورنہ تو ہمارا پاکستان پچھلے کچھ عرصے سے ایسے سانحوں سے دوچار ہو رہا ہے کہ خوشی جیسے اپنا مفہوم کھو بیٹھی ہے گرمی کی شدت نے جس طرح صرف چند روز میں ہزار بارہ سو لوگوں کو موت کی آغوش میں سلا دیا ہے یہ بھلا کوئی معمولی سانحہ ہے۔اس کے علاوہ بھی سانحہ صفورا مستونگ اور دیگر دل دہلا دینے والے واقعوں کیا ہمیں دل سے عید کی خوشیاں منانے دیں گے آج ہمیں خاص طور پر آرمی پبلک اسکول پشاور کے وہ معصوم بچے شدت سے یاد آ رہے ہیں جو انتہائی ظالمانہ طریقے سے دہشت گردی کا شکار ہوئے ہم اس المناک واقعے سے متاثر غم زدہ خاندانوں سے ملاقات کر چکے ہیں اور ان کے آنسو آج بھی ہمیں دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔

عید کے دن بھی سناٹا ہے
پچھلی عید کا منظر
آنکھوں میں پھر جاتا ہے
جب ہنستا بستا میرا گھر تھا
بہت ہی خوش ہر فرد تھا گھر کا
عید پر عیدی کا وہ جھگڑا
کتنا اچھا لگتا تھا
اب میں سوچ رہی ہوں یہ
کیسے بھیجوں؟ کہاں میں بھیجوں
عیدی اپنے بچوں کو

(شگفتہ شفیق)

ساتھیو پلیز اپنی خوشیوں میں سے کچھ وقت نکال کر ان سب غم زدہ خاندانوں کے لیے صبر سکون کی دعا ضرور کیجیے گا۔ آیئے اب ملتے ہیں محفل میں بیٹھے ہوئے اپنے خوبصورت مہمانوں سے۔

آج کی ہماری پہلی مہمان ہیں سمائی وی کی مشہور نیوز اینکر نیلم اسلم۔ ڈیئر رضوانہ پرنس جی آپ کی محبت سے سجی اس محفل میں سب مہمانوں کو میرا سلام قبول ہو۔ رضوانہ جی آپ محبت اور خلوص کا ایسا پیکر ہیں جس کی چھاؤں میں بیٹھنے کا شاید ہر کسی کا دل چاہتا ہو اور شاید یہ ہی کشش مجھے بھی اس محفل تک کھینچ کر لے آئی ہے میں نے دوشیزہ ڈائجسٹ کچھ عرصے پہلے ہی پڑھنا شروع کیا ہے اصل میں ایک ٹی وی اینکر ہونے کی وجہ سے مصروفیات بھی کچھ زیادہ ہیں لیکن فرصت کے اکثر لمحات میرے دوشیزہ کے ساتھ ہی گزرتے ہیں اور اس میں میری دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے کیوں کہ اس میں چھپنے والے ناولٹ اور افسانے اپنے اندر کوئی نہ کوئی سبق چھپائے ہوتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ آج کل کی ینگ لڑکیوں کو ایسے ڈائجسٹ ضرور پڑھنے چاہیں جوان کی آنے والی زندگی کی رہنمائی کر سکیں۔ ماؤں کو چاہیے وہ اپنی بچیوں کو منع کرنے کے بجائے ایسی کہانیاں پڑھنے کی ترغیب دیں جو انہیں اچھے اور برے کی تمیز سکھاتی ہیں۔ رشتوں کو کیسے برتا جاتا ہے محبت کیسے ملتی ہے اور نفرت کا شکار انسان کیوں ہوتا ہے زندگی میں آنے والے مسائل اور ان کا حل سب ہی کچھ تو ان کہانیوں میں چھپا ہوتا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ دوشیزہ میں بھی یہ سب کچھ موجود ہے۔ جس کے لیے آپ سب لوگوں کو مبارک باد۔

☆ بہت سویٹ نیلم! تم جتنے دل خش انداز میں نیوز پڑھتی ہو اور سب کی بے حد پسندیدہ اینکر ہو اسی خوبصورت انداز میں تم اس محفل میں بھی آئی ہو اب دیکھتے ہیں کہ تمہارے خیالات کا ینگ لڑکیوں پر کیا اثر ہوتا ہے ویسے سماء کی رونق نے آج ہماری محفل کو بھی روشن کر دیا۔ خوش رہو پیاری لڑکی۔

ڈیئر رضوانہ پرنس۔ گرمی کی حدت میں دوشیزہ کا ٹائٹل آنکھوں کو بہت بھایا۔ کاشی صاحب کی تو بہت ساری صلاحیتوں کا ادراک ہو ہی چکا ہے لیکن رضوانہ پرنس بھی ہماری کسی پرنس سے کم نہیں...... ہنستی بولتی گاتی، گنگناتی رضوانہ کی جھلک دوشیزہ میں نظر آنے لگی ہے۔ ڈیئر رضوانہ خط لکھنے میں اس لیے کوتاہی ہوئی کہ میں ملک سے باہر تھی کل ہی واپس آئی ہوں اور آج کھٹا میٹھا تبصرہ نما خط لیے حاضر ہوں امید کرتی ہوں میرے افسانے آپ کو مل گئے ہوں گے اور یہ بھی امید کرتی ہوں کہ ان کی اشاعت کے لیے مجھ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا ویسے بھی رضوانہ کا گھر اور دوشیزہ کا دفتر دونوں ہی

چند قدم کے فاصلے پر ہیں ہم دھرنا بھی دے سکتے ہیں۔
امید زندگی ہے بہترین ادار یہ تھا کاش تم بھی میری صحبت میں رہ رہ کر عقلمند اور سمجھدار ہو گئے ہو (ہا...... ہا...... ہاہا) زادِ راہ سمیٹ کر دوڑ لگائی اپنی محفل میں ایک ہنستی مسکراتی ذہین آنکھوں والی دوشیزہ ہمارے استقبال کو موجود تھیں۔ شکریہ رضوانہ آپ نے محبت سے ویلکم کہا۔
ان تمام بہنوں کا بے حد شکریہ جن کو میری تحریر پسند آئی۔ رُخ چوہدری صاحبہ کا تبصرہ میرے لیے اعزاز ہے۔ اللہ انہیں خوش رکھے بہن رُخ چوہدری امید کرتی ہوں آپ آئندہ میری تحریریں ضرور پڑھیں گی۔ اچھا رضوانہ ایک خبر تو آپکو بتانا بھول گئی کہ مجھے پچھلے ہفتے میرٹ میں ہونے والی ایک پر وقار تقریب میں Best Loin President Of the Year کا ایوارڈ ملا ہے اب آتے ہیں رسالے کی طرف یمنیٰ زیدی کی باتیں اچھی لگیں وہ خود بھی مجھے اچھی لگیں...... رفعت سراج صاحبہ کے ناول کے بارے میں کچھ کہا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہیں میرے لیے تو یہی اعزاز بہت ہے کہ رفعت سراج جب بھی مجھ سے ملتی ہیں بے حد محبت اور پیار سے ملتی ہیں۔ انکساری ان کی فطرت میں جو ٹھہری۔ نزہت جبیں ضیاء آپ کو صاحب زادے کی شادی مبارک ہو۔ اس قدر محبتوں سے آپ نے شادی کا احوال تحریر کیا۔ کہ دل تڑپ کر رہ جاتا ہے کہ میں کیوں نہ شریک ہوسکی افسوس یہ جو میرا ڈرائیور ہے ہمیشہ ایسے موقعوں پر چھٹی پر چلا جاتا ہے اور میاں صاحب پاکستان میں گاڑی ڈرائیو کرنے کی اجازت نہیں دیتے...... اکثر اپنا انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس نکال کر دیکھتی ہوں اور پھر سوچتی ہوں کیا فائدہ اس انٹرنیشنل لائسنس کا کہ اپنے ہی ملک میں گاڑی نہیں چلا سکتی افسوس...... صد افسوس...... دوشیزہ میں بھی تو ہوں نا۔ بینا عالیہ اور اُم مریم بہت اچھا لکھ رہی ہو۔ گو کہ رسالہ پورا نہیں پڑھ سکی لیکن جو پڑھا وہ قابل تحسین ہے مقدر کی سکندر حقیت سے قریب کہانی ہے اس سے ملتا جلتا واقعہ میرے پڑوس میں ہو چکا ہے۔ زمر نعیم نے اچھا لکھا اور اچھا لکھنے سے یاد آیا رضوانہ کوثر بے حد شکریہ کہ آپ کو میری سالگرہ 25 جون یاد رہی آپ کو جو میں نے محبتوں کی سفیر کا ٹائٹل دیا ہے تو ایسے ہی تو نہیں دیا نا...... اور دینے پر خیال آیا کہ سویرا فلک نے پچھتاوا کی صورت میں بہترین تحریر دی تمثیلہ زاہد کی تحریر تھوڑی حقیقت سے دور لگی لیکن تمثیلہ ایک اچھی رائٹر ہیں۔ تمام ناولٹ اچھے رہے اور کچھ کو اب پڑھوں گی۔ جون کی شدید گرمی میں اتنا تبصرہ لکھا امید کرتی ہوں قابل قبول ہوگا۔ سوچا تھا اس دفعہ بہت تفصیلاً لکھوں گی، لیکن میرا مختصر سا خط قبول کریں انشاء اللہ تفصیلی تبصرہ کے ساتھ حاضر ہوں گی۔ آفس میں سب کو درجہ بدرجہ دعا و سلام۔
☆ مائی ڈیر عقیلہ! آپ نے تو ایمان سے ابن بطوطہ کی روح کو شرمندہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے کبھی ٹک کر بیٹھی، ہی نہیں ہیں۔ اس گرمی میں آپ کے ٹھنڈے میٹھے تبصرے نے محفل میں پیاری سی ٹھنڈک بکھیر دی ہے۔ اور دوست اتنا اہم ایوارڈ بنا کسی مٹھائی کے؟ ویسے اس شاندار کامیابی پر ہم سب دل سے خوش ہو رہے ہیں۔ ڈھیر ساری مبارکبادیں۔
ہماری شفیق سی نگہت غفار کراچی سے لکھتی ہیں۔ بہت پیاری سی رضوانہ جی السلام وعلیکم۔ جیتی رہو

دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

جون 2015 کا نتیجہ، قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے

''بند دروازے'' بشریٰ سعید احمد

آپ کی نظر میں اس ماہ ''دوشیزہ'' کی بہترین تحریر کون سی ہے؟

دوشیزہ جولائی 2015

عنوان: ____________

قلم کار: ____________

نام: ____________

پتا: ____________

ہزاروں برس۔ اس ماہ جون کا رسالہ آج بتاریخ 12 جون کو موصول ہوا۔ سرورق اچھا لگا۔ ہمیشہ کی طرح کاشی بیٹے کی خوبصورت سی بامعنی تحریر رہی۔ ''امید زندگی ہے'' بے شک صرف...... یہ اک چھوٹا سا چار حرفی لفظ ہے ''امید'' پر ہی تو دنیا کی وسیع وعریض بلڈنگ کھڑی ہے۔ انشاء اللہ کاشی بیٹا ضرور...... ہم سب اپنی بامقصد خوبصورت اور کامیاب منزل پالیں گے۔ ''زادراہ'' بے حد خوبصورت بامقصد اور روح پر تحریر ہوتی ہے۔ کہانیاں، ناولٹ ماشاء اللہ سب ہی بے خد خوبصورتی سے محوسفر ہیں۔ زمرہ نعیم کا افسانہ ''سالگرہ'' دل اداس اور آنکھیں نم کر گیا۔ ''راہیں محبت کی'' نام کی نسبت سے خوبصورت افسانہ تھا۔ ''میرے نصیب کی بارش'' واقعی زندگی کے اندھیروں میں جگمگاتی کرنیں بکھیر دیں۔ ''بند دروازے'' نصیحت آمیز کہانی تھی۔ بعد میں پچھتانے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو کسی پل چین آتا ہے نہ قرار بے حد اذیت ناک ہوتے ہیں یہ لمحات ''دوشیزہ گلستان'' فرمان الٰہی، زکوۃ، علم، سنہرے اقوال، پانی، کردار یہ تحریریں واقعی دوشیزہ کے باغ کی زینت لگیں۔ یاسمین اقبال کی آوازیں اور لہجے کانوں کو بہت بھلے لگے۔ ''یہ ہوئی نا بات'' میں زین العابدین کے برجستہ کوابات اچھے لگے۔ اکثر سوال کچھ بیکار اور بور ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ خط طویل ہوگیا ہے۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ بہت پیاری رضوانہ جی اور پیارے بیٹے کاشی آپ اور آپ کی فیملیز دوشیزہ کی فیملی سب کو اللہ رب العزت اپنی رحمتوں کے حصار میں رکھے۔ ہمارے وطن پاکستان کی اللہ حفاظت کرے۔ آمین ثم آمین۔

پیاری نگہت جی۔ آپ کی پرخلوص دعاؤں کے حصار میں ہم سب کو رہنا بہت اچھا لگتا ہے ہمیشہ خوش رہیے۔

ہماری بہت پیاری سی رُخ چودھری اپنے دل چسپ انداز میں محفل میں آکر بیٹھی ہیں۔ دوشیزہ کی پیاری پیاری سی دوشیزاؤں کو رمضان کی اور عید کی پیشگی مبارک باد اللہ ہم سب کی عبادتوں اور دعاؤں کو قبول فرمائے (آمین) جون کا سمارہ ہاتھ میں ہے اور میں خود کو دوشیزہ کے لیٹر لاؤنج میں بیٹھا محسوس کو رہی ہوں اور اس پیاری سی خاتون رضوانہ کو دیکھ رہی ہوں جن کی پیاری سی مسکراہٹ کی کرنیں دور دور تک بکھری ہوئی محسوس کر رہی ہوں اور میں خود کو ان کی محبت میں جکڑا ہوا محسوس کر رہی ہوں ڈیئر رضوانہ آپ کا ناولٹ نمبر تو چھا گیا۔ سب تحریریں لاجواب رہیں۔ زمرنعیم اور صدف آصف کے ناولٹ لاجواب رہے۔ ویل ڈن اور عقیلہ حق میں آپ کی زبردست فین ہوں آپ کو سالگرہ مبارک ہو ہمیشہ خوش رہیے۔ فوزیہ احسان رانا اور بشریٰ سعید کی تحریریں بہت متاثر کن تھیں اُم مریم کا مکمل ناول بھی پسند آیا۔ نزہت جبیں ضیاء کو بیٹے کی شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔ ماشاء اللہ بہت پیارا کپل ہے کاشی کی کھری کھری باتیں کاش کہ ہم سب کے دلوں میں اتر جائیں منزہ سے کہیے گا کہ اس بار میں ان کر فرمائش پر اور زیادہ اچھا افسانہ لکھنے کی کوشش کروں گی۔ رضوانہ کے اصرار پر قلم دوبارہ اٹھایا ہے تو انشاء اللہ آپ لوگوں کو اچھا سے اچھا دینے کی کوشش کروں گی۔

☆ بہت اچھی رُخ۔ منزہ کو پورا یقین ہے کہ تمہاری تحریریں خوب سے خوب تر ہو کر دوشیزہ میں

جگمگائیں گی۔ تم ہم سب کی فیورٹ رائٹر ہو نہ۔ تمہاری مزید تحریروں کے منتظر ہیں ہم۔

زمر نعیم لاہور سے ہماری مہمان بن کر آئی ہیں۔ ڈیئر رضوانہ پرنس صاحبہ۔ اللہ آپ سب پر ہمیشہ مہربان رہے ادارے کے تمام اراکین وابستگین کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب ہی کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔ السلام وعلیکم۔ رضوانہ جی! کچھ دن پہلے فون پر آپ سے بات ہوئی تھی۔ خط اسی دن لکھنا چاہتی تھی مگر پھر ایک ادھوری تحریک کو مکمل کرنے کی تحریف نے تاخیر کروادی۔ بہر حال دو دن کی کوشش سے ایک ناولٹ اور مکمل کیا ہے امید ہے دوشیزہ کے صفحات پر اسے ضرور جگہ ملے گی اور انشاء اللہ آئندہ بھی میرا قلمی تعاون دوشیزہ کے لیے رہے گا۔ دوشیزہ میں لکھنا میری روحانی تسکین ہے۔ اس کی وجوہات منزہ بھی جانتی ہیں اور آپ سب بھی۔ دوشیزہ ناول کے حوالے سے مجھے جب بھی پکارے گا انشاء اللہ میں اپنی تحریر کے ساتھ حاضر ہوں۔

اب ذرا دوشیزہ کے مئی کے شمارے کے حوالے سے بات ہو جائے۔ کاشی بھائی کا اداریہ یہ گزشتہ کئی ماہ سے ان کی سوچوں کی حساسیت اور روح کی گریہ زاری کو بیان کرتا یقیناً قارئین دوشیزہ کو بھی اسی کیفیت میں رکھے ہوئے ہے کاشی بھائی اللہ تعالیٰ آپ جیسا حساس دل و ذہن عوام کے ساتھ ان خواص کو بھی عطا کرے جو نجانے عمل کے بجائے خاموشی کو ہی ہر درد کا درماں سمجھے ہوئے ہیں۔

زادِ راہ ہمیشہ سے روشنی و نور کا احساس دلاتی تحریر ذہن کو جلا بخشتی ہے۔ رفعت سراج کا دامِ دل ہمارے دلوں کو بھی اپنے دام میں لے چکا ہے۔ الماس روحی، دردانہ نوشین، نگہت اعظمی، کی تحریریں متاثر کن تھی۔ باقی شمارہ ابھی پڑھ نہیں پائی۔ انشاء اللہ اگلے ماہ تفصیلی تبصرہ کروں گی۔ جلدی میں خط لکھ رہی ہوں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو صرف نگاہ کیجیے۔ انشاء اللہ رابطہ رہے گا۔ منزہ کو میرا بہت سلام کہیے گا۔ ان کے سیل فون پر رابطہ نہیں ہو پاتا۔ یقیناً نمبر تبدیل ہو چکا ہے۔ اجازت دیجیے۔ اللہ حافظ۔

اچھی زمر! آپ کا ناولٹ بہت ہی جلدی دوشیزہ کی زینت بنے گا آپ کو دوشیزہ میں لکھ کر روحانی تسکین ملتی ہے اور ہم لوگوں کو آپ کی تحریر روحانی خوشی دیتی ہے تو بس حساب برابر۔ ناول کے لیے دوشیزہ پکار رہی ہے۔

اور یہ ہیں خولہ عرفان لاہور سے جن کے خط نے ہمیں مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ محترمہ رضوانہ پرنس صاحبہ السلام وعلیکم! امید ہے دعائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو روز افزوں صحت اور ترقی عطا فرمائے آمین۔ آج دو باتیں بہت نا قابل یقین ہوئیں ایک تو یہ کہ آپ سے گفتگو کا موقع فون پر نصیب ہو گیا ا دوسرا یہ کہ آپ کو میرا پچھلے مہینے سے کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ یقین کریں میں ابھی تک اس صدمے سے باہر نہیں آئی ہوں کیوں کہ میرا تبصرہ ہر مہینے چوبیس تاریخ تک پوسٹ ہو جاتا ہے اور مئی کے مہینے میں تو میں نے 22 تاریخ کو پوسٹ کروایا تھا۔ دیر ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ دوشیزہ بڑی مشکلوں سے ہاتھ آتی ہے۔ ہر مہینے میاں جی کی بائیک پر نند کے گھر جانے کے بہانے نکلتی ہوں اور بک اسٹالز پر پوچھتی جاتی ہوں۔ اب تو میاں جی کو بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ میری بہن کا تو صرف بہانہ ہے بیگم صاحبہ تو دوشیزہ کی دیوانی ہیں اور جب ہمیں اندازہ ہو گیا کہ دوشیزہ بارہ تاریخ کے بعد آتا ہے تو اب دس تاریخ

کے بعد میاں جی سے نند کے گھر جانے کی فرمائش کرتی ہوں اور آپ کو تو پتا ہونا چاہیے کہ یہ میاں لوگ کافی ہوشیار ہوتے ہیں ہم تو باعث بدنام ہیں۔ یقین کریں اب تو بیٹا بھی جب کسی بک اسٹال کے پاس بائیک روکنے کا کہتی ہوں تو کہتا ہے بابا امی کو دوشیزہ لینا ہوگا۔ آج تک کسی لڑکی کو دوشیزہ کے لیے اتنا دیوانہ کسی نے نہیں دیکھا ہوگا۔ جتنا میں بدنام ہو چکی ہوں یقین کریں میری اس دردناک کہانی کے مزاحیہ پہلو کو برطرف کریں تو آپ کو ضرور میرے درد کا احساس ہو جائے گا جو اس وقت میں محسوس کر رہی ہوں کیوں کہ پچھلی دفعہ خط کے ساتھ اپنا افسانہ ''اسیر محبت یا اعترافِ شکست'' بھی ارسال کیا تھا اور اس دفعہ ایک اور غزل ارسال کی تھی۔ بس التماس اتنی ہے کہ اب جو میں نیا افسانہ ارسال کر رہی ہوں اُسے نظر عنایت عطا کر دیجیے گا بہت مختلف موضوع ہے بہت گہرائی لیے ہوئے اور بہت عاجزی کے ساتھ التجاء کر رہی ہوں کہ خط اور افسانہ موصول ہو جائے تو پلیز...... پلیز...... پلیز مجھے انفارم کر دا دیجیے گا۔ میں شدت سے منتظر رہوں گی ابھی ابھی دعا کر رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ پوسٹ آفس والوں کو نیک ہدایت دے اور میری امانت وہ آپ تک پہنچا دیں کہ محترم علامہ اقبال نے اسی موقع کے لیے یہ مصرعہ ارشاد فرمایا تھا کہ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

میں بھی دوشیزہ سے پیوستہ امیدوں کو تازہ رکھے ہوئے ہوں یہ ایک غیر رسمی خط ہے اسے دوشیزہ کا حصہ بنایئے گا یا نہیں اختیارات اول آخر آپ کو سپرد کیے ہوئے ہیں۔ بہت زیادہ محبتوں اور خلوص کے ساتھ جو میرے دل میں محترمہ اور بہت عزیز رضوانہ پرنس صاحبہ کے لیے ہے محترم کاشی صاحب کو بھی بہت دعائیں اور سلام انشاء اللہ اگلے مہینے کا تبصرہ جب رسالہ ہاتھ میں آ جائے گا تحریر کروں گی ابھی فی الحال اس تھوڑے کو بہت سمجھ لیں کہ صدمہ کافی گہرا ہے لیکن آپ سے بات کرنے کی خوشی بھی بہت زیادہ ہے۔

☆ بہت پیاری خولہ! تمہارے گہرے صدمے کو دور کرنے کے لیے ہم ایک خوشی کی خبر سناتے ہیں کہ اگلے ماہ قارئین ہماری پیاری سی خولہ کا افسانہ پڑھنے کے لیے تیار ہو جائیں اب تو خوش ہو نہ؟ اور ہاں دوشیزہ کی وجہ سے کہیں تمہاری نیند تم سے خفا نہ ہو جائے یہ خط ان سے چھپا لینا۔

ہماری خوبصورت شاعرہ شگفتہ شفیق بھی پیاری پیاری خبروں کے ساتھ حاضر محفل ہیں۔ اچھی پیاری رضوانہ السلام وعلیکم! دوشیزہ کا ناولٹ نمبر اپنی رعنائیوں کے ساتھ ملا۔ بے حد خوبصورت تحریروں سے سجا ہوا۔ دوشیزہ دل سے پسند آیا۔ شاہانہ احمد خان انزاء نقوی بھی نظم کی پسندیدگی پر آپ لوگوں کی ممنون ہوں۔ ثمینہ عرفان...... نظم منافق تو مجھے بھی بہت ہی اچھی لگتی ہے۔ پیاری فصیحہ ہم تو بھول کر بھی سوچ نہیں سکتے کہ کبھی اپنے پیاروں سے رابطہ توڑیں گے آپ سب پیارے دوستو کے لیے ہم دن میں پانچ بار اللہ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ اللہ آپ کی تمام دعاؤں کو قبول فرمائے آمین۔ نزہت جبیں ضیاء کو بیٹے کی شادی بہت بہت مبارک ہو بہت اچھا احوال لکھا۔ شمیم فضل خالق کا افسانہ مقدر کی سکندر بے حد پسند آیا سویرا فلک کا پچھتاوا بھی خوب رہا۔ بشریٰ سعید احمد کا...... بند دروازے آج محل کے

قارئین کے نام کھلا خط

محترم قارئین!

''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ میں نے خلقِ خدا کی بھلائی اور روحانی معاملات میں ان کی رہنمائی کے جذبے کے تحت شروع کیا تھا۔ سچی کہانیاں کے اوّلین شمارے سے یہ سلسلہ شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نا صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی روحانی طاقت نے حیران کردینے والے معجزے بھی دیکھے۔

ساتھیو! عمر کی جس سیڑھی پر میں ہوں خدائے بزرگ و برتر سے ہر پل یہی دعا کرتا ہوں کہ اُس کے حضور پیش ہونے سے پیشتر کچھ ایسا کر جاؤں کہ میرے دُکھی بچے، بچیاں میرے بعد کسی بھی ذریعۂ روزگار کو بروئے کار لاتے ہوئے عزت کے ساتھ رزقِ حلال کما سکیں۔

اتنے برس بیت گئے۔ آپ سے کچھ سوال نہ کیا۔ وہ کون سی پیشکش تھی جو نہ ٹھکرائی۔ کیسے کیسے دولت کے انبار ایک طرف کر دیے۔ مگر اب...... وقت چونکہ ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسا ٹرسٹ، اپنی موجودگی میں قائم کر جاؤں جس سے نیکی اور بھلائی کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔

مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔

دکھی انسانیت کی فلاح کے لیے...... آئیے اور اپنے بابا جی کا ساتھ دیجیے......

ٹرسٹ میں اپنے عطیات جمع کرائیے۔

مجھے امید ہے۔ اپنے دکھی بھائی بہنوں کا درد محسوس کرتے ہوئے آپ کا اگلا قدم...... ٹرسٹ میں اپنے تعاون کے لیے ہی اٹھے گا۔

حالات کی نقشہ کشی بیان کر رہا ہے میرے بصیب کی بارشیں بھی ہٹ کے لکھا گیا ناولٹ رہا۔ باقی قسط وار ابھی نہیں پڑھ سکیں ہیں وجہ ہماری مصروفیات ہیں میرے پیارے احباب پہلے اپنی ایک بہت بڑی خوشی آپ سے شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ میری بیٹی کا نکاح 7 جنوری کو ہوا رخصتی 26 جولائی طے تھی لیکن ماشاء اللہ ویزا جلد آ جانے کی وجہ سے اسے سسرال والوں کے اصرار پر اور کمٹڈ ویزہ کی وجہ سے جلد یعنی 17 اپریل کو سادگی سے لندن رخصت کر دیا۔ اب ماشاء اللہ کنزل اپنے گھر میں خوش اور شگفتہ اس کی خوشی میں خوش۔ اللہ کا کرم ہے کہ آج کل آپ کی شگفتہ کے بے شمار انٹرویو ریڈیو اور اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں اور ہم نے کئی کل پاکستان شاعروں میں بھی شرکت کر کے بہت داد و تحسین سمیٹی ہے آپ سب لوگ فیس بک پر میری ٹائم لائن پر سب ملاحظہ کر سکتے ہیں یہ سب اللہ کا کرم اور آپ سب کی پرخلوص دعاوں کی بدولت ہے، ہم جب بھی دوشیزہ میں خط لکھتے ہیں ہماری آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں ہم اتنی ساری محبتوں کے نہ جانے کیسے حق دار بن گئے۔

بہت پیاری شگفتہ شفیق! سب سے پہلے تو ہماری کیوٹ سی کنزل کے لیے ہم سب کی طرف سے ڈھیر ساری دعائیں اور پیار پھر تمہاری اتنی ڈھیر ساری کامیابیوں پر دیکھو تو اگر اس محفل میں شریک سب مہمان تالیاں بجا کر تمہیں مبارک باد دے رہے ہیں اور ہم ماشاء اللہ کہہ رہے ہیں۔

تمثیلہ زاہد ایک بہت پیاری سی خوش خبری کے ساتھ ہماری محفل میں آئی ہیں السلام وعلیکم رضوانہ باجی کیسی ہیں؟ آپ کو پچھلے 20 دن سے کال کرنے کی کوشش کر رہی ہوں دوشیزہ کے آفس میں لیکن بات نہیں ہو پا رہی ہے۔ میرے گھر اللہ نے ایک نیا مہمان بھیجا ہے جس کا نام اللہ کے فضل سے ہم نے محمد فارس رکھا ہے رضوانہ باجی کا ناولٹ نمبر میں اپنا ناولٹ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ انشاء اللہ رمضان کی مصروفیات سے نکل کر جلدی ہی افسانہ بھیجوں گی اور ابھی تو فارس کی خدمتیں بھی تو ہو رہی ہیں۔ میری طرف سے آپ سب کو رمضان مبارک ہو اور عید کی، عید مبارک بھی۔

☆ پیاری تمثیلہ! ننھے منے پیارے سے فارس نے یقیناً تمہیں بہت مصروف کر دیا ہوگا۔ ہم سب کی طرف سے فارس کے لیے ڈھیر سارا پیار اور بہت ساری مبارک باد قبول کرو اور ہاں اس خوبصورت مصروفیت میں ہماری افسانہ نگار تمثیلہ کو کھونے نہ دینا۔

ہماری ریگولر تبصرہ نگار ریحانہ مجاہد کراچی سے لکھتی ہیں۔ تپتی گرمی میں ''دوشیزہ'' بہار کے جھونکے کی طرح آئی بے حد ٹھنڈا سا سرورق آنکھوں کو بھلا محسوس ہوا۔ امید زندگی ہے کاشی چوہان کی باتیں دل کو چھو گئیں منورہ خلیق کو آپ لوگوں نے زندہ جاوید کر دیا ہے ان کی پُر اثر تحریروں کو دوشیزہ میں شامل کرتے رہیے گا۔ دوشیزہ کی محفل کے تو کیا ہی کہنے آپ کے برجستہ اور پرخلوص جوابات کی بدولت یہاں تو رونق بڑھتی جا رہی ہے امید ہے آپ یہ محفل اسی طرح سجاتی رہیں گی اور ہم بس لوگ اسی باقاعدگی سے آتے رہیں گے۔ ناولٹ تو دوشیزہ کی جان تھے بے حد محنت سے ناولٹ منتخب کیے گئے تھے۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ مستقل سلسلے اپنی مثال آپ ہیں۔ نئے لہجے نئی آوازیں میں انزاء نقوی، سمیع جمال اور تمام نئے شعراء کو بے حد سراہنے کی ضرورت ہے کہ ہم سب کو اتنے اچھے کلام

پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ بیوٹی گائیڈ میں خرم بشیر بہت جانی مانی شخصیت ہیں یہاں ہم لوگوں کے لیے بے حد مفید مشوروں سے نوازتے ہیں ان کا بے حد شکریہ۔ عید نمبر کا ابھی سے انتظار شروع ہو گیا ہے۔ امید ہے ہر شمارے کی طرح وہ بھی اپنی مثال آپ ہوگا۔ سارے اسٹاف کو بے حد خلوص سے سلام و دعا۔

☆ پیاری ریحانہ! انشاء اللہ محبتوں سے سجی یہ محفل تم جیسے پرخلوص مہمانوں کے لیے ایسے ہی ہر ماہ سجے گی بس آنا نہ بھولنا اور ہمیں امید ہے کہ عید نمبر کے لیے تمہارا انتظار رائیگاں نہیں گیا ہوگا۔

پیاری سی شاعرہ انزاء نقوی کراچی سے ہمیں لکھتی ہیں دوشیزہ Magazine ہر قسم کی معلومات کا خزانہ ہے یہ Magazine آپ سب کی بہترین کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ 14 جون کو جب دوشیزہ میگزین مجھے ملا۔ تو وہ لمحہ خوش کن اور دلکش احساسات سے لبریز ہوگیا۔ اس مرتبہ سرورق بہت Attractive تھا اور اپنی سادگی کی وجہ سے بہت زبردست لگا۔ ہم آپ کے بہترین لکھاریوں کاشی چوہان، رضوانہ پرنس، منورہ نوری خلیق، رفعت سراج، بینا عالیہ، صدف آصف، اُم مریم، تمثیلہ زاہد، فوزیہ احسان رانا، خالدہ حسین، ثمینہ طاہر بٹ، شمیم فضل خالق وغیرہ کی تحریروں سے خوب محظوظ ہوتے ہیں اس طرح تمام میگزین میں ''دوشیزہ کی محفل'' اپنی مثال آپ ہے Indus university کی طرف سے گولڈ میڈل اور Sheild ملنے پر شگفتہ شفیق کو میری طرف سے بہت مبارک باد۔ رضوانہ کوثر کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی کہ انہوں نے میرے خط لکھنے کے انداز کو پسند کیا۔ ''نئے لہجے نئی آوازیں'' ایک خوبصورت اور حوصلہ افزاء ہے سلسلہ جو نئے شعراء کے لیے ایک اچھا Plate Form ہے۔ ''کچن کارنر'' میں نادیہ طارق کے پکوان بھی مزے کے تھے۔ ''بیوٹی گائیڈ میں Skin Specialist ڈاکٹر خرم مشیر کے ہاتھوں کی خوبصورتی کے حصول کے لیے اہم ٹپس لائے ہیں جو ہم سب کے لیے یقیناً فائدہ مند ہوں گی۔

☆ بہت اچھی انزاء تم حوصلہ افزائی بھی اپنی شاعری کی طرح بہت پیارے انداز میں کرتی ہو۔ خوش رہو۔

ہماری معصوم سی قاری معصومہ رضا کا خط آیا ہے کراچی سے۔ پیاری رضوانہ آپی السلام وعلیکم! اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گی سب سے پہلے آپ کو آپ کے ادارے کے تمام لوگوں اور تمام پڑھنے والوں کو رمضان کی مبارک باد۔ ماہنامہ دوشیزہ کے جون کے شمارے نے ابھی اپنا وہی نمبر 1 معیار برقرار رکھا۔ رفعت سراج کا ناول دام دل کافی انٹرسٹنگ ہے۔ اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ سویرا ملک کا افسانہ پچھتاوا پڑھ کر بھی اچھا لگا۔ بشریٰ سعید کی تحریر بند دروازے واقعی ہر گھر کی کہانی ہے اور ایک اچھا افسانہ ہے۔ اُم مریم کا سلسلے وار ناول بھی خوب جا رہا ہے۔ اس کی اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔ نئے لہجے نئی آوازیں میں ڈاکٹر اقبال امینہ قادری کے دعائیہ اشعار مجھے بہت پسند آئے۔ اس کے علاوہ نئے لکھنے والوں انزاء نقوی کی شاعری بہت عمدہ ہوتی ہے اس کے علاوہ اپنی پسندیدہ اداکارہ یمنیٰ زیدی کا انٹرویو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی غرض یہ کہ ٹائٹل پیج سے لے کر خرم مشیر کی بیوٹی گائیڈ تک ماہنامہ

دوشیزہ اپنی آب تاب برقرار رکھے رہا۔ میرا یہ کسی بھی ادارے میں پہلا خط ہے امید ہے آپ میری ہمت افزائی کریں گی۔ اور دوشیزہ گلستان کی طرح محفل میں بھی مجھے شامل کریں گی۔

☆ بہت معصوم سی معصومہ تمہارا معصومہ سا خط یقیناً سب کو اچھا لگا ہوگا ویسے بھی بیٹا تمہاری اردو کے املا کی غلطیاں بتا رہی ہیں کہ تمہارا تعلق انگلش میڈیم سے ہے لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ تم پھر بھی اتنے شوق سے دوشیزہ پڑھ رہی ہو وعدہ کرو اب آتی رہو گی۔

سیالکوٹ سے تھوڑی سی ڈری سہمی ماہین خاور پہلی بار ہماری مہمان بنی ہیں بہت پیاری رضوانہ باجی۔ آج پہلی بار ہمت کر کے آپ کی محفل میں شریک ہونے آئی ہوں۔ پتا نہیں مجھے بیٹھنے کی اجازت ملتی بھی ہے یا نہیں۔ ویسے میں کافی ڈرتے ڈرتے یہاں آئی ہوں۔ حالانکہ میرا شہر جیالوں کا شہر ہے رضوانہ باجی مجھے اس محفل میں بہت خلوص اور اپنا پن نظر آتا ہے آپ کے سب مہمان بہت محبت کرنے والے ہیں اور آپ کے جواب مجھے مزید محبت کا احساس دلاتے ہیں دوشیزہ میں ریگولر لیتی ہوں بس کبھی کبھی مس ہو جاتا ہے میری امی کا انتقال دو سال پہلے اچانک ہوا تھا تب سے دل بہت اُداس رہتا ہے۔ میں اور میری بہن رامین اپنے ابو کے ساتھ بہت اداسی والی زندگی جی رہے ہیں حالانکہ میری پھوپھو خالہ اور رشتے دار ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں اس بار محفل پڑھتے ہوئے پتا نہیں کیوں دل چاہنے لگا کہ میں بھی آپ سے اپنا غم اپنی باتیں شیئر کرلوں اور آپ کے سب مہمانوں سے دعائیں لوں۔ اس بار کا ناولٹ نمبر بہت اچھا تھا۔ سب ناولٹ اور افسانے بہترین رہے۔ سارے سلسلے اپنے اندر بہت دلچسپی سمیٹے ہوئے ہیں رضوانہ باجی! یقین کریں میری اُداسی کو دوشیزہ جیسے اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے میں اس میں بالکل کھو جاتی ہوں۔

☆ بہت پیاری سی ماہین دیکھو تو سہی محفل میں موجود ہر مہمان تمہیں دل سے ویلکم کر رہا ہے۔ گڑیا تم ناحق ڈر رہی تھیں تمہیں تو بہت پہلے ہی یہاں آ جانا چاہیے تھا۔ ماں کے چلے جانے کا دکھ وہ بھی بہت اچانک اور بہت ناوقت ...... ہم تمہارا دکھ بھی سمجھ سکتے ہیں۔

ضبط کا حوصلہ نہ پوچھ ابھی
وقت کیسے کٹا نہ پوچھ ابھی

لیکن بیٹا شکر کرو تمہارے ابو اور دیگر محبت کرنے والے رشتے دار تمہارے اردگرد موجود ہیں اور ہم سب بھی ہیں نہ تمہارے پاس۔ یہاں آتی رہنا اپنی خوشی اپنا غم تم ہم سے بانٹ سکتی ہو۔

افشاں رضا اسلام آباد جیسے خوبصورت شہر سے ہمیں یاد کر رہی ہیں۔ پیاری رضوانہ باجی حسب معمول اس ماہ کا شمارہ بھی ہمیں ایک خوبصورت سی خوشی سے ہمکنار کر گیا۔ یقین جانیے یہ ڈائجسٹ اپنے اندر اتنا کچھ سمیٹے ہوتا ہے کہ جب بھی دل گھبراتا ہے یا بوریت کا احساس ہوتا ہے تو اس کو پڑھ کر کچھ دیر کے لیے پھر کچھ اور یاد نہیں رہتا۔ ایک دنیا سی سمو دی ہے آپ لوگوں نے اس میں۔ ناولٹ افسانے بہت خوبصورت اور حقیقت سے قریب ہوتے ہیں دوشیزہ گلستان پڑھ کر تو مزہ آ جاتا ہے اس کے علاوہ سارے ہی مستقل سلسلے بہترین تھے۔ یہ لفاظی نہیں میں یہ سب دل سے کہہ رہی ہوں اور ہاں پچھلے ماہ

اے آر وائی کے خوبصورت پروگرام

م ش خ

اے آر وائی ڈیجیٹل ''شان رمضان'' کے نام سے سحر و افطار میں جاری رہنے والی اس عظیم الشان نشریات میں کئی معلوماتی پروگرام، ڈرامے، سوپ، مذہبی پروگرام خوبصورت انداز میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ مفتی منیب الرحمٰن اس دفعہ بھی مذہبی پروگراموں میں شریک ہیں، جب کہ کیو ٹی وی کے علاوہ وہ ARY نیوز بھی خوبصورت پروگرام آن ایئر

مختلف علماء حضرات شرکت کریں گے۔ شان سحر رات 2 بجے سے صبح 4:30 بجے تک نعتیں، کوئز شو جس میں یونیورسٹی اور کالج کے طلبہ و طالبات شرکت کریں گے۔ لوح قرانی، نیکی، سحری کا دستر خوان میں علماء حضرات خصوصی طور پر سوالوں کے جوابات دیں گے۔

اب ہم بات کریں گے ARY کے مقبول ترین ڈراموں کی۔

سیریل 'عشق پرست' میں جبران سید اور اریج

سیریل 'ممتا' میں آغا علی، نتاشا علی اور سونیا حسن کے ساتھ

کرے گا۔ شان افطار میں 2:30 دوپہر سے لے کر مغرب تک جو پروگرام دکھائے جائیں گے ان میں پروگرام ''شان دستر خوان، نیکی میں ضرورت مندوں کی مدد، حکایت و تسلسل اِسلام، سوال جواب پر لوح قرانی، بچوں کی روزہ کشائی، افطار کے وقت خصوصی دعا، کوئز شو، شان علم، نعتیں۔ آج کا مہمان، میں

سیریل ''ممکن'' کو ناظرین بہت پسند کرتے ہیں۔ سعد خان اور فوزیہ چھپ کر شادی کر لیتے ہیں اور ان دونوں کی ملاقات شادی کے 25 سال بعد ہوتی ہے۔ اس سیریل کو تحریر کیا ہے ثروت نذیر نے جب کہ ہدایت فرقان خان کی ہیں۔ اس کے فنکاروں میں سارہ خان، جنید خان، ساجد حسن، فرح

سوپ 'گڑیارانی' میں موبل خالد اور علی عباس

شاہ، طاہرہ امام اور سعیدہ فیصل شامل ہیں۔ سیریل ممکن رمضان میں ہر منگل کی رات 9:30 بجے دکھائی جائے گی۔

سیریل ''زندہ درگور'' ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جو بچپن میں یتیم ہو چکی ہے اور اپنی تائی کے ساتھ رہ کر اپنے باپ کو یاد کرتی ہے۔ سیریل کی ہدایت فرقان خان نے دی ہیں۔ سیریل کے فنکاروں میں سنبل اقبال، فروز خان، فرح شاہ، تحریم ذبیری، یسی پاشا اور شہریار زیدی قابل ذکر ہیں۔

سیریل تم سے مل کر'' ہر جمعرات کو 9:30 بجے دکھائی جائے گی۔ سیریل ''عشق پرست'' کی کہانی دعا، حمزہ، ذوہیب، اور ارسلا کے گرد گھومتی ہے۔ اسے تحریر کیا ہے محسن علی نے جب کہ ہدایت بدر محمود کی ہیں اس کے فنکاروں میں اریج، ارینا، جبران، احمد علی، وسیم عباس، اور صبا فیصل قابل ذکر ہیں۔ یہ سیریل ہر جمعہ کی رات 9:30 بجے دکھائی جائے گی۔

ہفتہ سیریل '' میرے درد کی تجھے کیا خبر ہے'' 9:30 بجے، مزاحیہ ڈرامہ بلبلے اتوار 9:30 بجے اور روزانہ رات 11:00 سیریل ممتا رات 10:30 بجے بروز جمعہ ہفتہ کی رات 10:30 بجے سیریل پیوند اتوار کی رات 10:30 بجے سیریل ''وہ عشق تھا شاید'' اتوار کی رات گیارہ بجے سیریل کھلونا پیر سے لے کر جمعرات تک 10:30 بجے سوپ ''دل برباد'' پیر سے لے کر جمعرات تک رات گیارہ بجے سوپ ''گڑیا رانی'' یہ تمام خوبصورت پروگرام ARY ڈیجیٹل سے دکھائے جائیں گے۔

ARY نیوز ''شان سحر'' کے نام سے خصوصی پروگرام صبح 3 بجے سے لے کر 5 بجے تک دکھائے گا جس میں صنم بلوچ ناظرین ARY نیوز کو نعت خوانی کے علاوہ اس پروگرام میں کوکنگ کے مفید مشورے بھی دیے جائیں گے۔ جب کہ اس شان سحر میں منفرد مہمان خصوصی شرکت کریں گے۔ ARY میوزک سے پروگرام ''قسمت کنکشن'' کو ہوسٹ وجے طاہر رات 10

سیریل ''دل برباد'' میں مریم انصاری

بجے سے لے کر 12 بجے رک روزانہ پیش کریں گے جب کہ پروگرام ''میوزک ہٹ میں ARY میوزک سے آن ایئر ہونے والے پروگرام کو پورے رمضان شام 5 بجے سے لے کر 7 بجے تک دکھایا جائے گا۔

☆☆......☆☆

اس محفل میں آپ کے جواب نے دل خوش کر دیا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے فریم کروا کر دیوار پر لگا دوں۔ آپ کو لوگوں کا یقیناً دل بڑھانے اور انہیں خوشی دینے کا فن آتا ہے۔

☆ پیاری افشاں! تم جس محبت اور خلوص سے دوشیزہ کی تعریف کرتی ہو ہم اتنے ہی پیار سے تمہارے شکر گزار ہوتے ہیں اور ہاں ہمارا وہ جواب سو فیصد سچائی پر مبنی تھا تم خوش ہو گئیں تو یہ ایک الگ بات ہے۔

ندیا مسعود! کراچی سے اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ ڈیئر رضوانہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں اکھٹا پا کر دل خوش ہو گیا سب سے پہلے دوشیزہ کی محفل میں شرکت کر کے سب سے ملاقات کی۔ سچی کہانیوں کی فہرست میں اپنا نام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی دوشیزہ میں ایمن زیدی کا انٹرویو تصویروں کے ساتھ بہت اچھا لگا۔ آج کل وہ ٹی وی پر چھائی ہوئی ہیں۔ زادِ راہ سلسلہ اچھا ہے ناولٹ نمبر کے سب ہی ناولٹ اور افسانے پسند آئے افسانہ پچھتاوا سبق آموز کہانی تھی۔ دوشیزہ گلستان مزیدار لطیفوں شاعری اور حکایتوں سے سجا مزے دار سلسلہ ہے۔ لالی وڈ، بالی وڈ نئی نئی خبروں سے باخبر رکھتا ہے۔ رفعت سراج کا ناول دامِ دل میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔

☆ اچھی ندیا! بس ایسے ہی اچھا لکھنے کی کوشش کرتی رہو تو سچی کہانیاں اور دوشیزہ دونوں میں ہی تمہارا نام جگمگائے گا۔

ڈاکٹر سہیلا کاظمی کراچی کلفٹن سے رقم طراز ہیں۔ ڈیئر رضوانہ پرنس، پہلی بار آپ اس محفل میں شرکت کر رہی ہوں ویسے خاموش مہمان میں اس محفل کی بہت عرصے سے ہوں۔ آپ کا یہ ڈائجسٹ ایک ایسی مکمل دنیا کی مانند ہے جس میں ایک قاری کو سب کچھ مل جاتا ہے جس کے لیے آپ لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ناولٹ نمبر بہت شاندار رہا۔ اس بار کچن کارنر بھی کچھ زیادہ ہی مزے دار تھا۔

☆ ڈاکٹر سہیلا! خوش آمدید امید ہے آئندہ مزید تفصیلی تبصرے کے ساتھ آئیں گی چلیے دوستو اب ہم لوگوں کی محفل میں ڈاکٹر صاحبہ بھی آ کر بیٹھ گئی ہیں کوئی مسئلہ ہو تو ان سے پوچھ سکتے ہیں ٹھیک ہے نہ؟"

یاسمین اقبال سکھ پورہ لاہور سے اپنے جامع تبصرے کے ساتھ آئی ہیں۔ السلام وعلیکم! سلامت رہو۔ اللہ کی رحمتیں آپ پر نازل ہوں۔ آمین۔

مئی کا خوبصورت افسانہ نمبر ملا۔ کاشی چوہان کا بادشاہ گر مزدور دل میں اترنے والی تحریر کیا زبردست لکھا۔ لفظوں کے دانت نہیں ہوتے مگر کاٹتے ہیں اگر کاٹ لیں تو ان کے زخم نہیں بھرتے اسی لیے تو کہتے ہیں کہ

کسی کو زخم نہ دو حرف نا ملائم سے
یہ تیر وہ ہے جو لوٹ کر بھی آتا ہے

زادِ راہ سے مستفید ہونے کے بعد محفل میں چھلانگ لگائی اور اپنا خط پا کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ رضوانہ میری شاعری کی تعریف کرنے اور غزل شائع کرنے کا بے حد شکریہ۔ زین آپ کا بھی شکریہ

میرے سوالوں کا جواب دینے کا۔ رضوانہ دو ہلکی پھلکی مزاحیہ نظمیں دوشیزہ گلستان کے لیے روانہ کر رہی ہوں امید کرتی ہوں ضرور لگائیں گی۔ اب بات ہو جائے افسانوں کی یوں تو سب ہی غزلیں تحریریں اچھی تھیں۔ مگر کاشی کی روح دیکھی ہے کبھی، عصمت پروین کا ٹھنڈی چھاؤں، نگہت اعظمی کا افسانہ آگ کی کہانی، عظمی نے بہت اچھا لکھا کہ ہم لوگ اپنے بچوں کو ڈاکٹر انجینئر بنا کر فخر محسوس کرتے ہیں دین کا عالم بنانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے محبت اور فرض کے درمیان پروان چڑھتی تحریر فیصلہ حنا اصغر، کی اچھی کاوش تھی۔ ماں ہی کی محبت سے گندھا الماس روحی کا افسانہ امڑ دل میں گھر گیا ہے۔

رنگ کائنات میرا فیورٹ ہے محمد عظمت اللہ کی تحریر بعد از مرگ ناگہاں، رازوں سے پردہ اٹھاتی، دعائے مغفرت لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئیں۔

نئی آوازوں میں ثمینہ عرفان کی میری ماں، سعدیہ نور کی میری ماں میرا سایہ سمیع جمال کی غزل۔ انزاء نقوی کی غزل اور باقی شعراء کا کلام بھی دل کو بہت بھایا۔ رنگوں خوشبوں سے سجا دلفریب دوشیزہ اپنے تمام سلسلوں سمیت بہت اچھا لگا۔ تمام اسٹاف آپ کو اور محفل کے تمام شرکا کو میرا سلام اور دعائیں ایک خوبصورت شعر کے ساتھ اجازت اللہ آپ سب کا نگہبان ہو۔

روتے روتے تھک جاتے ہیں، ہنسنے کو دل کرتا ہے
درد کا یہ ساماں کہیں دھرنے کو دل کرتا ہے
وہ کہتا ہے کھو کر تم کو میں بھی جی نہ پاؤں گا
ایسے لالچ دیتا ہے اب مرنے کو دل کر رہا ہے

☆ یاسمین ڈیئر! اشعار تو واقعی بہت خوبصورت ہیں اگلے ماہ اپنی مزاحیہ نظم دوشیزہ میں میں جگمگاتی ہوئی دیکھنا۔ اس بار تبصرہ ذرا وقت پر بھیجنا۔

راحت وفا راجپوت ہمیں لاہور سے لکھتی ہیں۔ آداب! خیریت بہ عافیت نیک مطلوب! میری کہانی مذاق کو رسالے میں جگہ دینے کا بہت بہت شکریہ آپ نے میری حوصلہ افزائی کی اس بات کا بھی شکریہ اللہ دوشیزہ کو مزید ترقی سے نوازے۔ میں مزید دو کہانیاں ''کالی چادر'' اور پاگل آنکھوں والی لڑکی بھیج رہی ہوں۔ امید ہے آپ کے معیار کے مطابق ہوں گے۔ رسالے میں جگہ دے کر مہربانی فرمایئے گا۔ ایک نظم ''پہلی بارش'' بھی بھیج رہی ہوں امید ہے اسے بھی جلدی جگہ مل جائے گی۔ اجازت دیجیے۔

☆ پیاری راحت! ہم ہمیشہ اچھی تحریروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ تمہاری کہانیاں ہمیں مل گئی ہیں بس تھوڑا سا انتظار......

کراچی سے نفیسہ سعید پہلی بار ہم سے ملنے آئی ہیں السلام وعلیکم۔ میں اس سے قبل خواتین اور کرن میں لکھ رہی ہوں لیکن آپ کے لیے میری پہلی کاوش ہے جو امید ہے کہ آپ کو پسند آئے گی لیکن اس کے باوجود آپ کو اس میں کوئی خامی نظر آئے تو پلیز میرے نمبر پر کال کر کے رابطہ کریں انشاء اللہ آپ کی بتائی گئی خامی کو حتی الامکان حد تک دور کرنے کی کوشش کروں گی۔ شکریہ۔

ڈیئر نفیسہ! آپ کی پہلی کاوش دوشیزہ کے لیے اس کے مزاج کے مطابق ہی ہے اور ہمیں اُمید ہے یہ آخری نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ آپ کی ''مہر النساء'' اگلے ماہ دوشیزہ کے صفحات پر جگمگانے والی ہے ایسے ہی آتے رہیے گا۔

فصیحہ آصف خان بھی بہت محبت کے ساتھ ملتان سے لکھتی ہیں سویٹ رضوانہ جی مسکراتی کھلکھلاتی رہیں آمین السلام وعلیکم۔ رب کائنات پاکستان اور عالم اسلام پر رحمتوں کی بارش برسائے۔ آمین۔ سب سے پہلے تو اس خوبصورت محفل کے ذریعے ہر قاری، بہن بھائی کو دل کی گہرائیوں سے عیدالفطر کی مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ کچھ مختصر سے الفاظ بطور تبصرہ سپرد قلم کرتی ہوں۔ رنگا رنگ سرورق نظروں کو بھایا دل میں سمایا، امی مایوس دلوں کا بہت بڑا سہارا ہوتی ہے کاشی کے خوبصورت الفاظ دل میں اتر گئے۔، زادراہ، بہت کارآمد رہا بعض لوگ دولت کے حصول میں زندگی کا اصل مقصد بھول جاتے ہیں جو کہ آخرت کے لیے جمع کرنا ہے۔ دوشیزہ کی محفل میں آتے ہیں تو اک حسین احساس دامن سے لپٹ جاتا ہے وہ ہے محبت خلوص کا ہر خط ہر سطر سے چاشنی ٹپک رہی ہے کسی ایک کا نام لیا تو زیادتی ہوگی مگر رضوانہ آپی یعنی رضوانہ کوثر صاحبہ اور شگفتہ شفیق کی آمد بہار کے جھونکے کی مانند لگی، یمنیٰ زیدی احمد سے ملاقات خوب تھی۔ خلیل الرحمٰن قمر اور فصیح باری خان کو بھی انٹرویو کی دنیا میں لائیں واہ جی واہ نزہت جبیں ضیاء کے کیا کہنے اس قدر تفصیلی احوال کہ خود کو بھی براتی سمجھے تصاویر بہت ہی پیاری لگیں۔ اللہ ان کے گھر کی خوشیاں قائم دائم رکھے۔ آمین دام دل دلفریبی سے آگے بڑھ رہا ہے بانو آپ لاکھ برا چاہیں مگر ثمر کو بدلنا نہیں چاہیے اور یاور کو عقل سے کام لینا ہوگا دونوں بہنیں دکھوں کی ماری ہیں۔ اس ماہ تیرے عشق نچایا کی قسط نے زبردست موڑ لیا اور رُلا ڈالا۔ کہانی میں خاص تبدیلی آئی ملک مصطفیٰ اب دوکشتیوں کا مسافر لگتا ہے گھر اور محبت میں سے ایک کا چناؤ اسے کرنا ہوگا بہت خوب بینا جی، زمر نے سالگرہ لکھ کر ایک بار پھر 16 دسمبر کا واقعہ تازہ کر دیا اللہ تعالیٰ رحم فرمائے شمیم فضل خالق کی بے حد جاندار تحریر نے مزہ دے ڈالا۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ سونیا کو بھی میٹھا پھل مل گیا۔ رشتوں کے اتار چڑھاؤ اور تانے بانے بنتی صدف آصف کی ''حبس'' نے محبتوں اور سازشوں کو بے نقاب کیا بہت خوب صدف۔

رمضان المبارک کی آمد کی وجہ سے مصروف رہی اس لیے پورا دوشیزہ نہیں پڑھ سکی۔ مگر محفل میں چونکہ حاضری دینا تھی سو آ گئی۔

اپنے ناولٹ کا عید نمبر میں انتظار ہے، بہت شکریہ۔ میری سب پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ ماہِ رمضان مین اپنی دعاؤں میں مجھ ناچیز کو بھی یاد رکھیں عید کے دن کے لیے ایک خوبصورت سفر

تمہارے انتظار میں ہم ...... روک رکھیں گے ساعت عید کو۔ خدا حافظ۔

☆ ڈیئر فصیحہ! عید نمبر میں یقیناً آپ کو اپنا ناولٹ عید کی خوشیوں میں مزید اضافہ کرتا ہوا محسوس ہو رہا ہوگا۔ اور جناب آپ کی حاضری محفل کے لیے ضروری ہے کہ اب ہمارے سب ہی مہمان آپ کے تبصروں کے عادی جو ہو گئے ہیں۔

پراسرار کہانی نمبر 2

Email : pearlpublications@hotmail.com

پراسرار نمبر 1 کی پذیرائی کے بعد پراسرار نمبر 2

ایک ایسا شاہکار شمارہ جس میں دل دہلا دینے والی وہ سچ بیانیاں شامل ہیں جو آپ کو چونکنے پر مجبور کر دیں گی۔

آپ کے اُن پسندیدہ رائٹرز کے قلم سے، جو آپ کی نبض شناس ہیں۔

جن کی کہانیوں کا آپ کو انتظار رہتا ہے۔

جنوں، بھوتوں اور ارواحِ خبیثہ کی ایسی کہانیاں جو واقعی آپ کو خوف میں مبتلا کر دیں گی۔

ہمارا دعویٰ ہے!

اس سے پہلے......

ایسی ناقابلِ یقین، دہشت انگیز اور خوفناک کہانیاں شاید ہی آپ نے پڑھی ہوں۔

آج ہی اپنے ہاکر یا قریبی بک اسٹال پر اپنی کاپی مختص کرالیں۔

ایک ایسا یادگار شمارہ، جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

سچی کہانیاں کا ماہِ اگست کا شمارہ، پُراسرار نمبر 2 ہوگا۔

ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں

سحرش فاطمہ بھی آج پہلی بار ہماری محفل کی مہمان بنی ہیں۔ سب سے پہلے تو میں یہ بتادوں کہ میں پہلی دفعہ آپ کی محفل میں شریک ہو رہی ہوں دوشیزہ کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں رضوانہ جی سب سے پہلے آپ کو بہت بہت مبارک ہو ایڈیٹر بننے کی۔ پھر ہر دل عزیز صدف آصف کو پہلی بار دوشیزہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ خوشی ہوئی پڑھ کر۔ ان کی ہر تحریر ایک میسج لیے ہوتی ہے بلاشبہ یہ میری نظر میں آج کی بہترین لکھاریوں میں اپنا نام لکھوا چکی ہیں۔ کافی عرصے بعد فوزیہ احسان رانا اپنے ناولٹ کے ساتھ تشریف لائیں ہیں امید ہے یہ بھی ان کے اور تخلیقوں کی طرح اچھی ہوگی۔ دوشیزہ کی ایک خاص بات جو ہے یہ کہ وہ یہ سب کے لیے ہے۔ اسی وجہ سے دوشیزہ سب پڑھتے اور اس میں لکھتے ہیں۔

رفعت سراج کی تو بات ہی کیا ہے وہ ناول لکھیں اور لوگ نہ پڑھیں ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا یہ بڑے لکھاری ہمارے لیے استاد کا درجہ رکھتے ہیں، ہم اگر انہیں پڑھتے ہیں تو یہ سمجھیں کے ان سے سیکھ رہے ہیں۔ کاشی چوہان نے ایک شمارے میں لکھا تھا ''لفظوں کے دانت نہیں ہوتے مگر کاٹتے ہیں اور اگر کاٹ لیں تو ان کے زخم نہیں بھرتے۔'' بہت سوچ سمجھ کر ہمیں دوسروں سے بات کرنی چاہیے۔ مجھے کاشی کی یہ بات اچھی لگی۔ امید ہے کہ میں بھی جلد دوشیزہ میں شمولیت اختیار کروں گی۔ چلیں اسی بات کے ساتھ اب اجازت لیتی ہوں۔

☆ پیاری سی لڑکی! انشاء اللہ ایک دن تمہارا نام بھی بڑے رائٹر میں شامل ہوگا بس ہمت نا ہارنا اور نہ ہی دل چھوٹا کرنا تمہاری تحریر مل گئی ہے ابھی پڑھی نہیں بس تھوڑا سا انتظار کرلو اور ہاں باقی لکھاری بھی تمہارے تبصرے کے منتظر ہیں۔

ہماری رضوانہ کوثر بستر علالت سے ہمیں یاد کر رہی ہیں۔ پیاری رضوانہ! سوری اس بار میں تبصرہ نہیں بھیج سکتی کہ میری طبیعت کافی خراب ہے۔ بس سمجھ لیں کہ چلنا پھرنا بھی محال ہے۔ اس کے علاوہ میری امی بھی شدید علالت کا شکار ہیں جن کی وجہ سے بہت زیادہ ذہنی ٹینشن ہے۔ میں آپ لوگوں سے بہت محبت کرتی ہوں۔ محفل کے ہر قاری سے جیسے ایک روحانی سا رشتہ ہے جب آپ سے رابطہ نہیں کر پاتی تو رونا سا آنے لگتا ہے۔ آپ لوگوں سے التجاء ہے کہ میری ماں کی صحت یابی کے لیے دل سے دعا کیجیے گا اللہ نے کرم کیا تو آئندہ اس محفل میں تفصیلی ملاقات ہوگی۔ انشاء اللہ۔

بہت پیاری رضوانہ کوثر اللہ آپ جیسی پرخلوص اور محبت کرنے والی ہستی کو صحت سلامتی کے ساتھ ہر پریشانی سے دور رکھے۔ اس محفل کا ہر مہمان یقیناً آپ کے لیے فکر مند ہوگا اور آپ کی صحت یابی کے لیے دل سے دعا کرے گا۔ آپ کی امی کے لیے بھی ہم سب دعا گو ہیں۔

اچھا ساتھیو! اب اجازت لینے سے قبل ہم آپ کو یہ بھی بتادیں کہ ہم کچھ عرصے کے لیے اپنی فیملی سے ملنے لندن جا رہے ہیں لیکن تھینکس انٹرنیٹ کا کہ ہم پل پل دوشیزہ سے رابطے میں رہیں گے تو پھر وعدہ کیجیے کہ آپ بھی ہر پل ہمارے ساتھ رہیں گے اور انشاء اللہ جلد واپسی پر عید ملن کا پروگرام ہوگا۔ آپ کے سارے خطوط ہمیں لندن میں موصول ہوں گے سو آنا نہ بھولیے گا۔

دعاؤں کی طالب

رضوانہ پرنس

تقریبِ پذیرائی

طٰحہ متین

شگفتہ شفیق کے اعزاز میں منعقدہ تقریب پذیرائی کا مختصر احوال

شگفتہ شفیق ایک معروف شاعرہ ہیں۔ تین شعری مجموعوں کی خالق ہیں اُن کے تینوں شعری مجموعے بیرون ملک بھی کئی ایوارڈز لے چکے ہیں۔ شگفتہ شفیق

شگفتہ شفیق تقریب پذیرائی کے موقع پر مسرور دکھائی دے رہی ہیں

کے اعزاز میں میٹروون ادبی فورم اور انڈس ادبی فورم کے اشتراک سے انڈس یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں ایک پُروقار تقریب پذیرائی منعقد کی گئی، جس کے مہمان خصوصی پروفیسر رئیس علوی ڈائریکٹر (KASBIT) تھے جبکہ صدارت چانسلر انڈس یونیورسٹی خالد امین نے کی۔ تقریب میں راشد نور۔ سلطان مسعود شیخ۔ ریحانہ روحی۔ ثبین سیف نے شگفتہ شفیق کی کی شاعری کے حوالے سے نہ صرف

اظہارِ خیال کیا بلکہ اپنی شاعری بھی سنائی۔ اس تقریب کی میزبان شگفتہ یاسمین تھیں۔ یہ ایک شاندار تقریب رہی جس میں انڈس یونیورسٹی کے

شگفتہ شفیق اپنی شیلڈ کے ساتھ پروفیسر رئیس علوی خالد امین اور ثبین سیف نمایاں ہیں

طلباء وطالبات کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ سب سے پہلے ثبین سیف کو مائیک پر آنے کی دعوت دی تو اُنھوں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ شگفتہ شفیق شاعرات میں اپنی ایک الگ جگہ بنارہی ہیں۔ اس موقع پر انھوں نے اپنی ایک غزل ترنم کے ساتھ پیش کی۔ اب ریحانہ روحی کی باری تھی انھوں نے شگفتہ شفیق کو ٹریبیوٹ پیش کیا اور کہا کہ شگفتہ شفیق کے ہاں ایک دھیما پن ہے اور میں چاہتی ہوں کہ وہ کبھی کبھی

شگفتہ شفیق کی شاعری اپنی سادگی اور نرمی کی وجہ سے دل میں اتر جاتی ہے' پروفیسر رئیس علوی

بولڈ بھی لکھیں۔ انھوں نے کہا کہ میرے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ شگفتہ شاعرہ زیادہ اچھی ہے یا انسان پیاری ہے۔ ریحانہ روحی نے بھی اپنی خوبصورت شاعری سے سامعین کو محظوظ کیا۔ راشد نور صاحب نے کہا کہ شگفتہ شفیق کی شاعری میں تنہائی اور دھیما پن ہے اور وہ جمالیات کے ساتھ وہ اپنے اظہار میں اپنے معاشرتی اور جیتے جاگتے کرداروں کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک کیفیت پائی جاتی ہے۔

سے ہم کو نکھرنے کا موقع ملا۔ شگفتہ شفیق نے اپنی خوبصورت شاعری سنا کر خوب داد سمیٹی

تیری باتوں سے مجھے یوں تازگی ملتی رہی
تیری چاہت سے مرے دل کی کلی کھلتی رہی
موسمِ گل جیسے میرے بام پہ ہی رک گیا
تیرے میٹھے بول سن کر زندگی ملتی رہی

اس موقع پر پروفیسر رئیس علوی نے کہا کہ شگفتہ شفیق کا کلام ان کی نظمیں ان کی غزلیں بہت سادہ اور بہت نرم ہیں۔ یہ سادگی اور نرمی بڑی کمال کی

ثمین سیف شگفتہ شفیق کو گولڈ میڈل پہنا رہی ہیں جبکہ پروفیسر رئیس علوی' خالد امین' راشد نور اور ریحانہ روحی بھی موجود ہیں

شگفتہ شفیق نے مائیک پر آ کر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میٹرو ون ادبی فورم اور انڈس ادبی فورم کا شکریہ ادا کیا انھوں نے کہا کہ میٹرو ون کا بزم شاعری شاندار پلیٹ فارم ہے جو کہ اردو ادب کے حوالے سے بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔ شگفتہ شفیق نے تسلیم کیا کہ محبت اور حوصلہ افزائی بہت زور آور ہوتے ہیں۔ یہ جہاں اور جس کو مل جائیں تو اس کو آگے جانے سے کوئی نہیں روک سکتا اور مجھے زندگی کے سفر میں محبت اور ستائش دل کھول کے ملے ہیں۔ جس

ہے، جو کہ عام طور پر نہیں ہوتی ہے۔ شگفتہ شفیق کی نظموں اور غزلوں میں پاکستانی مشرقی معاشرے کا پہلو صاف نظر آتا ہے۔ پروفیسر رئیس علوی نے کہا کہ ہم شگفتہ کو بہت مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ وہ جس طرح لکھ رہی ہیں اللہ انھیں توفیق دے کہ وہ اسی طرح نرمی اور سادگی سے لکھتی رہیں تاکہ تمام لوگ یہ محسوس کریں کہ شاعری میں کوئی نرم آوازیں بھی ہیں جو کہ دل میں اتر جاتی ہیں۔ جناب سلطان مسعود شیخ صاحب نے فرمایا کہ شگفتہ شفیق کے یہاں نسائی لہجہ جدید اور قدیم سے مل کر ایک سنگم کا تاثر دیتا ہے

شگفتہ شفیق نے اپنا نسائی رنگ خوب جمایا ہے وہ جنیوئن شاعرہ ہیں' سلطان مسعود شیخ

شگفتہ شفیق بے حد خوش قسمت ہیں کہ انھیں گولڈ میڈل و شیلڈز پیش کئے جا رہے ہیں چانسلر انڈس یونیورسٹی خالد امین

بہت کم شاعرات اپنا رنگ جما پاتی ہیں لیکن شگفتہ شفیق نے اپنا نسائی رنگ خوب جمایا ہے۔ پھر چانسلر انڈس یونیورسٹی خالد امین نے کہا کہ شگفتہ شفیق نے خوبصورت شاعری۔ دھیمے الفاظ اور بہترین ادائیگی سے بہت سارے لوگوں کا دل جیتا ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ یہ بہت خوش قسمت اور خوش نصیب ہیں کہ ان ہمارے معاشرے کا ایک اہم فرد ہوتا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے اور مہمان خصوصی جناب رئیس عاوی نے شگفتہ شفیق کو شیلڈ پیش کی اور زین سیف نے گولڈ میڈل پہنایا۔ تقریب میں اگلی صفوں پر حیدر حسنین جلیسی، صبیحہ صبا، صغیر احمد جعفری، عظیم حیدر سید، فہمیدہ مقبول، ناصر رضا صاحب موجود تھے۔ یہاں

پروفیسر رئیس عاوی شگفتہ شفیق کو شیلڈ پیش کر رہے ہیں

گولڈ میڈل اور شیلڈز پیش کی جا رہی ہیں۔ یہ شگفتہ شفیق کا اعزاز ہے۔ انھوں نے کہا کہ ادیب و شعراء کی خدمات کے صلے میں ان کی قدر کی جانی چاہیے ان کے شعری مجموعوں اور کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں ہم نے تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ شاعر اور ادیب

شگفتہ شفیق نے مائیک پر آ کر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ محبت اور حوصلہ افزائی بہت زور آور ہوتے ہیں۔ یہ جہاں اور جس کو مل جائیں تو اس کو آگے جانے سے کوئی نہیں روک سکتا اور مجھے زندگی کے سفر میں محبت اور ستائش دل کھول کے ملے ہیں

یہ امر قابل ذکر ہے کہ تقریب کے محرک اور بزم شاعری کے ڈائریکٹر قیصر وجدی نے ایسی تقاریب کو اپنے طرز پر سنوارنے کی جو کوشش کی ہے اس میں ایک ورائٹی پیدا ہوگئی ہے۔ شگفتہ شفیق مبارکباد کی مستحق ہیں کہ ان کے لیے ایک پروقار تقریب سجائی گئی۔ ☆☆

سن کنے سوال

آج کے کامیاب اداکار و ماڈل

محمد بلال قریشی

ذیشان فراز

☆ وہ نام جو شناخت کا باعث ہے؟

♥: محمد بلال قریشی۔

☆ گھر والے کیا کہہ کر پکارتے ہیں؟

♥: گھر میں سب مدنی کہتے ہیں اور ویسے بلّو۔

☆ وہ مقام جہاں سے آشنا ہو کر آنکھ کھولی؟

♥: سعودی عرب۔ ویسے میں لاہوری ہوں۔

☆ زندگی کس برج (star) کے زیر اثر ہے؟

♥: دلو۔

☆ علم کی کتنی دولت کمائی؟

♥: کچھ ادھورے سپنوں جیسی ہے۔

☆ کتنے بھائی بہن ہیں۔ آپ کا نمبر؟

♥: ایک بڑا بھائی، ایک بڑی بہن، تین چھوٹی بہنیں۔ میرا نمبر تیسرا ہے۔

☆ اداکاری کے لیے اپنی طبیعت اور مزاج کے برعکس موڈ بنانا ضروری ہوتا ہے؟

♥: بالکل۔

☆: اس زندگی میں کون سا کام سب سے مشکل ہے؟

♥: سب کو خوش رکھنا۔

☆: کوئی ایسی خواہش جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟

♥: اللہ کا شکر ہے۔ ہر خواہش پوری ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ بس جدوجہد کرنے سے سب کچھ مل جاتا ہے۔

☆: اپنی کون سی عادت بہت پسند ہے؟

♥: جب غصہ آتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہوں۔

☆: اپنی کون سی عادت سخت ناپسند ہے؟

♥: اچھی عادت ہی میری ناپسندیدہ عادت ہے۔

☆: زندگی میں کون سے رشتوں نے دُکھ دیے؟

♥: ہاہاہا...... ابھی تک تو کسی نے نہیں۔

☆: لباس جگ بھاتا پہنتے ہیں یا من بھاتا؟

♥: لباس ہوتے ہی کتنے ہیں۔ (قہقہہ) ویسے شلوار قمیض زیادہ پسند ہے۔

☆: شوبز میں آمد کیسے ہوئی؟

♥: بہت جدوجہد کے بعد ہوئی ہے۔

☆: کس آرٹسٹ کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے۔

♥: شاہ رخ خان کے ساتھ۔

☆:اردو والے ''سفر'' کا ذریعہ کیا ہے؟
♥:اپنی گاڑی ہے۔
☆:دن کا کون سا پہر اچھا لگتا ہے؟
♥:شام اور رات کا پہر بہت اچھا لگتا ہے۔
☆:حساس ہیں یا......؟
♥:بہت زیادہ۔
☆:کون سے ایسے معاشرتی رویے ہیں جو آپ کے لیے دکھ اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں؟
♥:جب کوئی جھوٹ بولے' جب کوئی اگنور کرے۔ اگنورنس تو برداشت ہی نہیں ہوتی۔
☆:دولت، عزت، شہرت، محبت اور صحت اپنی ترجیح کے اعتبار سے ترتیب دیجیے۔

♥:ٹیلی فلم ''ننھا سا دل'' میں ایک طالب علم کا رول کیا اور کچھ اندازہ نہیں کہ شہرت کس نے دی۔
☆:غصے میں کیا کیفیت ہوتی ہے، خاموشی یا چیخ و پکار؟
♥:غصے میں خاموش ہو جاتا ہوں بس۔ پہلے میں غصے میں جنونی ہو جاتا تھا۔
☆:لوگوں کی نظر میں آپ کی شخصیت کیسی ہے، اعلیٰ، اچھی، بس ٹھیک؟
♥:لوگ مجھے بہت خاص شخصیت سمجھتے ہیں جی۔ (قہقہہ)
☆:موت خوف کا باعث ہے؟ اور اس کے علاوہ ڈرنے کی کوئی وجہ؟
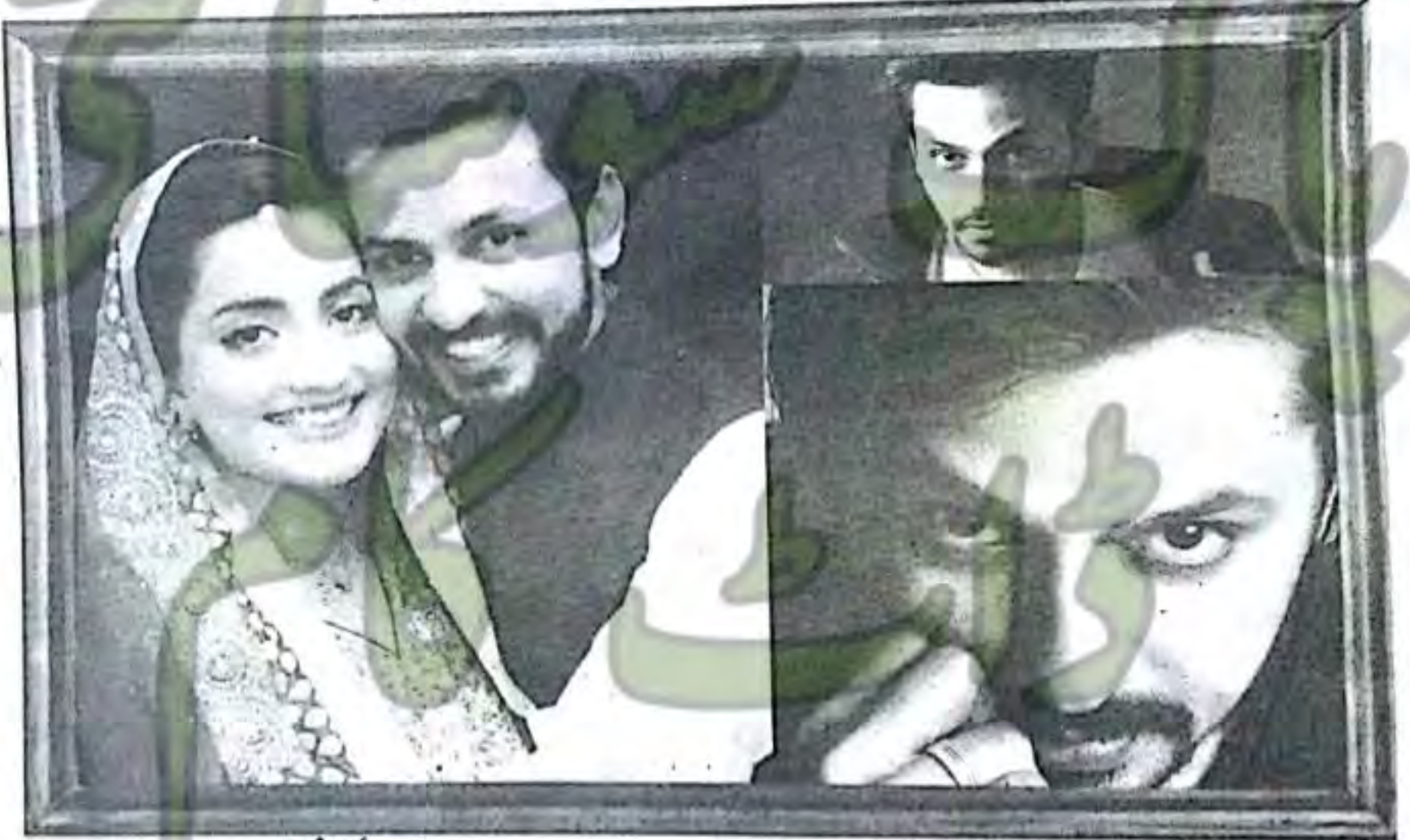
♥:عزت، صحت، محبت، دولت، شہرت۔
☆:سمندر کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟
♥:خدا کی خدائی! واہ رے اللہ میاں!
☆:خودستائشی کے کس حد تک قائل ہیں؟
♥:ایک حد تک ہر انسان خودستائشی کا قائل ہوتا ہے۔ میں بھی انسان ہی ہوں۔
☆:شوبز میں پہچان کون سا ڈرامہ بنا؟

♥:موت سے بالکل نہیں ڈرتا۔
☆:فراز کے اس خیال پر کس حد تک یقین رکھتے ہیں کہ دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا؟
♥:سو فیصد۔
☆:کھانا گھر کا پسند ہے یا باہر کا فاسٹ فوڈ؟
♥:امی کے ہاتھ کا۔ اس کے علاوہ ''وہ'' بھی بہت اچھا بنا لیتی ہے۔ (گھر جانا ہے یار، قہقہہ)

☆:زندگی کے معاملات میں آپ تقدیر کے قائل ہیں یا تدبیر کے؟

♥:دونوں کے۔

☆:زندگی کا وہ کون سا پل تھا جس نے یکدم زندگی ہی تبدیل کردی؟

♥:شوبز میں نام ہونے کے بعد زندگی یکدم ہی بدل گئی۔

☆:ویک اینڈ کیسے گزارتے ہیں؟

♥:صرف اور صرف اپنے بیڈ پر۔

☆:شہرت، رحمت ہے یا زحمت؟

♥:رحمت ہے جی (قہقہہ) مگر جب لوگ خوامخواہ آپ کے بارے میں کوئی غلط رائے رکھیں یا کوئی غلط جملہ بول دیں، تو پھر لگتا ہے کہ شہرت زحمت ہے۔

☆:آئینہ دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟

♥:اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں۔

☆:''ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا'' کس حد تک عمل کرتے ہیں؟

♥:اوروں کے کام! ارے میں تو خود فقیر آدمی ہوں۔ ویسے حسبِ توفیق کچھ نہ کچھ دے ہی دیتا ہوں۔

☆:اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ موسیقی روح کی غذا ہے؟ اگر ہے تو کیسی موسیقی؟

♥:سو فیصد یقین ہے۔ ہر قسم کا میوزک سنتا ہوں۔

☆:اپنے ملک کی کوئی اچھی بات؟

♥:ہم آزاد ہیں۔ پاکستانی ہیں۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔

☆:خودکشی کرنے والا بہادر ہوتا ہے یا بزدل؟

♥:میرے نزدیک بزدل ترین ہوتا ہے۔

☆:آپ پاکستان میں کس تبدیلی کے خواہاں ہیں؟

♥:پاکستان میں قانون پر عمل کرانے سے سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔

☆:مطالعہ عادت ہے یا وقت گزاری؟

♥:عادت ہے۔

☆:انٹرنیٹ اور فیس بک سے کتنی دلچسپی ہے؟

♥:بہت زیادہ۔

☆:عروسہ سے ملاقات کہاں ہوئی؟

♥:پیا کا گھر پیارا لگے کے سیٹ پر۔

☆:محبت ہونے کے بعد کیا محسوسات ہیں؟

♥:جینے لگا ہوں پہلے سے زیادہ، پہلے سے زیادہ اُس پر مرنے لگا ہوں۔

☆:شادی کب ہوئی؟

♥:اِسی سال 2015ء ویلنٹائن کے دن

☆:کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں؟

♥:سینما ہاؤس میں مووی دیکھنے کے لیے۔

☆:خوشی کا اظہار کس طرح کرتے ہیں؟

♥:سب سے پہلے الحمدللہ اور پھر اس وقت جو بھی طریقہ سمجھ آئے۔

☆:محبت کا اظہار کس طرح کرتے ہیں؟

♥:بہت زیادہ کھل کر کرتا ہوں (قہقہہ)

☆:کوئی ایسی چیز جو وقت سے پہلے مل گئی ہو؟

♥:مجھے ہر چیز تھوڑی دیر سے ملتی ہے۔

☆:تحفہ دینے میں آپ کا انتخاب؟

♥:عموماً تحفہ دینے میں میرا انتخاب 'پرفیوم' ہوتا ہے۔

☆:کس کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟

♥:اب بھی امی کے غصے سے ہی ڈر لگتا ہے۔

☆:ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں؟

♥:اُف! آپ کو نہیں پتا؟ ویلنٹائن ڈے کے دن ہی تو میں نے شادی کی ہے۔

☆:حرف آخر کیا کہنا چاہیں گے؟

♥:سب کے لیے دعائیں اور محبت۔

☆☆......☆☆

ناول

رفعت سراج

دامِ دل

معاشرے کے بطن سے نکلی وہ حقیقتیں، جو دھڑکنیں بے ترتیب کر دیں گی

رفعت سراج کے جادوگر قلم سے، نئے سلسلے وار ناول کی چھٹی کڑی

''سر میں نے سارا کام Complete کر لیا ہے۔ بے شک آپ چیک کر لیں۔ روز کا کام روز کرنے سے کام کا ڈھیر نہیں لگتا، میں نے سوچا آج تو کام پورا کر کے ہی دم لوں گی، چاہے رات کے بارہ بج جائیں۔'' ثمر حیران و پریشان ندا کی طرف دیکھ رہا تھا جو ایک سانس میں بولتی جا رہی تھی۔

'Good...... کیا اب میں جاسکتا ہوں۔'' ثمر نے ہلکا سا سر کا جھٹکا دیا، جیسے ذہن کو اونگھنے سے بچانے کی

سعی کررہا ہو۔

''جی سر! میں بھی تو آپ کے ساتھ جاؤں گی نا سر، یہ بات تو آپ بھی پسند نہیں کریں گے کہ ایک جوان لڑکی جو کہ آپ کے آفس میں کام کرتی ہے، رات کے اندھیرے میں روڈ پر کھڑی ہو کر کنوینس کا ویٹ کرے۔ مجھے اس وقت Drop کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہے۔''

ندا نے ثمر کے سارے راستے بلاک کردیے تھے۔ ثمر اس کی طرف بغور دیکھنے لگا۔ جیسے جانچ رہا ہو کہ یہ سادگی کی انتہا ہے یا چالاکی کی۔

''چلیں سر؟'' ندا نے ثمر کی الجھن سے بے نیاز ہو کر صرف اپنی بات کی۔

''لیکن مجھے کیا پتا آپ نے کہاں جانا ہے۔ ضروری تو نہیں ہمیں ایک ہی راستے پر جانا ہو۔ ہوسکتا ہے میرے حساب سے آپ کا گھر آؤٹ آف وے ہو۔''

''راستے بے شک الگ ہوں۔'' ہم ساتھ چل تو سکتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی ٹرننگ پوائنٹ مل ہی جائے گا اور آپ مجھے میرے گھر ڈراپ کردیں گے۔''

''ٹرننگ پوائنٹ کا ابھی بتادیں، کیا خبر آپ مجھے لنک روڈ سے میر پور خاص جانے کا کہہ دیں۔

ثمر کا کوفت سے برا حال ہو رہا تھا۔ مگر برائے انسانیت اُسے خود پر جبر کرنا پڑ رہا تھا۔

''اللہ توبہ استغفار...... سر میں آپ کو اتنی تکلیف دینے کا تو سوچ بھی نہیں سکتی۔ مجھے تو نارتھ ناظم آباد بلاک H میں جانا ہے۔ پاس ہی تو ہے۔''

ندا نے بڑے بے ساختہ انداز سے کہا اور کار کے بونٹ پر پڑی ہلکی سی دھول پر انگلی سے نارتھ ناظم آباد بھی لکھ دیا۔

'اوہ گاڈ! نارتھ ناظم آباد......!!' ثمر کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔

''یعنی اُسے ندا کو Drop کرکے اپنے گھر نرسری آنا تھا۔

''سر کیا سوچ رہے ہیں Door کھولیں ناں، کھڑے کھڑے میرے پاؤں میں درد ہوگیا ہے۔ نانا جان کو میں نے فون کردیا تھا کہ میں لیٹ ہوجاؤں گی مگر اتنا لیٹ ہوجاؤں گی، یہ تو اندازہ ہی نہیں تھا۔''

''دیکھیے بی بی ندا! آئندہ اتنی ایفی شنسی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کو اس شہر کے ٹریفک کی سچویشن کا اندازہ ہوگا...... میرے پاس نہ اتنا وقت ہے نہ اتنی ہمت کہ میں اپنے امپلائی کو ڈراپ کرکے ثواب کماؤں۔ میں کسی قریبی اسٹاپ پر آپ کو ڈراپ کردیتا ہوں۔ وہاں سے بس یا تو آٹو سے آپ اپنے گھر چلی جائیں۔''

'ثمر اتنا تھکا ہوا تھا کہ مزید مروت سے کام لینا اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔

ثمر کے اتنے واضح اور دوٹوک انداز پر ندا کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

''سر آٹو سے پورے تین سو روپے لگیں گے اور مجھے تو ابھی پہلی سیلری بھی نہیں ملی۔''

''ثمر کار کا دروازہ کھول کر بیٹھ رہا تھا کہ اس نے ندا کا جملہ سن لیا۔ بیٹھنے کے بعد اس نے برابر والا ڈور کھول کر ہلکا سا Push کیا گویا ندا کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ ندا جلدی سے بیٹھ گئی۔ ثمر نے جیب سے والٹ نکالا اور 500 روپے نکال کر ندا کی طرف بڑھائے۔ ندا نے حیرت سے ثمر کی طرف دیکھا۔

''رکھ لیں...... آٹو کا کرایہ ہے۔ سیلری مل جائے تو واپس کر دینا۔'' ثمر کا انداز نہ سمجھ آنے والا تھا۔ ندا ٹکر ٹکر ثمر کی شکل کو دیکھنے لگی۔ پھر ایک دم کوئی خیال آیا تو چونک پڑی۔

''سوری سر میری سیلری اتنی ہینڈسم نہیں ہے کہ میں ادھار قرض کرتی پھروں۔ آپ مجھے اسٹاپ پر اتار دیں، میں بس سے چلی جاؤں گی، چاہے کتنی ہی دیر ہو جائے۔ تھینک یُو ویری مچ۔'' بڑبڑاتے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

''ہم پر تو پہلے ہی اتنا قرض چڑھا ہوا ہے 500 سو روپے اور پکڑ لیں۔''

ثمر اس کی بات سن کر قدرے شرمندہ بھی ہوا اور متفکر بھی۔ ابھی تک بڑے بڑے صاف گو لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ مگر یہاں تو حد تھی صاف گوئی کی۔

ثمر کار روڈ کی طرف نکال لایا تھا۔

''کتنا قرضہ چڑھا ہوا ہے؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ باؤلی سی حواس باختہ سی خوبصورت لڑکی پہلو میں بیٹھی اپنے دکھڑے سنا رہی تھی، ہو گئی بڑی بے ساختہ سی غلطی۔

''آپ کو کیوں بتاؤں......؟ کیا آپ ہمارے قرضے اتاریں گے؟ ویسے بھی مجھے نہیں پتا...... نانا جان کو ہی پتا ہوگا...... وہ تو مجھے دودھ پیتی بچی سمجھتے ہیں۔ کچھ بتاتے تھوڑا ہی ہیں۔ وہ تو مجھے جاب کرنے کی بھی پرمیشن نہیں دے رہے تھے۔ اب دیکھیے ناں جاب نہیں کروں گی تو حالات کیسے ٹھیک ہوں گے۔ خودکش دھماکے ہوتے رہتے ہیں گولیاں اچانک چلنے لگتی ہیں...... دل تو چاہتا ہے کہ میں بھی بس ایک جیکٹ پہن ہی لوں......''

آخری جملہ اس نے بڑبڑانے والے انداز میں ادا کیا تھا اور ثمر کو کار قابو میں کرنے کے لیے ایمرجنسی بریک لگانا پڑ گیا تھا۔ اس نے ساری زندگی میں صبر برداشت کا اتنا زبردست مظاہرہ کیا تھا۔ وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی اور شاید آج پہلی بار اپنے کردہ ناکردہ گناہ یاد آنے لگے۔

''مس ندا! یہ کچھ لوگ کھڑے ہوئے ہیں...... میرا خیال ہے بس کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ یہاں اتر جائیں۔'' ثمر اس سے زیادہ برداشت کے موڈ میں نہیں تھا۔

''واہ یہاں کیوں اتر جاؤں، ہو سکتا ہے یہ لوگ راولپنڈی کی کوچ کا ویٹ کر رہے ہوں۔ مجھے نہیں پتا کون سی جگہ ہے کچھ تو اللہ کا خوف کریں سر۔ کچرے کی طرح اٹھا کر پھینک رہے ہیں۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو نانا جان ساری زندگی آپ کو بددعائیں دیں گے۔ کیا پتا یہ لوگ کڈنیپر ہوں......''

''ندا نے اترنے سے صاف انکار کر دیا، ساتھ ہی اللہ اور نانا کے غصے سے اتنا ڈرایا کہ ضمیر کی قوت نے نڈھال رگوں میں انرجی سپلائی شروع کر دی۔

''میں ایک شرط پر آپ کے گھر کے گیٹ پر Drop کروں گا......''

''آپ شرط بتا دیں سر میں ہر شرط مان لوں گی، اگر آپ واقعی مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔''

ندا نے ثمر کی بات کاٹ کر بڑی بے تابی سے کہا۔

''آپ اپنے گھر کا ایڈریس بتا کر بالکل خاموش ہو جائیں گی۔ اگر غلطی سے بھی منہ کھولا تو کہیں بھی اتار دوں گا۔ ایک سانس میں بولنے کی بیماری ہے آپ کو۔'' ثمر نے پہلی بار ایک تفصیلی نظر اس پر ڈال کر کہا۔

''اور ہاں آج کے بعد آپ کبھی آفس میں اوور ٹائم نہیں کریں گی، پانچ بجے آف ٹائم ہے۔ پانچ بج کر پانچ

منٹ پر آپ آفس میں نظر نہ آئیں۔'' ندا نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلائی۔ اب وہ مکمل پرسکون نظر آ رہی تھی۔

اس کی بہت بڑی پرابلم حل ہو گئی تھی۔ ثمر خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا۔ پھر ایک دم اُسے چمن کا خیال آیا...... وہ تو اس کے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہو گی۔ کم از کم اُسے بتا دینا چاہیے کہ وہ اچھا خاصا لیٹ ہے۔ اس نے ڈیش بورڈ سے سیل فون اٹھایا اور سامنے دیکھتے ہوئے محتاط انداز میں چمن کا نمبر ڈائل کیا...... وہ ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھال رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے نمبر ملا رہا تھا۔

سر! آپ نام بتا دیجیے میں نمبر نکال دیتی ہوں۔ آپ گاڑی ٹھیک سے چلائیے کہیں......''

ثمر نے انگلی کے اشارے سے اسے خاموشی کی تاکید کی۔ Ring پاس ہو رہی تھی اس نے ہینڈ فری کان میں ٹھونس لیا تھا۔ ندا اب سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

''ہاں...... ہیلو...... یار میں لیٹ ہو رہا ہوں تم کھانا کھا لو۔'' یہ کہہ کر وہ چمن کی بات سننے لگا۔ ندا اب براہ راست بڑی دلچسپی سے ثمر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆

دیکھ رہے ہیں ناں آپ...... میرا نشانہ بالکل ٹھیک لگ رہا ہے۔ اتنا حوصلہ، اتنی ہمت تب ہی کر سکتی ہے جب اس کے ہاتھ میں کچھ ہو۔'' فردوس زخمی ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔ ایک پل قرار نہ تھا۔

دونوں میاں بیوی بیڈ روم میں بند ہو کر دل کی بھڑاس نکال رہے تھے۔ یاور نے گھر آ کر من و عن تمام رپورٹ ماں باپ کو پیش کر دی۔

''ہوں...... ماں کے گھر بھاگ گئی...... اور اب وہاں بیٹھ کر شرطیں منوا رہی ہے۔'' حامد حسین کمر پر ہاتھ باندھے ٹہل رہے تھے۔ ایمن نے ان کی انا پر ایک ضرب کاری جو لگائی تھی۔

اب تو اس کی شرطیں بھی ماننا پڑیں گی۔ ہمارا شہزادہ جو اس کی کوکھ میں پل رہا ہے۔'' اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ فردوس اور حامد حسین نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''میرا خیال ہے یاور ہے۔'' فردوس نے اٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا سامنے سچ مچ یاور ہی کھڑا تھا۔

''آؤ بیٹا...... تمہیں بھی ہماری طرح نیند کہاں...... کس منحوس گھڑی اِسے بیاہ کر لائے تھے۔ وہ تو گھر کا شیرازہ بکھیرنے پر تُل گئی ہے مگر آج ایک بیٹے کو ماں سے جدا کرنے کے منصوبے بنا رہی ہے۔ کل کو اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ یہی کچھ کرے گا اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ یہی دستور چلا آ رہا ہے۔''

''حد کرتی ہیں امی جان! آپ کو فرشتے لکھ کر دے گئے تھے کہ وہ اس مرتبہ ہمیں بیٹا دے گی۔'' یاور پر چار طرف سے دباؤ تھا۔ بری طرح چڑ کر گویا ہوا تھا۔

''لو اور سنو...... اس کے منہ میں تو زبان ہی نہیں تھی۔ کہاں سے آئی اتنی ہمت کہ لگ گھر کے مطالبے کر رہی ہے۔ اس نے چپکے سے الٹرا ساؤنڈ کرا کر پتا چلا لیا ہے کہ خیر سے اس مرتبہ بیٹے کی ماں بن رہی ہے۔ ورنہ اس کی مجال نہیں تھی کہ وہ تم سے الگ گھر کی بات کرتی۔'' فردوس نے ہاتھ نچاتے ہوئے چمک کر کہا۔

''آپ لوگ تو کہتے تھے اس کی بہت لمبی زبان ہے اب کہہ رہے ہیں کہ منہ میں زبان ہی نہیں۔'' یاور کرسی پر

گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس وقت شدید اعصابی دباؤ کی وجہ سے بالکل غیر جانبدارانہ انداز میں سوچتے ہوئے بات کر رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے تو حامد حسین اور فردوس بغلیں جھانکنے لگے۔ یاور نے بڑی مہارت سے نکتہ اٹھایا تھا۔ وہ بھی لاشعوری طور پر اس وقت تو بس بول رہا تھا جو خود بخود ذہن میں آ رہا تھا۔ سوچنے، غور کرنے، بات پکڑنے کی تو اس وقت نہ تاب تھی نہ سکت۔

''ارے بھئی ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ چپ رہنے کے ڈرامے کرتی تھی تمہارے سامنے مگر جب تم گھر سے باہر جاتے تو چلاتی بھی تھی اور برتن بھی پٹختی تھی۔''

فردوس نے جلدی سے بات بنانے کی کوشش کی تاکہ بیٹا سمجھے کہ اس کی ماں سے زیادہ سچ بولنے والا شاید روئے زمین پر کوئی نہیں۔

''ارے فضول کی بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔ جاؤ میاں اس کے لیے کوئی ایک کمرے کا گھر تلاش کرو۔ اب اس کے لیے بنگلہ تو نہیں خریدیں گے جب بچہ ہو جائے گا تو چوٹی سے پکڑ کر اس گھر میں لے آئیں گے...... دیکھ لیں گے پھر کیا کرتی ہے۔ بنگلہ مانگے تو کہہ دینا باپ سے بولے۔ بہت مال ہے ان کے پاس۔ بیٹی کو ایک بنگلہ خرید کر دے دیں گے تو غریب نہیں ہو جائیں گے۔ چھوٹی تو پہلے ہی ہزار گز کی کوٹھی میں رہتی ہے۔ وہ تو ویسے بھی بے اولاد ہے۔ اسے جائیداد کی کیا ضرورت ہے۔ جائیداد تو بال بچوں والے بناتے ہیں۔ جس عورت کے بال بچہ نہ ہوا سے تو مہینے میں پانچ دس ہزار بھی بہت ہوتے ہیں۔ پانچ سال میں نہ ہوا تو اب کیا ہوگا۔''

فردوس کا ایک سانس میں بولتے بولتے سانس اکھڑنے لگا۔ جلدی سے آگے بڑھ کر جگ سے پانی انڈیلا اور بھرا گلاس منہ سے لگا کر ایک ہی سانس میں پی گئی۔

''تمہاری ماں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کسی کچی آبادی میں تین چار ہزار روپے مہینے کا گھر آرام سے مل جائے گا ان جگہوں پر بجلی بھی کنڈے کی ہوتی ہے۔ بل وِل کا ہیڈک نہیں ہوگا۔ دو چار مہینے ایسے ہی گزارلو...... پھر دیکھتے ہیں۔'' بیٹا ہو گیا تو شاید الگ بنگلہ دلانے کا سوچ لیں اگر اس مرتبہ بھی بیٹی ہوئی تو اُسے کہنا وہیں سے اپنی ماں کے گھر چلی جائے۔ یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔'' فردوس نے قصہ کوتاہ کیا۔ ''بالکل ٹھیک...... تمہاری ماں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' شادی کے بعد سے حامد حسین نے بیگم کی ہر بات کو ٹھیک کہنے کا فارم بھر دیا تھا۔

''اور بچیاں......'' یاور کو بہرحال بچیوں کا خیال آیا...... فطرت تو ہتھکنڈوں سے نہیں بستی۔

''ہمیں نہیں چاہئیں بچیاں...... 20 سال بعد شادی کے قابل ہوں گی تو ایک شادی بیس لاکھ میں پڑے گی...... ارے میرا بیٹا کیا لوگوں کے گھر بھرنے کے لیے محنت کرنے کے لیے رہ گیا ہے...... آج دوسری شادی کرے گھر میں چار پوتے کھیلیں گے...... بیس سال بعد چار گھروں سے ٹرک بھر کے جہیز آئیں گے...... وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم کیوں گھاٹے کا سودا کریں بھئی۔'' فردوس نے پورا ایجنڈا پڑھ دیا۔ حامد حسین سر ہلا کر تائید کر رہے تھے۔ ساتھ ہی بیٹے کی شکل غور سے دیکھ رہے تھے کہ دانشور ماں کی دور اندیشی سے کتنا متاثر ہو رہا ہے۔

''ٹھیک ہے امی جان...... ابھی تو آپ لوگ آرام کریں۔ صبح اٹھ کر سوچتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔'' یاور لمبی

لمبی تقریروں سے نڈھال ہوکر کھڑا ہو گیا۔

''ارے کیسی صبح یہاں تو اب آنکھوں میں رات کٹتی ہے۔'' فردوس بڑبڑاتے ہوئے بیڈ کی طرف بڑھی۔

''اپنا بھی حال کچھ ایسا ہی ہے...... اذانیں شروع ہوتی ہیں تو سوچتا ہوں۔ لو ایک اور پہاڑ جیسا دن شروع ہو گیا۔ زندگی ایک سزا بن گئی ہے مگر جرم یاد نہیں آ رہا۔''

حامد حسین نے ٹھنڈی سانس لے کر حسب عادت لاڈلی بیگم سے اتفاق کیا اور اتنے بھرپور طریقے سے کہ بیگم ان کی پُرخلوص محبت سے متاثر ہو کر ہر غم بھول جائیں یا کم از کم کل پر اٹھا رکھیں اور ہوا بھی یہی کہ بیٹا کمرے سے باہر جا رہا تھا اور وہ چوتھی کی دلہن بنی شرما رہی تھیں۔ حامد حسین کے روئیں روئیں نے کلمۂ شکر ادا کیا۔

بیگم کی ایک رات کی اداسی کا مطلب تھا کہ جیسے بیگم ایک دو مہینے کے لیے میکے سدھار گئی ہوں۔ جس دن میکے کا بھاری ستون گرا تھا یعنی ساس راہ عدم سدھاری تھیں حامد حسین نے چین کی نیند سونا شروع کر دیا تھا......

جب تک جنت مکانی زندہ رہیں ہر فون کی گھنٹی پر پریشان ہو جاتے تھے کہ ماں کو بیٹی کی یاد کی یاد نے نہ ستایا ہو......

حامد حسین کی اس والہانہ چاہت میں دل سے زیادہ 'مکاریوں' کا ہاتھ تھا۔ اماں نے سکھا کر بھیجا تھا شوہر کی پوری تنخواہ ہاتھ میں لینا ہو تو کبھی اس کے بغیر کھانا نہ کھانا۔ بھلے وہ رات کو دو بجے گھر آئے...... کاجو بادام سے بھوک کو بہلانا...... خبردار لقمہ نہ توڑنا......

☆......☆......☆

''راستے میں اتنی شدید بھوک لگ رہی تھی کہ میں نے فرائز کھا لیے اور اسٹرابری شیک پی لیا...... سوری یار...... تم کھانا کھا لو۔'' ثمر نے کوٹ اتارتے ہوئے چمن سے معذرت کی۔

جب اتنا لیٹ ہو گئے تھے تو آفس میں ہی کچھ منگوا کر کھا لیتے۔ بچوں کی طرح فرائز اور شیک لے کر ایزی ہو گئے۔ حد کرتے ہیں آپ بھی۔'' چمن نے ثمر کے ہاتھ سے کوٹ لیا اور ہینگر کرنے لگی۔

''آفس میں اتنا زیادہ لیٹ نہیں ہوا تھا یوں سمجھو...... فضول کی 60 کلومیٹر ڈرائیو کی ہے۔''

''60 کلومیٹر......'' چمن کے ہاتھ سے کوٹ اور ہینگر گرتے گرتے بچے......

''اور وہ بھی فضول میں...... یا اللہ...... کیا ہو گا ہے ثمر آپ کو......''

''یار تمہیں بتایا تھا ناں کہ ایک غلط سلیکشن ہو گیا ہے...... عجیب احمق سی، سرپھری لڑکی ہے۔ جیسے ہی آفس سے نکلا تو سر ہو گئی کہ مجھے ڈراپ کریں رات بہت ہو گئی ہے۔ کنوینس مشکل سے ملے گی...... وغیرہ وغیرہ۔''

''یہ سرپھری لڑکی ہے...... یہ تو انتہائی شاطر لڑکی ہے۔ باس پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ ٹائم سے گھر کیوں نہیں جاتی۔ آپ نے بٹھایا ہوا تھا؟'' چمن تو سنتے ہی لامتناہی اندیشوں میں مبتلا ہو گئی۔

''میں کیوں بٹھاؤں گا ہم کاؤنٹ کے علاوہ کسی امپلائی سے اوور ٹائم نہیں لیتے۔'' ثمر اصلی بات بھول کر بیوی کے الزام (اس کے حساب سے) میں الجھنے لگا۔

''تو پھر وہ دیر تک بیٹھی کیا کر رہی تھی......؟'' امپریشن ڈال رہی تھی کہ وہ بہت محنتی ہے اور ایماندار ہے اپنا کام مکمل کر کے ہی جاتی ہے۔''

ثمر نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا اور شرٹ کے بٹن کھول کر شرٹ اتارنے لگا۔ چمن ایک ٹک اس کی

طرف دیکھ رہی تھی۔

''امپریشن کیوں ڈال رہی تھی۔ آپ نے اسے بتایا نہیں کہ آپ شادی شدہ ہیں؟''

چمن نے ثمر کی بات پکڑلی تھی۔

''ثمر نے شرٹ دور اچھال کر چمن کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر گویا ہوا۔

''سچ بولنے والے شوہر کے ساتھ اتنا بھیانک سلوک...... کچھ تو خیال کرو چمن۔ بابا وہ بہت پریشان اور ضرورت مند ہے۔ اس کے گھر کے حالات بہت خراب ہیں۔ ہر وقت ٹینشن میں رہتی ہے کہ اسے کہیں ٹرمینیٹ نہ کر دیا جائے۔''

یہ کہہ کر وہ دھپ سے گر گیا۔ چمن پہلے سے زیادہ الجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی۔

اس کے حالات خراب ہیں...... وہ بہت پریشان ہے...... آپ کو کیسے پتا چلا؟''

اس نے میرے کان میں بہت پیار سے بتایا تھا۔ جب وہ بتا رہی تھی مجھے اتنا ترس آیا کہ میں نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ بازوؤں میں نہیں سمیٹا۔''

چمن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ثمر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر جلدی سے بیڈ کے کنارے یوں ٹک گئی جیسے چکر کھا کر گرنے لگی ہو۔

''ث...... ثمر......''

''ہاں تو پھر الٹے سیدھے سوال کرو گی تو پھر ایسا ہی جواب ملے گا...... یار ہوش کی دوا کرو...... اور شاید میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں...... بہت کم عمر، بے وقوف اور ضرورت مند لڑکی ہے...... خوف خدا کی وجہ سے برداشت کر رہا ہوں۔ ویسے بھی مجھے دعاؤں کی کچھ زیادہ ہی ضرورت ہے۔

اللہ اس کی مدد کر رہا ہے جو اسے ہمارے ہاں Job مل گئی۔ کسی اور جگہ ہوئی تو کب کی نوکری سے نکال دی جاتی۔

مجھ پر ترس کھاؤ...... جیم ٹریفک میں اُسے گھر پہنچا کر آ رہا ہوں اور اتنی محنت و مشقت سے جیسے جھوٹے کو گھر تک پہنچایا جاتا ہے پورے چالیس منٹ اپنے منہ پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش بیٹھنے کی تاکید کرتا رہا ہوں۔ ٹریفک سے زیادہ ٹینشن یہ تھی کہ وہ پیرا گراف پڑھنا شروع نہ کر دے۔ بہت بولتی ہے؟''

چمن کو ثمر کے انداز و اداؤں سے ایک گونہ اطمینان تو ہو ہی گیا تھا...... اب جیسے کھل کر سانس لیا تھا۔

''توبہ دل تو چاہتا ہے کہ Plug نکال دیں۔ مگر Plug کا پتا تو چلے۔'' ثمر نے جل کر کہا تھا۔ چمن کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''آپ راستے میں سے اُسے کسی ٹیکسی میں بٹھا دیتے۔'' چمن نے یونہی کہہ دیا۔

''کہا تھا کہتی ہے نانا جان منع کرتے ہیں اکیلی ٹیکسی یا رکشہ میں مت بیٹھنا۔ رکشے میں بم بھی ہو سکتا ہے اور ٹیکسی والا اغواء بھی کر سکتا ہے''

''پیرنٹس نہیں ہیں؟'' چمن کو نانا کی تاکید سماعت کرتے ہوئے فوراً ہی خیال آیا تھا۔

''کسی دن آفس آ کر اس کا تفصیلی انٹرویو کر لینا۔ میرے سامنے تو نانا، نانا کرتی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ اگر کوئی ہاں، ہاں کرنے والی مل گئی تو مسئلہ ہو جائے گا۔ چمن نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر ثمر کے بال بکھیر دیے اور جانے کو پلٹی۔ ثمر نے اس کا ہاتھ تھام لیا......

''دھوپ چھاؤں کا ساتھی ہوں۔ آخر کب یقین کرو گی؟'' پیار کے بے ساختہ اظہار پر چمن دل آویز انداز میں مسکرانے لگی۔

''یقین تو ہے مگر عورت کی فطرت میں ہے کہ اسے وقفے وقفے سے شوہر کی طرف سے یقین دہانی چاہیے ہوتی ہے...... شاید شوہر کو اندازہ نہیں کہ اس کی طرف سے پیار کا معمولی سا اظہار بھی بیوی کے لیے Fuel کا کام کرتا ہے۔ عورت فریش ہو جاتی ہے، ایز جیٹک ہو جاتی ہے۔ اپنا خیال رکھتی ہے۔ ہر شے انجوائے کرتی ہے۔ اور جس گھر میں عورت خوش ہوتی ہے، وہ گھر بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ تنکوں کا نشیمن، پتھر کی حویلی، شیشے کا گھروندہ۔

ایک ہنستی مسکراتی عورت کے بغیر...... قبل مسیح کھنڈر ہیں۔'' چمن بول رہی تھی...... ثمر بہت محویت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''خوش ہوناں؟''

ثمر نے ثمر کی وارفتہ نظروں کی تاب نہ لا کر بے اختیار نظریں جھکا لی تھیں۔

''بہت اچھی ہو...... بس پتا نہیں کبھی کبھی تمہیں کیا ہو جاتا ہے۔ خراب خراب باتیں کرنا لگتی ہو، مرد کی مردانگی کو چوٹ نہیں لگاتے۔ بڑے نقصان ہو جاتے ہیں۔

اللہ ہمیں اولاد دے گا انشاء اللہ ناامید نہ ہوا کرو...... ہمارے مذہب میں تو ویسے بھی مایوسی کو گناہ کہا گیا ہے۔''

ثمر بات کو کہاں سے کہاں لے آیا...... چمن کو ایک دم جیسے کچھ یاد آ گیا وہ بولتے بولتے یکدم رک گئی...... جیسے نادیدہ ہاتھ اس کے ہونٹوں پر دباؤ ڈال رہے ہوں...... بہت خوبصورت ماحول تھا اس وقت خود کو دھوکہ دینا اور خاموش رہنا درحقیقت ایک نیکی کا کام تھا۔

نیکی حوصلہ مانگتی ہے...... وہ دل کی بات دل میں روک کر حوصلے سے مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

''اب تو خوش ہو جاؤ۔ تمہیں میرے ماں باپ سے بہت شکایتیں تھیں۔ انہوں نے تمہاری شرط مان لی ہے۔ اسی لیے آج آفس بھی نہیں گیا۔ ابھی دو تین گھر دیکھتا ہوا آ رہا ہوں۔''

یاور بول رہا تھا اور ایمن بے یقینی کی کیفیت میں یاور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فردوس بلکہ حامد حسین اتنی آسانی سے مان گئے...... یہ تو ایسا ہی تھا جیسے کسی نے سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کی خبر دی ہو۔

''مجھے...... مجھے یقین نہیں آ رہا۔ اتنی آسانی سے وہ کیسے مان گئے؟'' ایمن کے منہ سے بے ارادہ نکل گیا تھا۔

اسی لیے کہتے ہیں بلاوجہ بدگمانی اور شک سے مسائل ہی پیدا ہوتے ہیں۔ خیر اب جو ہوا سو ہوا...... تم جیت گئیں ہم ہار گئے...... خوش......؟''

''جب میری بات مان لی گئی تو میں پچھلی باتیں نہیں دہراؤں گی اور جھوٹ بھی نہیں بولوں گی...... یہ سن کر

واقعی میں بہت خوش ہوں اور اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ ہر عورت اپنے گھر کا خواب دیکھتی ہے۔ ایسا گھر جو اس کا، صرف اپنا گھر ہو، جسے وہ اپنی مرضی سے بنائے، سجائے سنوارے۔''

ایمن سرخوشی کی کیفیت میں بولتی جا رہی تھی۔ آن واحد میں یاور کی طرف سے جو دل میں کدورت تھی وہ ہلکے بادلوں کی طرح چھٹ گئی تھی۔

''چلو تمہاری بات سن کر تسلی ہوگئی۔ فی الحال میں کوئی چھوٹا سا دو کمروں کا مکان ہی افورڈ کر سکتا ہوں، آج کل کرائے بہت بڑھ گئے ہیں۔ اب مجھے دو دو گھروں کو دیکھنا ہے...... امی اور بابا جان کو بھی کچن کا خرچ دینا اور اپنا گھر بھی چلانا ہے۔'' یاور کے چہرے پر تفکرات کی لکیروں سے جال بننے لگا۔

ایمن نے چونک کر یاور کی طرف دیکھا......

''امی ابا جان کو آپ کی تنخواہ سے کیا مطلب...... ابا جان کی تو پنشن ہی 50 ہزار سے اوپر آتی ہے۔ دو بندوں کے لیے کافی ہے۔'' ایمن سادگی سے بول گئی۔

''میرے ماں باپ ہیں۔ میرا ابھی کوئی فرض ہے یا نہیں۔ ان کے پاس کتنا ہی ہو۔ مجھے تو اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ تمہیں اس معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں کہ میں ان کو کیا دیتا ہوں اور کیا نہیں۔ تمہیں کھانا کپڑا اور گھر مل رہا ہے بس خاموش رہو۔''

''آپ اپنا فرض ضرور ادا کریں۔ میں کب روکتی ہوں۔ یہ تو ان کو سوچنا چاہیے کہ آپ کے بچے ہیں اور بچوں کے اخراجات بہت ہوتے ہیں۔'' ایمن نے صاف گوئی سے کہا۔

''ان کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی میرا ہی ہے...... اور جو میرا ہے وہ تمہارا ہے...... تمہاری خوشی کی خاطر انہیں دکھ دے رہا ہوں۔ امی بہت رو رہی تھیں......'' یاور ماں کا ذکر کرتے ہوئے غمزدہ نظر آنے لگا۔

''کیوں...... ایمن درحقیقت سمجھ نہیں پائی۔''

''یار کہیں سے عقل ادھار ہی لے لو......'' یاور بری طرح چڑ گیا۔

ابھی تک وہ بہت آہستہ آواز میں ایمن سے بات کر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس وقت سسرال میں بیٹھا ہے۔

''کسی ماں کا اکلوتا بیٹا اس کی زندگی میں اس سے دور ہو رہا ہو تو کیا اُسے دکھ نہیں ہوگا......'' یاور نے جلے بھنے انداز میں ایمن کو جتایا۔

''تو ان کے پاس ہی گھر دیکھ لیں اور جتنا مرضی ٹائم دیں، میں کچھ نہیں کہوں گی۔ مجھے میرا گھر مل رہا ہے، میرے لیے یہی بہت ہے۔''

''تم ہو ہی خود غرض، تمہیں میری پروا کب ہے۔ تمہارا مطلب پورا ہو گیا اب تو کون میں کون، تب ہی تو اتنی آسانی سے بچیوں کو لے کر اس گھر سے نکل گئی تھیں...... یہ میرے ماں باپ کا بڑا پن ہے کہ بات بڑھانے کے بجائے سمیٹ دی۔''

مرد کا سینہ...... شتر کینہ یہ تو کہاوت مشہور ہے۔ جو عورت اس کی انا پر ضرب لگائے اس چوٹ کو تو وہ قبر میں اترنے تک یاد رکھتا ہے۔

ایمن کو احساس ہوا کہ اب مزید کچھ بولی تو بات بڑھ جائے گی، وہ گھر جس کے ملنے کی خوشخبری نے ہی اُسے

پھول کی پتی کی طرح ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔
کہیں ساحل کے کنارے کسی بچے کا بنایا ہوا ریت کا گھروندا ہی نہ بن کر رہ جائے کہ پاؤں پر خوب جما جما کر ریت کا ڈھیر لگایا اور پاؤں کھینچتے ہی بکھر گیا۔
اس نے یاور کی طرف دیکھا۔
گزرتے وقت کے تلخ اثرات اس کے چہرے پر ثبت ہو رہے تھے...... پاس پاس بیٹھے تھے مگر سیاروں کے فاصلے کھینچ رہے تھے۔ مجبوری میں کیا گیا احسان تو ویسے بھی چوبیس گھنٹے کا دھڑکا ہی دیتا ہے۔
''میں آپ کی یہ مہربانی آخری سانس تک یاد رکھوں گی، آپ نے میرا قانونی، اخلاقی شرعی حق مجھے دیا۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔''
ایمن نے یاور کے چہرے سے برف کا ماسک اتارنے کی کوشش کی۔
آواز میں دھیما پن، لہجے میں نرمی و تشکر...... امانت کے بوجھ سے بوجھل سراپا۔ بالآخر برف پگھلنے لگی۔
''آنٹی نظر نہیں آ رہی ہیں۔ بچیوں کو تو بلاؤ کیا کر رہی ہیں؟'' یاور نے بھی موسم کے حساب سے آخر کار راگ منتخب کر ہی لیا۔
''امی کے ساتھ سپر اسٹور تک گئی ہیں۔ پاپا گاڑی کا ٹیکس جمع کرانے کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ آپ کے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔'' ایمن نے بمشکل اٹھنے کی کوشش کی۔
''نہیں، نہیں بس میں چلوں گا...... ایک گھر اور دیکھنا ہے ایجنٹ Wait کر رہا ہوگا۔ اگر میرے حساب میں آ گیا تو میں تمہیں لے جا کر دکھا دوں گا'' یاور کھڑا ہو کر اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
''آپ کو پسند آ گیا تو سمجھیں مجھے بھی پسند آ گیا...... اب اس حال میں زیادہ دیر چلا پھرا نہیں جاتا۔'' ایمن نے نڈھال سے انداز میں یاور کی طرف دیکھا۔
''بلیو جینز، بلیو ٹی شرٹ میں ملبوس یاور آج بھی ویسا ہی نظر آتا تھا جیسا منگنی کی انگوٹھی پہناتے ہوئے تھا......''
شوہر کی مہربانی، چاہنے والی بیوی کے لیے اتنی ہی خوشگوار ہوتی ہے جیسے حبس کے بعد بارش...... بارش بھی وہ جو ریشمی پھوار سے شروع ہوتی ہے۔ پہلے سوندھی سوندھی مٹی کی خوشبو بکھیرتی ہے، پھر جل تھل کا منظر ہوتا ہے۔ پھول پتے سبزہ اور بارش...... زمین پر سر تال کی سبز مخمل رنگ جماتی ہے۔
ایمن آگے بڑھی۔ اس نے دونوں ہاتھ یاور کے بازو پر رکھ دیے۔
''مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں ناں......؟''
یاور نے ایمن کے دونوں ہاتھ تھام لیے...... سیدھا سادہ شریف مرد تھا...... رنگین کائنات میں لے دے کہ ایک ہی زن پر تکیہ تھا۔
عارضی مفارقت سے پہلے بہر حال دونوں سرشار ہوئے۔

☆......☆......☆

ندا اپنے حساب سے بہت ایمانداری و سنجیدگی سے کام میں منہمک تھی۔ عمیر دو تین فائلیں لے کر اس کے پاس چلا آیا۔ ندا نے یہ ثابت کرنے کے لیے وہ بہت مصروف ہے اور بڑی دیانت داری سے کام کر رہی ہے عمیر کی طرف دیکھنے کا بھی تکلف نہ کیا اور بڑی مہارت سے Key Board پر انگلیاں چلاتی رہی۔

عمیر نے کھنکار کر اُسے متوجہ کیا۔
''دیکھ نہیں رہے میں اس وقت بزی ہوں۔ محبوب صاحب نے ایک گھنٹے کی ڈیڈ لائن دی تھی۔ جو بس ختم ہونے والی ہے...... دور ہٹو......''
''یار میں بھی محبوب صاحب کے کام ہی کی وجہ سے تمہارے پاس آیا ہوں۔'' عمیر نے ہاتھ میں پکڑی فائلیں ندا کی ٹیبل پر رکھ دیں۔
'میرے پاس کیوں آئے ہو؟'' ندا نے آنکھیں ماتھے پر رکھ کر سوال کیا۔ یہ وہی عمیر تھا جو پہلے دن سے اُسے مکمل تعاون فراہم کررہا تھا۔
''بھئی تھوڑی دیر بعد تم اپنی فائلز ان کے پاس لے کر جاؤ گی ناں تو میری بھی لے جانا۔ زیادہ وزن نہیں ہے، مشکل سے 300 گرام ہوگا۔''
''تو بھئی خود جا کر دے آؤ ناں...... دیکھ نہیں رہے میں کتنی مصروف ہوں۔'' ندا نے کسی بڑی ایگزیکٹو کی نقل کرتے کی بے تکی کوشش کی۔
''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں کینٹین جا رہا ہوں تم یہ فائلیں ان کی ٹیبل پر لے جا کر رکھ دینا۔ یار بہت ٹائم لیں گے...... منہ میں پان ہوگا۔ پہلے دو تین بار ہوں ہوں کریں گے، پھر پیک تھوکیں گے، پھر منہ صاف کریں گے۔ پھر پوچھیں گے کیوں آئے ہو؟'' عمیر نے کوفت سے منہ بنا کر کہا۔
''یہ سب کچھ تو میرے ساتھ بھی کریں گے۔''
''مگر تمہیں اتنی زور کی بھوک نہیں لگ رہی جتنی مجھے لگ رہی ہے۔ صبح ناشتا نہیں کیا تھا میں تو چلا۔'' عمیر کو پتا تھا کہ وہ اس کا کام کردے گی۔ بس یونہی اُسے تنگ کررہی ہے۔
''لے جاؤں گی...... مگر ایک شرط ہے۔'' ندا نے پرنٹر سے کھٹ کھٹ پیپر نکالنا شروع کیے...... بڑا بے رحم انداز تھا۔
''جلدی بولو۔'' عمیر جہاں تک جا چکا تھا وہیں کھڑے کھڑے بولا۔
''ایک لطیفہ سنانا پڑے گا۔''
''یار خالی پیٹ ہنسی نہیں آتی...... رونا آتا ہے۔'' عمیر بے بسی سے بولا۔
''تو رو لینا...... مگر لطیفہ سنانا پڑے گا۔''
''تمہیں یہاں لطیفے سنانے کی تنخواہ ملتی ہے۔'' عمیر نے دانت پیسے۔
''لطیفہ سنو...... ورنہ اپنی فائلیں اٹھا کر باہر پھینک دو۔ یا سر پر رکھ کر ناچو۔''
ندا نے پرنٹر سے نکالے ہوئے پیپرز ترتیب سے رکھتے ہوئے جواب دیا۔
''جلدی سے سناؤ۔ اگر لطیفہ سن کر میں بھی پھوٹ پھوٹ کر نہ رویا تو میرا نام بھی عمیر نہیں۔'' شارق کی چیئر خالی تھی اور وہ اوپر اکاؤنٹ میں گیا ہوا تھا۔ عمیر اس کی چیئر میں دھنس گیا۔ ندا نے پیپر فائل میں رکھے اور اپنی فائل کی فائلوں کے اوپر رکھ کر مسکرانے لگی۔
''سنو ایک سردار جی بازار سے گزرے تو پنواڑی نے انہیں آواز دے کر پان کھانے کی آفر کی۔ سردار جی نے کبھی پان نہیں کھایا تھا۔ سوچا چلو مفت میں مل رہا ہے، کھا کر دیکھتے ہیں۔۔ پان کھایا تو بہت مزے کا لگا۔ ایک

دو، تین، چار، پانچ..... پورے دس، بارہ پان کھا گئے۔''

''یار پان تھے یا چلغوزے.....؟ دس بارہ پان کون کھا سکتا ہے۔اس لطیفے میں ٹیکنیکل خرابی ہے۔'' عمیر تڑپ کر درمیان میں بول پڑا۔

''کوئی نہیں کھا سکتا..... سردار جی کھا سکتے ہیں۔تم اس مرتبہ کی چھٹیاں ننکانہ صاحب یا گولڈن ٹیمپل میں گزارنا..... تاکہ تمہیں پتا چلے سردار جی کیسے ہوتے ہیں۔''

''یار لطیفہ کمپلیٹ کرو، مجھے رونا بھی ہے۔'عمیر طومار سے چڑ گیا۔

''بس اس دن سردار جی پان کھا کر چلے گئے، پھر بہت دن تک اس بازار نہیں آئے..... کافی عرصے بعد پھر وہاں سے گزرے تو پنواڑی نے پہچان کر آواز لگائی۔

''سردار جی..... پان کھانا اے؟''

سردار جی نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کہا۔

''بھائیاں اَج تے روٹی کھا کے آیاں۔''

ندا اپنے لطیفے پر خود ہی ہنس ہنس کر لوٹ گئی۔عمیر یوں ہونٹ سیے بیٹھا تھا کہ غلطی سے بھی ہنسی نہ نکل جائے۔

اسی وقت انٹرکام پر رنگ ہوئی۔ندا کی ہنسی چھومنتر ہوگئی۔جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا..... ایرپیس میں ثمر کی آواز اُبھری۔

''مس ندا! دومنٹ کے لیے آیئے۔'' ندا کے تو گویا ہوش اُڑ گئے۔

''جی سر.....'' یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھا۔اور عمیر کی طرف دیکھ کر بڑی مظلوم سی شکل بنائی۔

''دومنٹ کے لیے بلا رہے ہیں۔''

''چلی جاؤ زندگی بھر کے لیے تو نہیں بلا رہے۔شکر کرو دومنٹ کے لیے بلا رہے ہیں۔لگتا ہے انہوں نے تمہارا لطیفہ سن لیا ہے۔''

''مت ڈراؤ..... انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔کمزور سی لڑکی کو ڈراتے رہتے ہیں''

وہ فکرمندی چہرے پر سجائے اس طرف جاتے ہوئے بولی جس طرف ثمر کا روم تھا۔اس کے غائب ہوتے ہی عمیر کینٹین کی طرف چل پڑا..... سوچتا جا رہا تھا۔

بہت ہی بے وقوف ہے یہ لڑکی..... ایسی لڑکیوں کو تو کنڈر گارٹن کی ٹیچر بننا چاہیے یا گھر ہی میں رہنا چاہیے،

☆.....☆.....☆

ثمر ایک فائل کے صفحات بار بار الٹ پلٹ کر رہا تھا۔چہرے پر خفگی کے تاثرات تھے۔بار بار دروازے کی طرف بھی دیکھتا جاتا تھا۔

پھر اُسے شیشے سے ندا آتی دکھائی دی۔اس نے خود کو سمجھانا بجھانا شروع کیا کہ نئی ہے، پہلے کبھی کام نہیں کیا..... مجبوری میں جاب کرنے نکلی ہے، ہاتھ ہلکا رکھنا ہوگا۔'

''Sir, May I Come In'' ندا نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر جھانکا۔

yes تشریف رکھیے۔اور میری بات ذرا توجہ سے سنیے۔'' ثمر نے اپنے لہجے کو قابو میں رکھتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں کلام کیا۔ندا کی تو جیسے رہی سہی جان بھی نکلنے لگی۔

''جی سر! کیا میں بیٹھ سکتی ہوں۔ میری تو ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔''
وہ کرسی کی پشت تھام کر سہمے سہمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ ثمر تو جیسے جھاگ جھاگ سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ پل میں سارے جھاگ ہی بیٹھ گئے۔
''جی Have a Seat Plz'' ایک گلاس ٹھنڈا پانی بھی پی لیجیے۔ کہیں تو کولڈ ڈرنک منگواؤں؟'' ثمر نے گھنٹی بجانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ندا کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگی۔
''سر میں تو جونیئر موسٹ ہوں۔ اور جونیئر سے مذاق نہیں کرتے۔ میں گیسٹ نہیں، آپ کی Employee ہوں۔ جلدی سے بتا دیجیے آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟''
ندا حواس باختہ ہو رہی تھی۔ چیخ پکار کے بجائے مہمان داری ہو رہی تھی۔ جو نا قابل برداشت تھی۔ وہ اس سے زیادہ حیران نہیں ہو سکتی تھی جتنی ہو چکی تھی۔
''اسی لیے عرض کر رہا ہوں پہلے ایک ٹھنڈا گلاس پانی پی لیجیے۔''
''ایسے ہی ٹھیک ہے سر۔ پلیز آپ بتائیے میں نے اب کیا غلطی کی ہے۔'' ندا کو بلانے کی وجہ جاننے کی بے تابی تھی۔
ثمر نے اپنے سامنے رکھی فائل اٹھا کر آہستہ سے ندا کے سامنے رکھ دی۔
''یہ......کیا ہے سر؟'' وہ گھبرائی۔
''آپ کی کارکردگی کی رپورٹ...... آپ نے جتنے ڈرافٹ بنائے ہیں۔ وہ قیامت تک ڈرافٹ ہی رہیں گے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ ان کی غلطیاں ٹھیک کر سکے اور Improved فام میں لا کر انہیں منزل تک پہنچائے۔ یہ اٹھا کر اپنے گھر لے جائیے۔ ویسے بھی آج کل گیس کی لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے اور آج ان سے چولہا جلائیے گا۔'' ثمر خون کے گھونٹ پی کر رسانیت سے بات کر رہا تھا۔
''س......س......سر آپ مجھے ٹرمینیٹ کر رہے ہیں؟'' ندا کے گلے میں پھندے لگ رہے تھے۔
''لاسٹ چانس دے رہا ہوں۔ یہ سوچ کر آپ کی جگہ کوئی آپ سے بھی زیادہ علامہ آ گیا یا آ گئی تو پھر کیا کروں گا۔ جعلی ڈگریاں......C.V جھوٹ کا پلندہ......باتیں نیل آرم اسٹرانگ جیسی۔'' ثمر کے انداز میں سخت مایوسی کی کیفیت تھی۔
''سوری سر! اور تھینک یُو آپ مجھے لاسٹ چانس دے رہے ہیں۔'' وہ کھڑی ہو گئی وہ فوراً سے پیشتر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ ثمر اب خاموش رہا، بس پلکیں جھپکائے بغیر اُسے گھورتا رہا۔
ندا نے فائل اٹھا کر سر جھکائے دروازے کی جانب بڑھی دروازہ Pull کیا اور ثمر کی طرف دیکھا جھجکتے ہوئے بولی۔
''سر یہ نیل آرم اسٹرانگ وہی ہیں ناں جو سب سے پہلے چاند پر گئے تھے؟'' ثمر پر کڑی گزر گئی۔
''آپ بھی ایسا کریں چاند پر ہی چلی جائیں بی بی......لگتا ہے وہیں سے بھٹکتی ہوئی یہاں آ گئی ہیں۔''
ثمر نے جواب تو پرسکون لہجے میں دیا، مگر تیزی سے اپنی ریوالونگ چیئر گھما کر دروازے کی طرف پشت کر لی، اس لیے کہ عجوبہ روزگار قسم کی لڑکی کو یہ کہنا بہت مشکل تھا کہ شکل گم کرو، مگر اپنا رُخ موڑنا تو اس کے اختیار میں تھا۔
ندا بے وقوف تھی پاگل نہیں۔ اتنا تو سمجھتی تھی کہ اس سے زیادہ بے عزتی تو پھر اخبار کی ہیڈ لائن یا بریکنگ نیوز

ہی بن سکتی ہے۔

☆......☆......☆

''امی جان پھر کیا سوچا آپ نے۔''

افشاں ساس سے سودا سلف لانے کا بہانہ کر کے آج پھر صبح صبح آدھمکی تھی۔ شوہر کے ساتھ آتی تھی تو ماں کے ساتھ تنہائی میں بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ کھا پی کر دل مسوس کر اٹھ جاتی تھی۔ اب ماں سے راز و نیاز کرنے کی یہی Tip سمجھ آئی تھی۔ جس دن پیٹ میں شدید درد ہوتا بچوں کے اسکول جاتے ہی ماں کے گھر کا رُخ کرتی۔ ساس سے پوچھ پوچھ سودے کی لسٹ بناتی۔ ساس بھی تابعدار اور ذمہ دار بہو پر صدقے جاتیں کہ کیسی نیک خصلت بہو ملی ہے۔ جس کا بس نہیں چلتا چھینکنے سے پہلے بھی اجازت طلب کرے۔

''اے بیٹا اونٹ کسی کروٹ تو بیٹھے۔'' بانو آپا نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔

''اونٹ اور اس کی کروٹوں کو تو آپ رہنے ہی دیں۔ اونٹنی کو چلتا کرنے کی کوشش کریں۔ وجیہہ کے دو تین بہت اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں...... ہائے...... امی جان اتنی اچھی لڑکی ہاتھ سے نا نکل جائے۔'' افشاں جیسے تڑپ کر بولی۔

بانو آپا نے آنکھیں دکھائیں اشارے کیے کہ وہ یہیں کہیں آس پاس ہوگی آہستہ بولو......

افشاں ماں کے اشارے سمجھنے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لیے بیٹھی تھی۔ چند ثانیے کے لیے دبک سی دی گئی اور مارے احتیاط کے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

''اپنے کمرے میں ہوں گی۔ رسالے چاٹ رہی ہوں گی۔''

''اے تو اور کام کیا۔ کام تو بس اتوار کو ہوتے ہیں جب خصم گھر میں ہوتا ہے۔ تاکہ پورا ہفتہ دفتر میں بیٹھ کر بیوی پر ترس کھاتا رہے کہ بیچاری بیوی کتنا کام کرتی ہے۔'' بانو آپا جل بھن کر بولیں۔

''امی جان! جان بھی چھڑائیں ڈرامے بازوں سے۔''

افشاں لان سے زیادہ سوختہ جاں ہو کر بولی۔

''گیدڑ سنگھی لا دو کہیں سے۔ تمہارے بھائی کو سنگھا دوں۔ اے ہاں نہیں تو...... میں تو چلہ بھی پورا کر چکی، مگر جس نے الو کا گوشت کھا لیا ہو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔''

''آپ بھی کسی دن اُلو کے گوشت کے تکے بنا کر کھلائیں اپنی بہو کو اور جیسے ہی کھا کر ڈکار لے، چٹکی بجا کر باہر نکلنے کا راستہ دکھائیں۔ ہم بھی تو دیکھیں اُلو کا گوشت کھانے والے کتنے تابعدار ہوتے ہیں۔''

''فیس بک ٹیوٹر، 3G-4G استعمال کرنے والی افشاں اُلو کے گوشت کی کرامتیں ہضم نہیں کر سکتی تھی۔ بری طرح جل پھنک کر بولی تھی۔

وجیہہ ریت کی طرح مٹھی سے پھسلی جا رہی تھی۔ ماں دو سو سال پرانی کہاوتوں کی لاٹھی پکڑے چل رہی تھی۔

''ارے تم تو ماں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتی ہو، اب کیا ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکال دوں......؟ دنیا مجھ سے سوال کرتی ہے بچہ کیوں نہیں ہوا، علاج کیوں نہیں کراتے۔ تمہارے بھائی کی سمجھ میں میری بات نہیں آ رہی تو میں کیا کروں۔ تم جیسی فیشن ایبل لڑکیاں ان عامل کامل کو ڈھکوسلا کہتی ہو مگر ایسی بات نہیں۔ اگر جادو واقعی جادو ہو تو سر چڑھ کر بولتا ہے۔'' بانو آپا جھلا کر بولیں۔

''وجیہہ ہاتھ سے نکل جائے گی، ساری زندگی پچھتاوا رہے گا۔ لڑکیاں تو اور بھی بہت سی مل جائیں گی، بات ہے آنے والی بھابی کی ٹکر کی ہو۔ اسے دیکھیں تو اپنا سامنہ لے کر رہ جائیں۔ پتا چلے کہ ثمر بھائی کو اب بھی ایک سے ایک لڑکی مل سکتی ہے۔''

''اُسی وقت چمن اچانک دونوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ یا تو وہ کہیں چھپ کر دونوں کی باتیں سن رہی تھی یا دونوں ایسی جذبات کی آندھی میں اڑیں کہ آس پاس کا ہوش ہی نہ رہا۔

''کچھ خوف خدا کرو افشاں۔ عورت ہو کر عورت کی جڑیں کاٹ رہی ہو۔ ایک لمحے کے لیے اتنا سوچو اگر میری جگہ پر تم خود ہوتیں اور کوئی تمہارے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتا تو تم کیا کرتیں...... کیا کر لیتیں۔''

''خبردار!!'' زبان کو دانتوں تلے دباؤ۔ میری اکلوتی بے قصور بچی کو میرے سامنے بددعا دے رہی ہو اور اللہ تمہارا سایہ نہ ڈالے میری بچی پر۔'' بانو آپا چلا کر خفت مٹانے لگیں۔

''میں بھی کسی کی بیٹی ہوں اور افشاں کی طرح بالکل بے قصور ہوں۔ بددعائیں نہیں دے رہی۔ ضمیر کی آواز سننے کا کہہ رہی ہوں۔ کیوں کہ آپ لوگوں کو تو خود سے خیال آتا ہی نہیں۔

چمن کو جب بھرپور یقین ہو گیا کہ افشاں اس کے گھر کو آگ لگانے کے لیے پوری طرح کمر بستہ ہو چکی ہے تو اس نے مصلحت و درگزر کو جرم سمجھتے ہوئے آج حساب بے باق کرنے کے فیصلہ کر ہی لیا۔ تاکہ اس فساد کو رفع کرے اور معاملے کو منطقی انجام تک پہنچائے۔

''سن لیا بے ضمیر کہہ رہی ہے ہمیں۔'' بانو آپا نے دہائی دی۔

''ابھی تو اور بہت کچھ کہیں گی۔ دیکھتی رہیے۔'' افشاں نے چمن کے تیور دیکھ کر اٹھنے کے لیے پر تولے۔ بڑے کاٹ دار لہجے میں گویا ہوئی تھی اور چمن کی طرف دیکھنے سے احتراز کر رہی تھی۔

''بس امی جان آخری بار آئی تھی آپ کے گھر۔ اب نہیں آؤں گی۔ آپ کا دل چاہے تو میرے گھر آ کر مل لیں۔''
اب مکر نے مظلومیت کا نقاب چڑھایا۔

''ارے واہ! یہ گھر تمہارے باپ نے میرے نام لکھ دیا ہے۔ اس گھر میں تمہارا بھی حصہ ہے۔ پورا حق ہے تمہارا۔''

''چھوڑیں امی جان۔''

''ارے واہ...... ایسے ہی چھوڑیں! اس گھر میں تمہارا حصہ ہے اور ثمر کی ایک بیوی ہو یا تین چار، ثمر کے حصے میں سے ان کے حصے ہوں گے۔''

بانو آپا کی چوری پکڑی گئی تھی۔ اب تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر ثمر کی بیویوں کی بات کر رہی تھیں۔ یہ ثابت کرنے کے لیے وہ کسی کے باپ سے نہیں ڈرتیں۔ وہ دوسری بیوی تک بات ختم سمجھے۔ بات تیسری چوتھی بیوی تک بھی جا سکتی ہے۔

''ہاں نہیں تو اور کیا......'' ماں نے پینترا بدلا تو افشاں بھی شیرنی بن گئی۔

ہمارے بھائی کی کوئی نشانی تو ہونی چاہیے۔ اولاد کی خاطر تو مرد دوسری شادی کر ہی لیتے ہیں۔ اس میں برائی کیا ہے۔''

''ارے خوشحال مرد تو ویسے بھی چار شادیاں کر سکتا ہے۔ شرع نے اجازت دی ہے۔ یہ مرد کا حق ہے۔''
بانو آپ نے تند و تیز تیروں کی بوچھاڑ کی۔

''تو ٹھیک ہے۔ آپ ثمر سے بات کر لیں۔ اگر وہ تیار ہیں تو میں کسی بھی طرح انہیں روک نہیں سکتی۔ آج

آ جائیں تو آپ ان کو لے کر بیٹھ جائیں اور ان سے ہاں کروا کر ہی اٹھیں...... تاکہ مجھے بھی محلاتی سازشوں سے نجات ملے۔ اور آپ لوگوں کو بھی سکون ملے۔''

یہ کہہ کر چمن ماں بیٹی کے تاثرات دیکھنے کے لیے رکی نہیں، فوراً ہی وہاں سے چلی گئی۔ رُکنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ان کی پسند کی بات تھی۔ اب آگے جو کرنا تھا انہیں خود کرنا تھا۔

اس کے جاتے ہی بانو آپا اور افشاں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''چلتی کیسے ہے جیسے زمین پھاڑ دے گی۔ یہ غرور بلاوجہ نہیں ہے۔ اس کی ماں جو تعویز گنڈے کرتی ہے۔ یہ اسی کی نشانی ہے۔ اسے پکا یقین ہے دنیا اِدھر اُدھر ہو جائے ثمر نہیں مانے گا۔'' بانو آپا کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

''امی جان ایسی خوفناک باتیں منہ سے نہ نکالیں۔ وجیہہ کو بس میری بھابی بننا ہے بس۔ اچھا ہوا انہوں نے سن لیا۔ اب تو ہم ڈنکے کی چوٹ پر بھائی کی دوسری شادی کی بات کریں گے۔ افشاں کی تو جیسے زنجیریں کٹ گئی تھیں۔ کھلی ہواؤں میں پر پھیلا کر اڑنے کا تصور ہی بہت خوش کن تھا۔

''یہ بانجھ بنجر جس میں کوئی ہنر نہیں اتنا زور دکھا رہی ہے...... تو ہم تو اپنی ہی کر کے رہیں گے۔ ہمارا تو حق بنتا ہے بھئی۔''

بانو آپا نے اس کی طرف رُخ کر کے بڑبڑانے کے انداز میں کہا، جس طرف ان کے حساب سے چمن کان لگائے کھڑی تھی۔

☆......☆......☆

بہت برا معرکہ ہوا تھا۔ یاور نے بہر حال ایک گھر پسند کر کے Done کر دیا تھا۔ ایمن نے گھر دیکھنے سے معذرت کر لی تھی کہ اس کی حالت ایسی تھی کہ وہ زیادہ چل پھر نہیں سکتی تھی۔ سانس پھولنے لگتی تھی اور چکر آنا شروع ہو جاتے تھے۔ اور نہ ہی اس وقت وہ اس قابل تھی کہ پیکنگ کرتی۔ عطیہ بیگم نے یاور کو کہہ دیا تھا کہ بس وہ بیڈ روم فرنیچر اور بچوں کی دوسری چیزیں لے آئے جو ایمن کے جہیز کی ہی تھیں۔ باقی برتن اور دوسری چیزیں وہ خود اس کے گھر پہنچا دیں گی۔ ان کے لیے تو یہی بہت تھا بیٹی کا گھر ٹوٹنے سے بچ گیا تھا۔ اللہ کا دیا اتنا تھا کہ وہ بیٹی کے نئے گھر میں ضروریاتِ زندگی کی بہت سی چیزیں خرید کر کھڑے کھڑے پہنچا سکتی تھیں اور چمن کو ایمن نے خود ہی فون کر کے خوش خبری سنا دی تھی اور اتنی بڑی خوش خبری سننے کے بعد چمن نے بہن کو آفر دی کہ وہ اس کے نئے گھر کی سیٹنگ کر دے گی۔ وہ پریشان نہ ہو۔ بس اپنا خیال رکھے۔

اور وہ وعدہ کرنے کے بعد ثمر سے اجازت لے کر ایمن کے گھر پہنچ بھی گئی تھی۔

زمین تو کافی تھی مگر کمرے صرف دو ہی تھے۔ واش روم بھی ایک ہی تھا۔ کچن بھی چھوٹا سا تھا۔ معلوم نہیں اتنی جگہ ہونے کے باوجود مالک مکان نے کچن اتنا چھوٹا کیوں بنایا۔

کمروں کی پشت پر بھی بڑا سا صحن تھا اور کمروں کے سامنے بھی، جس کی وجہ سے گھر بہت روشن اور ہوا دار تھا۔ شاید اس خوبی کو دیکھ کر یاور نے یہ گھر پسند کیا تھا۔ اس سے کم کرائے کے بھی اپارٹمنٹ مل رہے تھے مگر اپارٹمنٹ میں زینے طے کرنے کا مسئلہ تھا۔

یاور ٹرک بھر کر سامان تو لے آیا مگر وہ ابھی تک صحن میں ہی بے یار و مددگار پڑا تھا۔ چمن نے ثمر کو فون کر کے مزدوروں کا بندوبست کرنے کو کہا۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اپنی موجودگی کو یہاں کارآمد بنائے اور گھر اتنا تو سیٹ کر دے کہ ایمن کو کام کرنے میں دشواری نہ ہو۔ مزدوروں کے لیے اس نے جان بوجھ کر یاور سے نہیں کہا تھا۔ وہ

اپنی انا میں اسے کام سے روک دے گا اور خود بھی اپنی مرضی سے کرے گا۔ کھینچا تانی ایمن کے بس کی بات نہیں۔
''ثمر نے اپنے کسی جونیئر کو کہا...... ایک گھنٹے کے اندر اندر چار مزدور پہنچ گئے۔ بھاری سامان ٹھکانے پر پہنچا تو پھر کام آسان ہو گیا۔ عطیہ بیگم نے برتنوں کے دو کرٹن بھر کر بھجوا دیے تھے۔ چمن نے جلدی جلدی سب سے پہلے کچن سیٹ کیا۔
مغرب سے پہلے گھر اس قابل ہو گیا کہ گھر والے سکون سے سو سکیں اور بغیر تکلیف کے کھانا وغیرہ تیار ہو جائے۔
چمن کے نکلنے سے پہلے یاور کھانے پینے کا سامان باہر سے لے آیا تھا۔ فریج چمن آن کر چکی تھی۔
یاور گھر میں داخل ہو تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔
''آپ نے کیوں تکلیف کی۔ پرسوں سنڈے ہے میں تھوڑا تھوڑا کر ہی لیتا۔
یاور کے انداز میں شرمساری بھی تھی اور تشکر بھی تھا۔
''مشکل کام تو مزدوروں نے کیا ہے۔ میں نے تو بس یونہی تھوڑا بہت کیا ہے۔ آپ نے میری بہن کا اتنا احساس کیا تو کیا میں اتنا بھی نہیں کر سکتی؟'' چمن نے بہت اپنائیت بھرے لہجے میں کہا تھا۔
''مزدوروں کو کیا Pay کیا؟'' یاور نے نڈھال سی ایمن پر نظر ڈال کر چمن سے پوچھا تھا۔
''چھوڑیں یاور بھائی! کوئی لاکھوں خرچ نہیں ہو گئے۔ یہ تکلف کی باتیں ہیں۔''
''نہیں چمن! حساب حساب ہوتا ہے یہ تو آپ کو لینے ہی ہوں گے۔'' یاور نے جیب سے والٹ نکالتے ہوئے کہا۔
''یاور بھائی کیوں شرمندہ کر رہے ہیں۔''
''لے لوں ناں جب دے رہے ہیں۔'' ایمن جو تخت پر بحث لیٹی دونوں کی وحث سن رہی تھی اور بالآخر بول پڑی۔
''ایک مزدور نے ایک ہزار روپیہ لیا ہے۔ چار تھے، آپ چار ہزار دے دیں۔''
''چار ہزار!'' یاور کو جیسے شاک سا لگا۔ تھوڑا اجز بز ہوا۔
''یاور بھائی Loader کے ساتھ labour تو آتی ہے ناں۔ آپ نے ان سے سامان کیوں نہیں رکھوایا؟''
''بالکل بھی وقت نہیں تھا میرے پاس۔ وہ تو ڈھائی ہزار لے کر لگانے کے لیے تیار تھے۔ امی جان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا۔ فون پر فون آ رہے تھے۔ بس میں نے سامان اتروایا اور تالا لگا کر چلا گیا۔''
''اسی وقت کام ہو جاتا تو بہت سہولت رہتی پیسے بھی کم خرچ ہوتے۔ آنٹی کو تو انکل بھی لے جا سکتے تھے۔''
چمن کیونکہ فردوس کی ساری چالوں سے باخبر تھی جو ایمن کی وساطت سے ہی اس تک پہنچی تھیں بے ساختہ بولی تھی۔ اور حتی الامکان کوشش کی تھی کہ لہجے میں معمولی سی تلخی بھی جھلکنے نہ پائے۔
''ابا جان ڈرائیو نہیں کرتے...... اسی لیے آؤٹ ڈور کام مجھے ہی کرنا پڑتے ہیں۔'' ایمن نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا، دل تو چاہ رہا تھا کانوں پر ہاتھ رکھ لے، ان دونوں کا ذکر بھی اس کے اعصاب پر بوجھ تھا۔ جانے کیا کیا یاد آنے لگا۔
''آپ رات کو رکیں گی؟'' یاور نے تذبذب کی کیفیت میں چمن سے پوچھا۔
''نہیں...... ثمر مجھے لینے آئیں گے۔ ابھی وہ آفس میں ہی ہیں۔'' چمن نے جواب دیا۔
''اتنا لیٹ نکلتا ہے ثمر۔'' یاور نے حیران ہو کر ثمر کی طرف دیکھا۔

''انٹرنیشنل ٹریڈنگ کمپنی ہے۔ ان کے ہاں وقت نہیں ٹارگٹ دیکھا جاتا ہے لیکن ہمیشہ ہی اتنا لیٹ نہیں ہوتے۔ اکثر شام سات بجے تک آجاتے ہیں۔''

''پھر بھی فون کر کے پتا کرلیں۔ اگر وہ بہت بزی ہیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ یوں سمجھیں یہ بھی شکریہ ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔''

یاور نے ایمن کی طرف دیکھا جو یوں لیٹی تھی جیسے اس کے کانوں میں کارک لگے ہوں۔

''اپنوں میں اتنے تکلفات ہوں تو پھر اپنوں کا فائدہ کیا۔ بس آپ آپا کا خیال رکھیں۔ سمجھیں آپ نے شکریہ ادا کر دیا۔'' چمن نے اب ذرا خوشگوار انداز میں ماحول کو ہلکا پھلکا بنانے کی کوشش کی۔

اتنی دیر کی بات چیت کے بعد چمن کو بھرپور یقین وہ چلا تھا کہ یاور ایک نارمل سیدھا سادہ مرد ہے۔ کوئی بھی چالاک ہوشیار انسان اس کا دل جیتنے میں بہت آسانی سے کامیاب ہو سکتا ہے اور فردوس کو اپنے بیٹے کی اس خوبی کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہے اور اسی وجہ سے وہ اب تک اپنی پسند کا نتیجہ حاصل کرتی رہی ہے۔

ایمن اگرچہ چالاک و ہوشیار ہوتی تو دنوں میں یاور کو مٹھی میں کر سکتی تھی۔ مگر وہ تو یاور سے بھی زیادہ سیدھی سادھی اور صاف گو تھی۔

اسی لمحے چمن کے موبائل پر رنگ ہوئی، چمن نے ہینڈ بیگ سے موبائل نکالا نمبر دیکھا۔

''اوہ......ثمر......لگتا ہے راستے میں ہیں۔''

''چمن......امی کا گھر راستے میں پڑے گا۔ ثمر سے کہہ دو مہ پارہ اور مہوش کو لیتے آئیں۔'' ایمن جیسے غنودگی سے چونک پڑی تھی۔ بچیاں جان چھڑکنے والی نانی کے پاس تھیں مگر ماں کو تو بہت خالی پن محسوس ہو رہا تھا۔ عطیہ بیگم نے کہا تھا جب تک گھر سیٹ نہیں ہو جاتا بچیوں کو میرے پاس رہنے دو۔ سامان میں الجھتی پھریں گی۔

''ہیلو......جی......ہیں......گھر پہنچ گئے۔ میں نے تو آپ کو فون کر کے بتا دیا تھا میں آپا کی طرف ہوں...... ایڈریس بھی Send کر دیا تھا۔'' چمن کے لہجے پر کوفت کی لکیریں کھنچ گئیں۔

یاور اور ایمن چمن کی طرف دیکھنے لگے جواب ثمر کی بات سن رہی تھی۔ پھر اس نے اپنا موبائل کان سے ہٹا لیا۔ اور گہری سانس لے کر بولی۔

''کہہ رہے ہیں بہت تھک گیا ہوں۔ مزید ڈرائیو نہیں کر سکتا۔ CAB کو فون کر دیا ہے دس منٹ میں پہنچ جائے گی۔''

چمن نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر یاور کی طرف دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

''آج تو اس نے ہم ماں بیٹی کو وہ کھری کھری سنائیں کہ کھڑے کھڑے مر جانے کو جی چاہتا تھا۔''

بانو آپا آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے رقت بھری آواز میں ثمر سے کہہ رہی تھیں......

''آخر کیا وجہ تھی۔ ایسا کیا ہو گیا تھا۔؟'' ثمر کے تھکن سے ٹوٹے اعصاب میں تجزیہ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ماں کے آنسو انگاروں کی طرح اس کے دل پر گر رہے تھے۔

☆☆......☆☆

(رشتوں کی نزاکت اور سفاکی دکھاتے اس سحر انگیز ناول کی اگلی قسط انشاء اللہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

غزالہ عزیز

وہ جانتی تھیں کہ ثانیہ ان کے بنا کہے ہی اکلوتی نند کی سسرال کو جانے والی عیدی کا اہتمام خود ہی خوش اسلوبی سے سرانجام دے لے گی۔ جیسا کہ برسوں سے ہوتا آرہا ہے۔ مگر اس بار وہ بیٹی کی عیدی اور عید کی خوشیوں میں ہونے والے اہتمام کو......

رشتوں کی مضبوطی سے جڑا، ایک مہکتا افسانہ

رشتے صرف خون سے نہیں بنتے، احساس اور خلوص سے بھی بنتے ہیں۔ وہ رشتے جو ہم خود بناتے ہیں اکثر ناپائیدار بھی ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اگر نیتوں میں خلوص اور محبت کی سچائی شامل ہو تو ہم اپنے بنائے ہوئے رشتوں کو مضبوط اور دیرپا بنا سکتے ہیں۔ شرط صرف نیتوں کے اخلاص پر مبنی ہے۔

ساس اور بہو کے رشتے اکثر خون کے نہیں ہوتے مگر انہیں خون کے رشتوں جیسی مضبوطی اور پائیداری دینے کے لیے خلوص اور پیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر احساس اور خلوص نہ ہو تو کوئی بھی رشتہ جو ہم خود بناتے ہیں۔ وہ بھی پائیدار نہیں ہوسکتا۔

ساس اور بہو کے رشتے میں جہاں ساس ماں کے درجے پر فائز ہوتی ہے۔ وہیں بہو کا مقام بھی بیٹی جیسا ہوتا ہے۔ اگر اس رشتے کو ماں اور بیٹی کا رشتہ سمجھا جائے تو......! مگر ایسا مشکل سے ہی ہوتا ہے۔

ساس کے لیے ایک انجان لڑکی کو بہو کے رشتے پر فائز کرنا اور ایک بہو کے لیے اپنے شوہر کی ماں کو اپنی ماں جیسا رتبہ دینا بہت کٹھن محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں رشتے مسلسل سعی کی رسی تھام کر خلوص سے آگے بڑھتے رہیں تو ایک دن کامیابی یقینی اور دیرپا ہوتی ہے۔ مہرالنساء اور ثانیہ کا رشتہ اسی اخلاص کا متقاضی تھا۔ رمضان المبارک کی مقدس و بابرکت آمد تو پچھلے ہی ہفتے شروع ہو چکی تھی۔ اور ہر ساس کی طرح اس سال بھی مہرالنساء بیگم نے اس متبرک ماہ صیام کو خوش آمدید کہنے کا بھرپور اہتمام پہلے سے کر رکھا تھا۔

اس بابرکت، (رحمتوں والے مہینے کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کے لیے اپنی فرضی اور نفلی عبادات کا پورا شیڈول تیار کر لیا تھا۔ وہ ہر رمضان المبارک میں دو قرآن پاک پڑھ کر ختم کرتی تھیں۔ روزانہ دو سپاروں کی تلاوت کرتیں۔ ایک سپارہ فجر کی نماز کے بعد شروع کر کے ختم کرتیں اور دوسرا عصر کی نماز کے بعد...... پھر ثانیہ کے ساتھ مل کر افطاری کے اہتمام میں بہو کی تھوڑی بہت مدد کر دیا کرتیں۔ ویسے بھی ان کے یہاں افطاری کا زیادہ اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ صرف کھجوروں اور فروٹ چاٹ

کے ساتھ کسی بھی فروٹ کا ملک شیک تیار کرلیا جاتا تھا۔ اور پھر افطار کر کے مغرب کی نماز کے بعد سادہ کھانا کھالیا جاتا تھا۔ برسوں سے مہرالنساء بیگم نے اپنے گھرانے کی یہی روٹین بنا رکھی تھی۔

وہ رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں انواع و اقسام کے کھانوں اور افطاری کے اہتمام کے بجائے فرضی و نفلی عبادات کا خشوع وخضوع کے ساتھ اہتمام کرتیں۔ یہ سوچ کر کہ جانے اگلی باراس رحمتوں والے ماہ صیام کی برکتوں سے فیض یاب ہونے کا موقع مل سکے یا نہیں۔ لہٰذا بیٹے کی شادی کے بعد بہو ثانیہ کو بھی یہی سمجھایا تھا۔

مہرالنساء بیگم کے دو بچے تھے۔ حال ہی میں شوہر کا انتقال ہوا تھا۔ جس کے بعد وہ زندگی کی بے ثباتی پر پہلے سے زیادہ حساس ہوگئیں تھیں۔ دونوں بچے بیٹا صارم اور بیٹی صباء شادی شدہ تھے۔ اُن کے شوہر نے اپنی ہی زندگی میں ہی مہرالنساء بیگم کے ساتھ مل کر اس اہم فریضے کی ادائیگی کر دی تھی۔ لہٰذا وہ اپنے بچوں کی ذمہ داری سے کسی حد تک آزاد تھیں۔ اس لیے اپنا زیادہ تر وقت ذکر واذکار میں گزارتیں۔

صارم، ثانیہ اور دو بچوں کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزار رہا تھا۔ جب کہ صارم سے چھوٹی صباء بھی اپنے سسرال میں خوش وخرم زندگی بسر کر رہی تھی۔

دونوں بچوں کی طرف سے اسی اطمینان وسکون نے ان کو اپنے رب کی شکر گزار بندوں میں شامل کر دیا تھا۔ جس احسان مندی کا اعتراف وہ اپنی ہر نماز کے بعد دعاؤں میں اپنے رب سے کیا کرتی تھیں۔

اگرچہ ان کا شمار سفید پوش گھرانے میں ہوتا تھا۔ صارم کسی کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ ثانیہ ایک سلجھی ہوئی سمجھدار اور پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ مہرالنساء کے شوہر گورنمنٹ سرونٹ تھے۔ لہٰذا عمر بھر کی جمع پونجی سے سر چھپانے کے لیے ملازمت کے دوران اپنا گھر بنالیا تھا۔

چونکہ مہرالنساء بیگم نے بڑے سلیقے اور کفایت شعاری سے گھر گرہستی کا انتظام چلایا تھا۔ لہٰذا آج سر پر اپنی چھت موجود تھی۔ بہو ثانیہ بھی ان ہی کہ نقش قدم پر چلتی گھر

گرہستی کا نظام بڑی خوش سلوبی سے چلا رہی تھی۔ البتہ کبھی کبھار مہرالنساء بیگم شوہر کی پینشن سے ملنے والی رقم سے بھی گھر کے اخراجات میں تنگی کے باعث مدد دیا کرتی تھیں۔ کیوں کہ صارم نے خود ہی کہا تھا کہ مہرالنساء پینشن کی رقم اپنے ہی پاس رکھا کریں کیوں کہ اس پر حق صرف ان ہی کا ہے۔

لہٰذا گھر داری اور کچن کا انتظام و انصرام کی ذمہ داری مہرالنساء بیگم نے خود ہی ثانیہ کی ''کھیر پکائی'' کی رسم پر ہی اس کے حوالے کر دی تھی۔ تاکہ وقت گزری کے ساتھ ساتھ وہ رفتہ رفتہ گھر داری کے انتظام میں طاق ہو جائے۔ اس طرح اُسے آگے جا کر کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ویسے بھی صارم ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس لیے کل کو ثانیہ نے ہی اس گرہستی کو سنبھالنا تھا۔ جسے مہرالنساء بیگم نے اپنی محبت و خلوص سے جنت کا نمونہ بنایا تھا۔ لیکن خدا کا شکر تھا۔ ثانیہ غیر خاندان سے ہونے کے باوجود بہت اچھی اور فرمانبردار بہو ثابت ہوئی تھی۔ وہ مہرالنساء بیگم کی بڑی عزت کرتی گھر سے لے کر گھر داری تک ہر چھوٹے بڑے معاملات میں ساس سے مشورہ کیا کرتی تاکہ وہ اپنی ذات میں ہمیشہ معتبر رہیں۔ لہٰذا مہرالنساء بیگم کا رویہ بھی کسی حد تک شفیق ہوتا تھا۔ ان کے رشتے میں روایتی ساس بہو والی چپقلش نہ تھی کیوں کہ ثانیہ ساس اور شوہر کے ساتھ ساتھ اکلوتی نند اور اس کے شوہر و بچوں کا بھی اتنا ہی خیال رکھتی تھی۔ کسی کو شکایت کا موقع نہ دیتی تھی۔ ویسے بھی تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ تب ہی گھر کی دیواروں اور رشتوں میں دراڑیں نہیں پڑتی ہیں۔

چونکہ ثانیہ نے چھوٹی و بڑی دونوں عید کے موقع پر بڑی سمجھداری سے نبھایا تھا۔ اس لیے اس عید پر بھی صبا کو جانے والی میکے کی طرف سے ''عیدی'' کے حوالے سے مہرالنساء بیگم کو کوئی فکر و پریشانی لاحق نہ تھی۔

وہ جانتی تھیں کہ ثانیہ ان کے بنا کہے ہی اکلوتی نند کی سسرال کو جانے والی عیدی کا اہتمام خود ہی خوش اسلوبی سے سرانجام دے لے گی۔ جیسا کہ برسوں سے ہوتا آرہا ہے۔ مگر اس بار وہ بیٹی کی عیدی اور عید کی خوشیوں میں ہونے والے اہتمام کو بھول کر بیٹے کی تیمارداری میں جی جان سے مصروف تھیں۔ پچھلے ہفتے صارم کی بائیک کا بری طرح ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اس کی دائیں ٹانگ میں فیکچر آیا تھا۔ بازو پر بھی گہری چوٹ آئی تھی۔ سو رمضان کی آمد کا پہلا عشرہ ہاسپٹل کی بھاگ دوڑ میں گزرا تھا۔

مہرالنساء بیگم تو اس اچانک افتاد پر بری طرح گھبرا گئیں۔

ثانیہ نے بھی حوصلے اور سمجھداری سے کام لیتے ہوئے سب کچھ سنبھالتے ہوئے بہادری کا ثبوت دیا۔ کیوں کہ اسے ہی سب کچھ کرنا تھا۔ اس کے میکے میں بھی ایک بھائی، بھاوج اور ماں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ جو اس مشکل گھڑی میں اس کا سہارا ہوتا۔ کیوں کہ بھائی روزگار کے سلسلے میں بیرون ملک میں مقیم تھا۔ جب کہ باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ البتہ صباء اور اس کے شوہر ایاز نے اس نازک موقع پر قرابت داری کا پورا حق ادا کیا تھا۔ وہ دونوں روزانہ ہی شام کو صارم کو دیکھنے ہاسپٹل آجایا کرتے تھے۔ پھر جب ہفتے بھر ہاسپٹل میں رہنے کے بعد وہ ڈسچارج ہو کر گھر آیا تو وہ دونوں چھٹی والے دن آنے لگے۔ یوں بھی رمضان کی وجہ سے روز آنا ممکن نہیں تھا۔ مگر صباء جب بھی میکے آتی بھائی کے لیے کچھ نہ کچھ اسپیشل ڈش بنا کر لاتی تھی۔ ڈاکٹر نے صارم کی ٹانگ پر پلستر چڑھا کے ڈیڑھ ماہ بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا تھا۔

☆......☆......☆

یوں ثانیہ اور مہرالنساء بیگم صارم کی تیمارداری میں ان دنوں مصروف تھیں۔ چونکہ صارم کے علاج پر خاصی بھاری رقم خرچ ہو گئی تھی۔ لہٰذا اب رمضان کے اضافی اخراجات اور بالخصوص عید کی تیاریوں کے حوالے سے ثانیہ کچھ پریشان نظر آرہی تھی۔ لیکن اس نے صارم سے

اس بارے میں کچھ نہ کہا تھا حتیٰ کے ساس مہر النساء بیگم پر بھی فکر مندی ظاہر ہونے نہ دی۔ وہ دونوں میں سے کسی کو بھی پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جب صارم نے حد سے زیادہ اُسے ست اور فکر مند دیکھا چہرے پر پھیلی تفکرات کی لکیروں کو پڑھ لیا تو خود ہی استفار کیا تب ثانیہ کو اس سے بات کرنی پڑی ہر سال کی طرح اس سال بھی صبا کے سسرال اس کی عیدی بھجوانی تھی۔ جس کا انتظام اس بار ثانیہ کو مشکل نظر آرہا تھا۔

میں جانتا ہوں ثانیہ...... پچھلے دنوں میری بیماری کی وجہ سے تم اور امی بہت پریشان رہے ہو میرے لیے...... اور رمضان کی آمد سے تمہاری مصروفیات میں بھی پہلے سے اضافہ ہو گیا ہے لیکن تمہارے چہرے پر جو پریشانی چمک رہی ہے وہ صرف تھکن کی وجہ سے نہیں ہے۔ کوئی اور بات ہے۔'' پلیز مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش مت کرنا۔''

صارم نے سامنے بیڈ پر قریب بیٹھی ثانیہ کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے کہا۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے صارم...... بس میری نیند پوری نہیں ہو رہی اس لیے ہی تھکن محسوس ہو رہی ہے۔ رمضان کی وجہ سے روز مرہ کی روٹین بھی تو بدل جاتی ہے۔ آپ خواہ مخواہ پریشان مت ہوں۔

ثانیہ نے صارم کے استفار کرنے پر بات کو ٹالا تھا۔ مسئلہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ وہ صارم سے شیئر کر کے اسے پریشان کرتی اس نے خود ہی اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکال لینا تھا۔ بلکہ اس نے کسی حد تک مسئلے کا حل سوچ بھی لیا تھا۔ مگر صارم جو سات سالہ رفاقت میں ثانیہ کے مزاج کے ساتھ ساتھ اُس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور تاثرات بھی اچھی طرح سمجھنے لگا تھا۔ اس لیے ثانیہ کی بات سن کر بھی اسے تسلی نہیں ہوئی تھی۔

'' مجھے پتا ہے ثانیہ...... تمہارے اندر اتنا حوصلہ اور صلاحیت ہے کہ تم ہر مسئلے کا حل کسی کو پریشان کیے بغیر خود ہی نکال لیتی ہو۔ لیکن میں تمہاری زندگی ہی نہیں زندگی کے سکھ دکھ کا بھی ساتھی ہوں۔ تم اپنی پرابلم زمجھ سے شیئر نہیں کرو گی تو کس سے کرو گی اور کچھ نہ سہی شیئر کرنے سے کم از کم دل کا بوجھ ہی ہلکا ہو جاتا ہے۔'' اور صارم کے اتنے نرم انداز میں ڈھارس دیتے ہوئے لہجے نے ثانیہ کو مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ صارم اُسے بہت اچھی طرح سمجھنے لگا تھا۔

'' آپ تو واقعی مجھے بہت اچھی طرح سمجھنے لگے ہیں۔''

ثانیہ نے بے ساختہ مسکراتے ہوئے کہا۔

ہمارا رشتہ ہی ایسا ہے ثانی...... اگر اس رشتے میں انڈراسٹینڈنگ ایک دوسرے پر اعتماد نہ ہو تو یہ نازک رشتہ کمزور ہی نہیں ہوتا بلکہ زندگی بھی مشکل ہو جاتی ہے۔

ثارم نے سنجیدگی سے گھمبیر لہجے میں کہا۔ تو ثانیہ کو لگا کہ اُسے صارم کو اصل بات بتا دینی چاہیے۔

'' کوئی فکر کی بات نہیں ہے صارم۔ بس میں عید پر صبا کے سسرال بھیجی جانے والی عیدی کی تیاری کے حوالے سے سوچ رہی تھی۔ میری جو بھی Savings تھیں۔ وہ تو سب ہاسپٹل کے اخراجات میں خرچ ہو چکی ہیں۔ سوچ رہی تھی کہ اب صباء کی عیدی اور بچوں کے ساتھ امی کے عید کے کپڑوں وغیرہ کا کیا ہو گا۔ بچوں کو تو عید پر ان کے دو دو سوٹوں کے ساتھ ساتھ میچنگ چیزوں کی بھی فرمائش ہوتی ہے۔ اب ان سب چیزوں کا بندوبست کہاں سے ہو گا۔ صبا کی عیدی تو لازمی بھیجنی ہو گی آخر...... اس کی سسرال کا معاملہ ہے۔''

☆......☆......☆

ثانیہ کی بات سن کر صارم کے ماتھے پر بھی تفکر کی لکیریں ابھر آئیں تھیں۔ تو دوسری جانب مہر النساء بیگم جنہوں نے صارم کے لیے اپنے ہاتھوں سے گرم گرم سوپ تیار کیا تھا۔ اس کے لیے لے کر آرہی تھیں۔ تب ہی دروازے کے پار صارم اور ثانیہ کی باتیں سن کر فطری تجسس کے باعث غیر اختیاری طور پر ان کے قدم کمرے کی دہلیز کے پار ہی رُک گئے کیوں کہ ذکر صباء کی عیدی کا

ہو رہا تھا۔ حالانکہ مہر النساء بیگم ان ساسوں میں سے نہیں تھیں جو چھپ کر بیٹے بہو کی باتیں سنا کرتی ہیں۔ وہ تو بس فطری تجسس کے ہاتھوں مجبوراً وہاں ٹھہر گئیں تھیں۔

''واقعی پریشانی کی بات تو ہے مجھے اندازہ ہے۔ میرے علاج پر کافی رقم خرچ ہوگئی ہے لیکن تم فکر مت کرو میں اپنے کسی دوست سے قرض ادھار لے لوں گا۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی صبا کی ''عیدی'' میکے سے اسی اہتمام سے بھیجی جائے گی۔ جیسے ہر سال بھیجی جاتی ہے۔ ایک ہی تو میری بہن ہے۔ اور میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہن، بیٹیوں کو اپنے میکے میں بڑا ارمان ہوتا ہے۔ جس پر سسرال میں ان کی بھی قدر دانی ہوتی ہے اور ابو کے بعد اب میرے دم سے ہی صبا کے میکے کا مان سلامت ہے۔ میں اپنی بہن کا یہ مان کبھی نہیں توڑوں گا۔

اور صارم کی باتیں سن کر مہر النساء بیگم کی آنکھوں میں خوشی و تشکر کے آنسو بھر آئے انہیں اپنی تربیت اور اولاد کی محبت پر یوں ہی تو مان نہیں تھا۔

صارم ان سے اور صباء سے بہت محبت کرتا تھا۔ جس کا اندازہ انہیں اب ہو رہا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے صارم...... مگر میرے پاس اس مسئلے کا ایک اور حل بھی ہے۔ آپ کو قرض، ادھار لینے کی ضرورت نہیں ہے میں نے سوچا ہے کہ اس بار میں عید پر اپنے میکے سے آنے والی عیدی صبا کو بھیج دوں گی۔ اس طرح صبا کا مان بھی قائم رہے گا اور ہمارا بھرم بھی...... اس طرح آپ کو کسی کا قرض دار بھی نہیں ہونا پڑے گا۔ میرے پاس تو ابھی پچھلی عیدی کے جوڑے ہی رکھے ہیں۔

☆......☆......☆

اور ثانیہ کی اگلی بات نے مہر النساء بیگم کو سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی سسرال والوں کے لیے محبت اور اپنائیت کی تو مہر النساء بیگم پہلے ہی قائل تھیں۔ ثانیہ نے ہمیشہ ان کا بھرم رکھا تھا۔ وہ بھی کب چاہتی تھیں ان کا بیمار بیٹا کسی کا قرض دار بنے۔ ثانیہ نے بھی سوچ کر اس مسئلے کا حل پیش کیا تھا۔ وہ اپنے میکے سے اپنے لیے آئی ہوئی عیدی کو صباء کو دینے کی بات کر رہی تھی۔ اُصولاً تو مہر النساء بیگم کو اس بات پر غصہ آنا چاہیے تھا۔ مگر وہ ثانیہ کے مزاج ہی نہیں اُس کی نیت کے اخلاص کو بھی اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ اس لیے فی اُلوقت خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھتے ہوئے سوپ کے پیالے کی ٹرے واپس لے کر مڑ گئیں۔ ویسے بھی اس وقت سوپ کافی گرم تھا۔ کچھ دیر کچن میں رکھ کر ٹھنڈا ہو جاتا تو ثانیہ خود آ کر صارم کے لیے لے جاتی۔ کیوں کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ اس وقت صارم کے کمرے میں جائیں تو صارم اور ثانیہ کو یہ اندیشہ لاحق ہو جائے کہ انہوں نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی باتیں سن لی ہیں۔ لہٰذا وہ خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں آ گئیں۔

جب کہ صارم کو ثانیہ کی یہ تجویز معقول نہیں لگی جس کا اظہار اس نے فوری ہی کر دیا۔

''نہیں ثانیہ...... یہ مناسب نہیں رہے گا۔ امی کو صبا کا پتا کا پتا چل گیا تو انہیں برا لگے گا۔ ویسے بھی اپنے گھر والوں کی طرف سے اپنی عیدی کا سامان تمہیں امی کو صبا کو بھی تو دکھانا ہوگا اس صورت میں ایسا کرنا بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ اور پھر تمہارے گھر والوں کو پتا چلے گا تو وہ کیا سوچیں گے۔''

صارم کی بات ثانیہ کو بھی معقول لگی۔ صارم ٹھیک کہہ رہا تھا۔ مگر پریشانی میں ثانیہ کو فی الحال یہی حل اس مسئلے کا سوجھا تھا۔

''تو پھر میں ایسا کرتی ہوں کہ اپنی شادی کی جیولری میں سے کوئی جیولری بیچ دیتی ہوں جا کر۔ کم از صبا اور امی کی عید کی تیاری کا انتظام تو ہو ہی جائے گا بچے امی کی طرف سے آئی عیدی کے کپڑوں میں سے کچھ بھی پہن لیں گے۔ میرے اور آپ کے جوڑے بھی امی کی طرف سے آ جائیں گے۔ کیا خیال ہے آپ کا......؟''

صارم کے چہرے پر ثانیہ کی دوسری تجویز سن کر تفکر کی جگہ

شرمندگی کے احساس نے لے لی تھی۔ وہ ضرورت پڑنے پر ثانیہ کا زیور بیچنے کے حق نہیں تھا۔ لیکن فی الحال اور کوئی راستہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس لیے اس نے جواباً خاموش رہنے میں ہی اپنا بھرم رکھنا چاہا تھا۔

''ٹھیک ہے میں کل ہی بازار چلی جاتی ہوں۔ آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے سوپ لے کر آتی ہوں۔ امی نے کہا تھا۔ آج وہ خود آپ کے لیے آپ کا فیورٹ سوپ بنائیں گی۔

وہ افطار کے بعد فارغ ہو کر صارم کے پاس چند گھڑی کے لیے آ کر بیٹھی تھی مگر اب پُرسکون ہو کر اٹھی تھی۔ اس نے اپنی پریشانی کا حل تلاش کر لیا تھا۔ یہ دیکھے بغیر صارم اس کے اس فیصلے سے خوش اور مطمئن نہیں تھا اور ثانیہ کے کمرے سے باہر جانے کے بعد صارم سوچ رہا تھا۔ شاید اس نے یقیناً کوئی نیکی کی ہوگی جو اُسے ثانیہ جیسی سمجھدار محبت کرنے والی اور ایثار پسند شریک سفر ملی۔ صحیح معنوں میں صارم کے سکھ دُکھ کی ساتھی تھی۔

☆......☆......☆

دوسری جانب مہرالنساء بیگم اپنے روم میں آ کر سوچ رہی تھیں کہ صارم اور ثانیہ نے انہیں کبھی بھی معاملے میں مایوس نہیں کیا تھا۔ لہٰذا اب اس مشکل وقت میں وہ بیٹے، بہو کو زیر بار نہیں کرنا چاہتی تھیں بلکہ انہوں نے ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

گھر کا حالات ان کے سامنے تھے۔ یہ تو صارم کی سعادت مندی تھی کہ وہ اپنے باپ کی پنشن کی رقم سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تھا۔

مہرالنساء بیگم ہر ماہ ملنے والی پنشن کی رقم کو اپنے پاس رکھتی تھیں۔ جو کسی نہ کسی مناسب موقع پر کام آجاتی تھی اور اب انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ صارم کو قرض داری کا بوجھ اٹھانے ہرگز نہیں دیں گی۔ ویسے بھی وہ عید تہوار پر ضرورت سے زیادہ فضول خرچی کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ صارم ہر سال چھوٹی بڑی عید پر بیوی بچوں کے ساتھ مہرالنساء بیگم اور صبا کے لیے بھی عید کے نئے کپڑے جوتے، چپل کا اہتمام کرتا تھا اور مہرالنساء بیگم کے پاس ابھی پچھلی عید کے جوڑے رکھے تھے کیوں کہ ثانیہ کے میکے سے اُس کی عیدی میں مہرالنساء بیگم کا بھی عید کا جوڑا، چپل ہوتا تھا لہٰذا فی الحال انہیں کسی نئی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔

رمضان کا مبارک مہینہ تو ویسے بھی مسلمانوں کے تزکیہ نفس کا درس دیتا ہے۔ پورے ماہ کی فرضی روزوں اور فرضی و نفلی عبادات کے اہتمام کے بعد مسلمانوں کا لیے اللہ کی طرف سے انعام کی صورت خوشی کا پیغام دیتی ہے اور اس خوشی کو لوگ نئے کپڑوں، جوتے پہن کر مناتے ہیں اور یہ بھی سنت ہے۔ مگر بے جا اسراف اور فضول خرچی کی زندگی کے ہر معاملے میں ممانعت کی گئی ہے۔ زندگی کی طرح زندگی کے معاملات میں توازن بھی ہونا ضروری ہوتا ہے اور سچی خوشی تو بس اللہ کی رضا پا کر ہی حاصل ہوتی ہے اس لیے مہرالنساء بیگم کو بھی خوشی کے کسی بھی موقع پر بے جا اسراف پسند نہیں تھا۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ہر سال عید پر جس طرح صارم اُن کے اور صبا کے ساتھ ساتھ بیوی بچوں کی عید کی تیاری کا اہتمام کرتا تھا۔ اس سال یہ فریضہ وہ خود انجام دیں گی۔ کیوں کہ شوہر کے انتقال کے بعد ماں اور بہن کے ساتھ بیوی اور بچوں کی ذمہ داری صارم نے خوش اسلوبی سے نبھائی تھی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اخراجات کی تنگی کے باعث اس بار صارم کو اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے کسی کا قرض دار ہونا پڑے۔

لہٰذا انہوں نے اگلے ہی دن ثانیہ کو بتائے بغیر بازار جا کر پنشن سے اکٹھا ہوئی رقم سے سب بچوں کے لیے عید کی شاپنگ کر لی وہ صارم اور ثانیہ کو سرپرائز دینا چاہتی تھیں۔ اس لیے شاپنگ کا سامان کسی کو نہیں دکھایا تھا۔ وہ ثانیہ اور صارم کے فیصلے سے بے خبر تھیں۔ لہٰذا جب اگلے روز ثانیہ بازار جانے کے لیے ان سے اجازت لینے

آئی تو مہر النساء بیگم کو اُسے روکنا پڑا۔ وہ تو ثانیہ کے بازار جانے کا سن کر پریشان ہوگئیں کہ جانے انہوں نے رقم کا انتظام کہاں سے کیا ہوگا۔ انہیں کب معلوم تھا کہ ثانیہ اپنے شادی کے زیور میں سے سلامی پر ملنے والی گولڈ کی رنگ بازار میں فروخت کرنے جا رہی تھی۔ تاکہ نند کے سسرال اس کی عیدی پورے اہتمام کے ساتھ بھیجی جا سکے۔ کیوں کہ بچے اسکول کی چھٹیوں کی وجہ سے کھانا کھا کر سو رہے تھے۔ جب کہ صارم اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ لہٰذا ثانیہ کے بازار جانے کے لیے یہی مناسب وقت تھا۔ اس وقت عموماً بازاروں میں زیادہ رش بھی نہیں ہوتا ہے۔ اور جب مہر النساء بیگم کو اس کے ارادے کا پتا چلا تو انہوں نے اُسے بازار جانے سے قطعی طور پر منع کر دیا۔

”تمہیں بازار جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے سارا دن روزے میں صارم کی تیمارداری کے ساتھ ساتھ گھر کے جھمیلوں میں بھی ہلکان رہتی ہو تم...... جاؤ...... تم بھی جا کر آرام کرو۔ ویسے بھی شام کی تیاری میں ابھی بہت وقت پڑا ہے۔

مہر النساء بیگم نے رسانیت سے نرم لہجے میں کہا تو ان کے لہجے میں اپنے لیے محبت و خلوص کی چاشنی کو محسوس کر کے ثانیہ کا سیروں خون بڑھ گیا۔ مگر اُسے شاپنگ کے لیے تو جانا ہی تھا اُسے مہر النساء بیگم کے دلی ارادوں کی کب خبر تھی۔

”لیکن امی...... میں تو صبا کی عیدی بھجوانے کے لیے شاپنگ کرنے جا رہی ہوں۔ آپ کو تو پتا ہے ان دنوں بازاروں میں کتنا رش ہوتا ہے۔ اب تو رمضان کا پہلا عشرہ بھی ختم ہو چکا ہے اگلے ہفتے تو صبا کو لازمی عیدی بھجوانی ہوگی اور اس بار میں نے سب کے جوڑے ریڈی میڈ لینے کا سوچا ہے کیوں کہ اس وقت کوئی ٹیلر ٹائم پر کپڑے سلائی کر کے نہیں دے گا۔“

ثانیہ نے رسانیت سے جواباً کہا تو مجبوراً مہر النساء بیگم کو اپنے اصل بات بتانی پڑی۔ انہیں نے بات شروع کرنے سے پہلے سنجیدگی سے ثانیہ کی طرف دیکھا۔

میں نے اس روز تمہاری اور صارم کی باتیں سن لی تھیں اس لیے صباء کو عیدی بھجوانے کے لیے تم لوگوں کو کسی سے قرض، ادھار لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

اور مہر النساء بیگم کی سنجیدگی سے کہی بات کو سن کر جہاں ثانیہ کے چہرے کا رنگ شرمندگی سے فق ہوا تھا۔ وہیں وہ یہ بھی سوچنے لگی تھی مہر النساء بیگم کو جانے کتنا برا لگا ہوگا۔

”مجھے غلط مت سمجھنا بیٹا! میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ صارم کے لیے اس روز سوپ لے کر آ رہی تھی۔ جب صبا کی عیدی کے حوالے سے تم لوگوں کی پریشانی کا اندازہ ہوا میں کوئی غیر تو نہیں تھی جو تم لوگوں نے مجھ سے اس بات کو شیئر نہیں کیا۔“

اور مہر النساء بیگم کی اگلی بات سن کر جہاں ثانیہ کے چہرے پر شرمندگی کا اثر زائل ہو چکا تھا وہیں وہ ان کی غلط فہمی پر بھی روہانسی ہوئی تھی۔ ”ایسی کوئی بات نہیں ہے امی ہم آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ثانیہ نے صفائی پیش کرتے ہوئے روہانسے لہجے میں کہا تو بیگم کو بے ساختہ ثانیہ پر پیار آ گیا۔

”بیٹا...... تمہیں بھی اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے گھر کے حالات کا بخوبی علم ہے اور یہ بھی کہ صارم کے ایکسیڈنٹ کے بعد ہوسپٹل کے اخراجات اور دواؤں پر کتنی رقم خرچ ہو چکی ہے۔

لہٰذا اس عید پر ہم کوئی فضول خرچی کرنے کے بجائے سادگی سے منائیں گے۔ عید کا دن تو اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے خوشی کا انعام ہوتا ہے۔ اور عید کی خوشی صرف نئے کپڑے، جوتے پہننے سے نہیں ملتی۔ بلکہ اللہ کی طرف سے خوشنودی اور رضا سے حاصل ہوتی ہے مہر النساء بیگم کی باتیں سن کر ثانیہ

کا اعتماد دو اطمینان بحال ہوا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے امی...... لیکن شادی کے بعد لڑکیوں کے لیے میکے کا مان بڑی اہمیت رکھتا ہے اور یہ بھرم مان ہمیشہ سلامت رہنا چاہیے۔ میں اور صارم بھی صبا کے اس مان کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ جو صبا کو اپنے عزیز رشتوں پر ہے۔ اس کی عیدی بھجوانا بہت ضروری ہے۔

اور ثانیہ کے اپنی نند کے لیے نیک خیالات جان کر مہر النساء بیگم کو گوں ناں گوں خوشی ملی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا...... اللہ میرے صارم کو صحت و سلامتی عطا فرمائے مجھے پتا ہے وہ اپنے فرض اور ذمے داری سے بھی کوتاہی نہیں برتے گا۔ اور مجھے تم پر بھی پورا بھروسہ ہے تم میرے بعد بھی صبا کے اپنے میکے پر مان اور بھرم کو کبھی ٹوٹنے نہیں دو گی۔ کیوں کہ میں جانتی ہوں بیٹیاں ماں باپ کی عزت و فخر کو ہمیشہ قائم رکھتی ہیں۔ تم نے اپنی محبت و ایثار سے ثابت کر دیا کہ تم میری بہو نہیں بیٹی ہو۔ اور میں نے بھی تمہیں اپنی دوسری بیٹی سمجھا ہے۔ ورنہ پتا نہیں لوگوں نے ساس، بہو کے خوبصورت رشتے کو اتنا منفی اور متنازعہ کیوں بنا دیا ہے۔ آخر بیٹی رخصت ہو کر اپنے سسرال جاتی ہے تو بہو رخصت ہو کر اس بیٹی کی خالی جگہ پر کرنے کے لیے آجاتی ہے۔ بات صرف احساس کرنے کی ہے اگر ساس بہو کو بیٹی سمجھے، اور بہو، ساس کو ماں کا درجہ و مقام دے تو ساس، بہو کی روایتی چپقلش کبھی پیدا ہی نہیں ہو گی۔"

☆......☆......☆

مہر النساء بیگم کے اتنے خوبصورت اعتراف پر ثانیہ کو لگا تھا کہ اس کے سات برسوں کی ریاضت رائیگاں نہیں جائے گی۔ وہ سات برس قبل صارم کے ساتھ بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی۔ اس کی شادی خاندان سے باہر غیروں میں ہوئی تھی اور ان غیروں سے زندگی کے سب سے مضبوط رشتے میں بندھنے کے بعد اس نے اپنی محبت و خلوص سے ان غیر خونی رشتوں کو اپنا بنانے کی پوری کوشش کی تھی۔ آج اُسے پتا چلا تھا کہ وہ اپنی کوشش میں سرخرو ہوئی ہے۔

"بیٹا...... صبا کی عیدی کے ساتھ ساتھ میں نے تمہارے اور صارم کے ساتھ ساتھ بچوں کی عید کی خریداری بھی کر لی ہے۔ بس ایک دو دن میں تم لوگوں کو بتانے والی تھی صارم کے ابو کی پنشن کی کچھ رقم پس انداز کر کے رکھی تھی میں نے۔ تمہارے اور صارم کی پریشانی دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا اور اگلے روز مجھے اس رقم کو خرچ کرنے کا صحیح معرف مل گیا۔ بس مجھے اپنے بچوں کی خوشی چاہیے۔ میں انہیں کبھی بھی مایوس اور اداس نہیں دیکھ سکتی۔" مہر النساء بیگم اپنی محبت و خلوص کا اظہار کر رہی تھیں اور ثانیہ کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو جھلملا رہے تھے۔ وہ بے اختیار سامنے کھڑی مہر النساء بیگم سے لپٹ گئیں۔ جہاں اُسے ماں کی محبت بھری نرم گرم آغوش میں سکون مل رہا تھا۔

واقعی بات صرف احساس کی ہوتی ہے۔ اگر اس نے سسرال والوں کو اپنا سمجھ کر محبت و ایثار کا اظہار کیا تھا۔ تو بدلے میں اسے بھی سچے رشتوں کا پیار ملا تھا۔ اور اب ساس کے روپ میں سگی ماں، ہمدرد ماں جیسا ساتھ اور پیار مل رہا تھا۔ وہ خوش نصیب تھی۔ محبتوں و خلوص کے عوض محبتوں کا یہ سودا برا نہیں تھا۔ کیوں کہ اس کا ماننا تھا کہ رشتے صرف خون سے ہی نہیں بنتے، احساس اور خلوص سے بھی بنتے ہیں۔ وہ رشتے جو ہم خود بناتے ہیں اکثر ناپائیدار بھی ثابت ہوتے ہیں لیکن اگر نیتوں میں خلوص اور محبت کی سچائی شامل ہو تو ہم اپنے بنائے ہوئے ان رشتوں کو مضبوط اور دیرپا بنا سکتے ہیں۔ شرط صرف نیتوں کے اخلاص پر ہے آپ کا کیا خیال ہے......؟

☆☆......☆☆

افسانہ

ابا، راحیل اور عید

’’ہائے بیٹا خبردار کوئی بد فعال منہ سے نکالی تو۔ٹھیک ہے میں مانتی ہوں لڑکی کے انتخاب میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے مگر اب تو کچھ نہیں ہوسکتا۔چاند سے دو بیٹے ہیں تمہارے کاش میں ایک دو گھر میں اور جھانک لیتی تو شاید کوئی اچھی لڑکی مل جاتی......

ہر گھر کی کہانی، رُخ چوہدری کے قلم سے، عید کا گدگداتا افسانہ

یہ ! ہیں مسٹر راحیل یہ آج سے پہلے اتنے منحوس نہیں دکھتے تھے جتنے اب آپ کو نظر آرہے ہیں یہ اور ان کی آنکھیں اتنی بھیانک ہرگز نہ تھیں وہ تو یوں کہیے کہ اپنی بیگم کو گھور گھور کر اور دکھا دکھا کر ڈراؤنی ہوگئی ہیں۔اور ان کے چہرے پر جو یہ آپ کو جو یہ ساسوں والی کرختگی نظر آرہی ہے اس کا سبب ان کی اپنی ذاتی ماں بہن ہیں۔ان کی باتیں برداشت کر...... کر کے ان کے چہرے کا جغرافیہ کافی بگڑ گیا ہے۔اتنے منہ پھٹ بدلحاظ اور جھگڑالو تو ہرگز نہیں تھے۔بس چکی کے دو پاٹوں میں پس پس کے ان کی شکل اور شخصیت پر بیوگی طاری ہوگئی ہے اور وہ کسی سیٹھانی بڑھیا کی طرح اپنے دوست احباب کو کاٹ کھانے کو پڑتے ہیں۔اور یہ جو آپ کو ان کی ٹانگیں ٹیڑھی اور ہاتھ بازو زخمی نظر آرہے ہیں۔تو یہ مت سمجھیے کہ ان کو پولیو ہے...... بلکہ اپنی بیوی اور ماں بہن کا غصہ در و دیوار کو لاتیں اور گھونسے مار کر اتارنے کی وجہ سے دوست احباب کے سامنے کہہ دیتے ہیں۔ میں باتھ روم میں پھسل گیا تھا۔یا سیڑھیوں سے گر گیا تھا۔عجیب قابل رحم لائف ہوگئی تھی ان کی بیوی کی حمایت کرتے تو ماں بہن زن مرید ہونے کا طعنہ دیتی رہتیں۔ماں بہن کی حمایت کرتا تو ماں کی گود میں سوتا بیٹا...... اور جان دینے والے بھائی کہلاتے۔وہ تو اکثر بالوں کو نوچتے ہوئے سوچا کرتے کہ اس گھر کی مختصر آبادی کا دوسرا مرد ان کے والد صاحب تھے۔وہ بھی تو شوہر تھے۔ بیٹا ور بھائی بھی تھے...... مگر رشتوں کے اس خاروار جنگل سے گزرتے ہوئے نہ تو وہ منحوس رشتوں کے اس خاروار جنگل سے گزرتے ہوئے نہ ہو تو وہ منحوس شکل والے ہوئے تھے۔نہ اتنے عمر رسیدہ ہوئے تھے جتنا کہ وہ ان کا بیٹا ہو کر بھی لگنے لگے تھے۔ابا قبول صورت بھی تھے اور خوش مزاج بھی مگر کیسے یہ بھی جاننے کے لیے جب وہ لاؤنج میں پہنچے جہاں اماں حسب معمول ابا کو روزانہ کا تو

”ہونہہ جیسا باپ ویسا بیٹا۔“ سلمی بیگم جیسے ہی باہر نکلی ابا نے دونوں کانوں سے ڈھیر ساری روئی نکالی اور تکیے کے نیچے رکھ دی اور راحیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ آؤ...... آؤ میاں لگتا ہے تم بھی اپنی زوجہ محترمہ سے وہی کچھ سن کر آ رہے ہو۔ جو ہم سن کر فارغ ہوئے ہیں۔“ ابا نے ہنستے ہوئے، بیٹے کو دیکھا اور اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

”ابا آپ اماں کی باتیں سنتے کہاں ہیں۔ روئی ٹھونس لیتے ہیں مگر میں کیا کروں......“ راحیل میاں رو دیے تو تھے۔ [illegible]

”ابا کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کریں۔“ ان کے بے ساختہ جملے پر ابا چڑ گئے۔ یوں بھی کبھی کبھی ا[illegible] کا یہ سکون یہ اطمینان ان کو زہر لگا کرتا۔ جیسے اس جملے پر وہ جل کر بولے۔
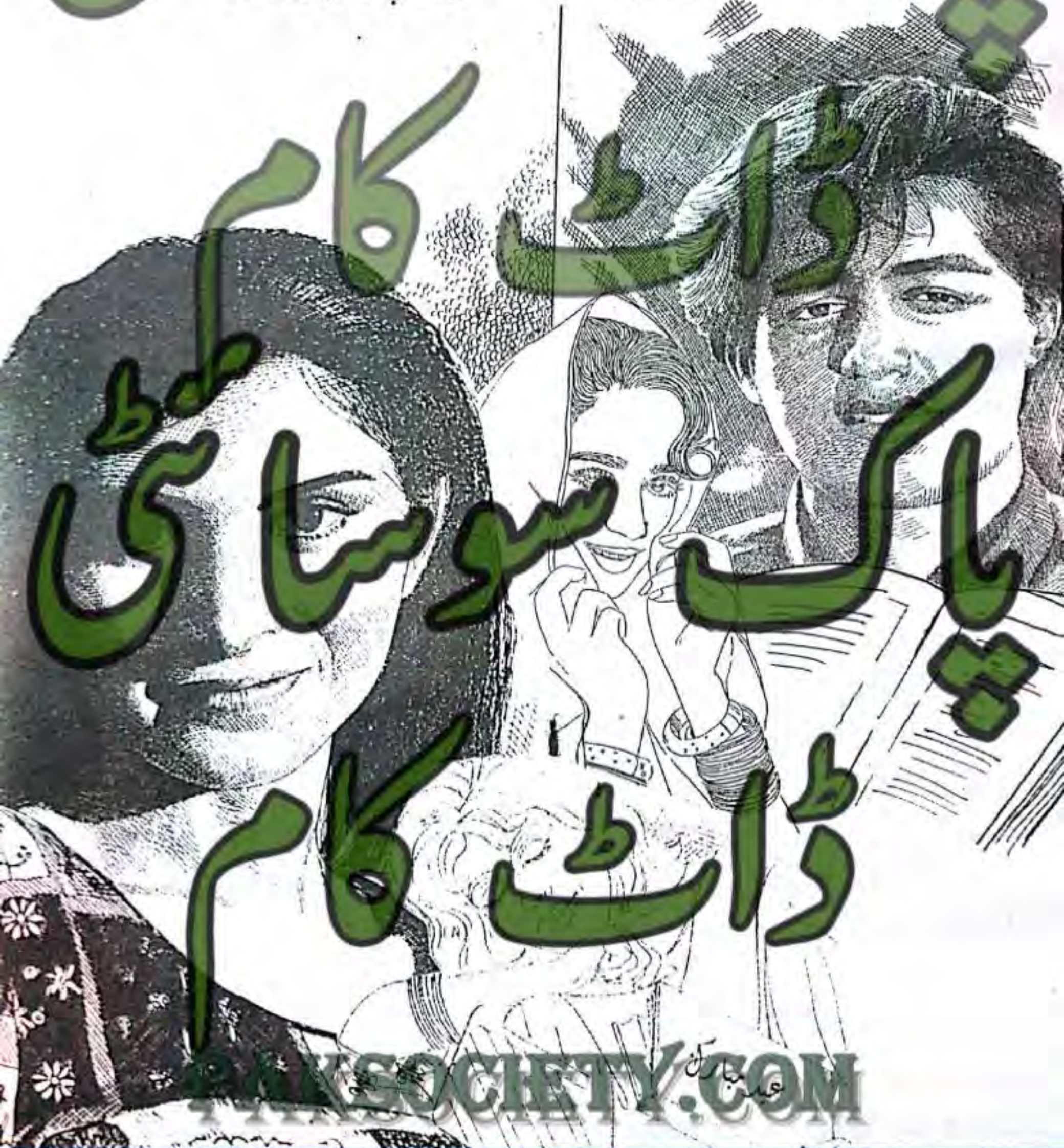
''ارے میاں! ہوئے تھے ایک بار سنجیدہ تو کچھ دوست نما دشمنوں نے ہماری سنجیدگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ہماری آزادی پر شب خون مارا...... اور سلمیٰ نامی ڈھول ہمارے گلے میں باندھ دیا گیا...... جس کو نہ چاہتے ہوئے بھی وقت بے وقت بجانا پڑتا ہے۔

''تو......'' آہ کیا بے فکری اور آزادی کے دن تھے...... مگر کیا کہیے ان دوستوں کا...... کہ جنہوں نے ہماری آزادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور طرہ یہ کے ہماری آزادی کی وفات پر تعزیت کرنے کے بجائے ہمیں مبارکیاں دی گئیں۔ مٹھائی کھلائی اور کھائی گئی...... آہ۔''

''خیر ابا! آپ تو ناحق آزادی کی وفات کا سوگ مناتے ہیں۔ آپ نے بڑی خوشحال اور رنگین زندگی گزاری ہے۔ گھر میں بیگم کے ہوتے ہوئے بھی آپ ایسے ہی خوش مزاج رہے ہیں۔ سچ کبھی کبھی تو مجھے آپ سے حسد ہونے لگتا آخر راز کیا ہے۔''

''ارے میاں راز نہیں پتے کی بات ہے جو سمجھ گیا وہ سکندر جو نہ سمجھا وہ بندر بس ایسے ہی مواقع ہوتے تھے جب اماں اور راحیل کو اباز ہر لگا کرتے تھے۔ اب نسخہ بنانے کے بجائے الٹے سیدھے راستے پر ڈال رہے تھے۔

''جائیے۔'' ابا میں آپ سے مدد مانگ رہا ہوں اور آپ مجھے بندر بنا رہے ہیں۔ یہ کوئی بات ہوئی......؟ راحیل باقاعدہ خفا تھے۔

''ارے میاں...... بندر کہنے پر تم کیوں خفا ہو رہے ہو۔ خفا تو بندر کو ہونا چاہیے کہ بڑے میاں نے کس چند کو بندر کہہ دیا۔''

''ابا! پلیز بتاتے ہیں یا میں......'' راحیل میاں کھڑے ہو گئے۔

بیٹا جی ایسی جلدی کا ہے کی ہے۔ ہم نے تو یہ گر دوسرے سال میں حاصل کیا تھا...... ورنہ اس سے پہلے تو ہم فٹ بال تھے۔ بیگم اور ماں بہنوں کی ککوں پر دائیں بائیں اوپر نیچے کو کودا کرتے تھے۔ بیگم نے کک ماری تو ماں بہنوں کے ہاف میں ہوتے تھے۔ ماں بہنیں کک مارتی تو بیگم کے قدموں میں ہوتے تھے۔''

ابا مجھے آپ کی ککوں سے کوئی غرض نہیں مجھے بس صرف آپ کی دل جلانے والی ہنسی اور خوش مزاجی کا راز جاننا ہے جو کہ اماں اور دادی پھپھوں کے ہوتے ہوئے آپ کے ساتھ چپکی رہی۔'' راحیل میاں بری طرح خفا ہو کر جانے لگے تو ابا نے ہاتھ تھام لیا۔

میاں تمہاری جنریشن کا مسئلہ بھی جلد بازی ہے۔ صبر تحمل تو چھو کر نہیں گزرا۔ ارے بیٹا آج کل اتنے سخت حالات نہیں جتنے پہلے ہوا کرتے تھے تم تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہو۔''

ابا...... ابا میں آپ کو کہے دے رہا ہوں۔ اگر آپ نے ابھی نہیں بتایا تو...... میں وہ کرلوں گا۔''

''کیا...... کیا کرلو گے یعنی کہ حماقتیں تو آپ ہر وقت کیا کرتے ہیں اور اب اور کیا کیجیے گا نیا۔''

''وہ ہی جن کا نام لیتے ہوئے مجھے ڈر لگ رہا ہے جو آپ نے شروع میں کہا تھا۔''

''کیا...... خودکشی؟ میاں یہ تو بڑے بہادر لوگوں کا کام ہوتا ہے ویسے تمہارا پرابلم کیا ہے۔''

ابا نے حقے کا لمبا کش لینے سے پہلے سوال پوچھا تو تمبا کو نے ابا کا سینہ جلانے کے بجائے بیٹے کا کا سینہ راکھ کر دیا۔

میں سب سمجھ گیا ابا آپ میری اس مجبوری سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ٹھیک ہے اگر یہ جنگ جاری رہی تو چند دنوں میں آپ بیٹھے ہوئے

میری رسم قل کر رہے ہوں گے۔ یعنی کہ آپ نے تو وہی حال کیا کہ ساری رات رو رو کر مر گئے...... اور مرا کوئی بھی نہیں۔

''ارے بیٹا بالکل ماں پر پڑے ہو۔ بدمزاجی اور بدزبانی میں۔ میاں زندگی کو خوبصورت بنانا ہے تو گرگٹ بن جاؤ۔''

''ابا آپ کبھی بڑے نہیں ہو سکتے نجانے اماں بیچاری نے آپ کے ساتھ کیسے اتنی زندگی گزار دی۔''

ارے! بڑی خوشحال اور آسودگی کی زندگی گزاری ہے ہم نے اپنی۔ ماں بہنوں اور بیگم کے ساتھ اپنے سر پر ماں کا ہاتھ رکھ کر پوچھو ہم نے کبھی ان کو شکایت کا موقع دیا۔ اماں تو خیر سدھار گئیں اپنی پھپھو سے پوچھو وہ بھی کہیں گی۔ ہمارے بھائی جیسا کوئی بھائی نہیں......'' ابا نے اترا کر کالر درست کیے تو راحیل میاں کھول گئے۔

''ابا! یہ راز جاننا چاہ رہا ہوں آپ سے۔''

''سنو بیٹا سیاست دان بن جاؤ۔''

''ابا! راحیل میاں یوں تڑپ اٹھے جیسے ابا نے کوئی سنگین الزام لگایا ہو۔

''ہاں بیٹا سیاست دان بن جاؤ۔ موقع پرست جس پارٹی میں جاؤ اسی کے گن گاؤ...... ماں بہن کی پارٹی میں جاؤ تو نعرہ لگاؤ...... بیگم ہماری شیر ہے باقی سب ہیر پھیر ہے...... اگر ابھی بھی میرے ذہین اور قابل بیٹے کی سمجھ میں بات نہ آئے تو......''

''آ...... آ...... آپ کا مطلب ہے ابا کہ میں۔''

بات شاید راحیل کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس بات کا اندازہ ان کی آنکھوں کی چمک اور نکلتے دانتوں سے ہو گیا تھا ابا کو۔

''ہاں! انہیں کوئی کارنامہ کر کے دکھاؤ......ثبوت کے طور پر تو مانیں گے۔ بات تمہاری موٹی عقل میں آ گئی ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا میاں اگر تم کسی ایک پارٹی کے سامنے بھی لڑھک گئے۔ ناں تو تمہارا راز فاش ہو جائے گا۔ تم تو جو دونوں پارٹیوں سے پٹو گے وہ کھاتہ الگ ہے۔ اور دیکھو میاں ہم نے اللہ کی مہربانی سے بڑی باعزت زندگی گزاری ہے۔ اب عید میری رول نہ دینا۔

ابا اپنی کامیاب زندگی کا راز فاش کر کے کچھ پریشان ہو گئے تھے۔ ان کو اپنے بیٹے راحیل کی مکارانہ صلاحیتوں پر کوئی خاص بھروسہ نہیں تھا۔ تاہم بیٹے صاحب خاصے پرامید اور پراعتماد نظر آتے تھے۔''

''ڈونٹ وری ابا آپ پریشان نہ ہوں...... میں''

''سوچ لو میاں سر ایک اور ٹانگیں دو ہی اچھی لگتی ہیں۔''

''ابا آپ مجھے انڈر اسٹیمیٹ کر رہے ہیں۔ اگر خوش رہنے کا گن بتایا ہے تو ایک بار آزما کر بھی دیکھ لیں......''

راحیل میاں کچھ زیادہ ہی ایکسائٹیڈ ہو رہے تھے۔''

''چلو میاں ٹھیک ہے تم ہنر آزماؤ۔ ہم جگر آزماتے ہیں۔ ویسے بیٹا اس ٹیسٹ سے تمہیں یہ بھی فائدہ ہوگا کہ پتا چل جائے کہ دونوں پارٹیاں تمہیں کتنا چاہتی ہیں۔''

''ابا یہ ٹیسٹ تو صرف آپ کی بہو بیگم کو ہی دینا ہوگا۔ ماں بہنوں کی محبت تو غیر مشروط ہوتی ہے۔

''ہوتی تو ہے بیٹا! بھائی اور بیٹے کی محبت میں

ماں بہنیں بہت کچھ سہہ جاتی ہیں۔ مگر کبھی کبھی آزمائش میں بھی ڈال دیتی ہے ان کی محبت۔ بس اس آزمائش سے بچنا بیٹا۔ ویسے پہلے کس کی ہاف میں جاؤ گے۔

''ابا! دعا کیجیے گا...... پہلے اماں کی ہاف میں جارہا ہوں۔''

''ہوں ...... پہلا حملہ ماں بہن پر آخر کیوں؟''

''وہ اس لیے ابا کیوں کہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ دونوں پارٹیوں کو ایک دوسرے کی ہر بات پر اعتراض ہوتا ہے۔ جو بات ہماری بیگم کے لیے انتہائی ضروری ہوتی ہے وہ اماں اور بہن کے لیے فضول اور چونچلے ہیں۔ اور ہاں بہن کی کوئی بات ہو تو...... تو ثانیہ کے یہ خیالات ہوتے ہیں۔''

''مطلب......'' اچھے خاصے چنٹ ابا کچھ دیر بات سمجھ نہ پائے۔

''مطلب یہ کہ ابا حسب معمول ثانیہ کے وسیع وعریض خاندان میں ایک اور تقریب قرار ہونا پائی ہے...... بسلسلہ ثانیہ کی منجھلی خالہ کی نند کی منجھلی بیٹی کے سسرالی پڑوسی کی منجھلی بیٹی کے منجھلے بیٹے کی سالگرہ ہے تو اب آپ بتائیں ابا کے اتنے قریبی رشتے دار کے بیٹے کی سالگرہ ہو اور ثانیہ نہ جائے...... تو۔

''دنہیں نہیں بیٹا اتنے قریبی رشتے داری میں شرکت نہ کرنا تو بہت زیادتی کی بات ہے...... اتنی قریبی رشتے داری کو نبھانے کے لیے اگر گھر بار بھی بک جائے تو کم ہے۔ توبہ توبہ اتنی قریبی رشتے داری میں بندہ شرکت نہ کرے۔ نہیں بیٹا ایسا ظلم بھو پرمت ہو۔''

''مگر ابا! اماں...... اور ...... بہنوں کو ایسی قریبی رشتے داری...... پر اعتراض ہے۔ اسی لیے میں پہلے اماں بہن کے محاذ پر جاؤں گا۔ بیگم کو اجازت دلاؤں گا۔ اس قریبی تقریب میں شرکت کی۔''

''جاؤ! میاں اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے...... آمین۔'' ابا نے دعا دیتے ہوئے باقاعدہ منہ پر ہاتھ پھیرے اور مسکرا کر بیٹے کو دیکھتے رہے۔ جو بڑے عزم کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

دیکھ رہی ہیں ناں اماں بھابی کو معلوم ہے کہ میرے ایگزام ہونے والے ہیں۔ پھر بھی کچن کا سارا کام مجھ پر چھوڑا ہے۔ بس میں نہیں کروں گی۔ کوئی بھی کام میں پڑھ رہی ہوں۔ حسب معمول ثناء اپنی پڑھائی کا رونا رو رہی تھی اور اپنی ڈیوٹی کام جو اس کے ذمے تھا۔ جان چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور اماں کو بھی بیٹی پر ظلم تکلیف دے رہا تھا۔ تاہم کر تو وہ بھی کچھ نہیں سکتی تھیں کیوں کہ باہمی رضامندی سے نند بھاوج نے ''باریاں'' باندھی تھیں۔ جن پر عمل کرنے پر اب دونوں کو اعتراض ہوتا تھا۔

''کیا کروں بیٹا کچھ کہوں گی تو طعنہ پڑے گا۔ ماں ہوں ناں بیٹی ہی کا ساتھ دوں گی...... اور آج تو وہ خوب تیاریاں کر رہی ہے صبح میاں سے کہہ رہی تھی یاد ہے ناں میرے بھتیجے کی سالگرہ ہے...... وہاں خاندان جمع ہوگا میں تحفہ لے کر نہ گئی تو آپ کی کتنی سبکی ہوگی...... آہ ہمارا بیٹا اور ان کا شوہر تو ہے ہی زن مرید جھٹ بولا تم فکر کیوں کرتی ہو...... میں ہوں ناں...... یہ پروگرام ہے جو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔''

اب اماں بیٹی کو کیسے بتائیں کہ ان کانوں کو یہ اطلاع ان تک پہنچانے کے لیے کتنی اذیت سے گزرنا پڑا تھا۔ کئی بار تو کھڑکی کا نکلا ہوا کیل چبھا

تھا کانوں میں وہ تو خدا کا شکر ہے اس واردات میں آنکھ کام آتے آتے بچ گئی۔ ورنہ اس عمر میں پتھر کی آنکھ لگوانی پڑتی...... ہائے ری عورت......تو اور تیری حسد کاریاں۔

اماں یہ بھائی لوگ شادی کے بعد بدل کیوں جاتے ہیں۔'' اب بھولی ثناء کو کون بتائے کہ رشتہ وہی رہتا ہے سوچ بدل جاتی ہے۔

اور اس سے پہلے کہ خود ساختہ کی دکھیاری ماں بہو سے روایتی حسد کا رشتہ نبھاتیں راحیل میاں ابا کے بتائے ہوئے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے منہ لٹکائے آگئے۔ اماں نے منہ بنا کر دوسری طرف پھیر لیا اور ثناء نے کتابوں میں پناہ ڈھونڈی۔

''اماں......''

'' اونہہ...... آگیا زن مرید اماں سے چاپلوسی کرے گا اب ان بیویوں میں تو جان اٹکی رہتی ہے ان لڑکوں کی۔

''اماں!...... راحیل نے پھر پکارا تو وہ مڑیں۔

'' بیٹا! کان کھلے ہیں کہو۔ جلدی کہو وظیفہ شروع کرنا ہے مجھے۔'' انداز اور آواز میں بیزاری راحیل کو گھی سیدھی انگلیوں سے نکلتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔

'' جتنے چاہے وظیفے کر لیجیے۔ اس پر کچھ اثر نہیں ہونے والا۔

جب فطرت ہی ایسی ہو تو...... ابا کی بتائی ہوئی پلاننگ کے سمندر میں راحیل نے چھلانگ لگا دی تو ماں چونکیں۔

''کک...... کیا کہہ رہے ہو بیٹا! میں ثانیہ کے لیے وظیفہ نہیں کر رہی، میں تو تمہاری آپا کے لیے وظیفہ کر رہی ہوں، اتنی بڑی ساس نندیں اسے نہیں ملی ہیں کہ......''

'' اماں! ثانیہ کی اماں بھی یہ کہہ رہی تھیں...... وہ میرا مطلب ہے اماں کہ میں...... آپ سے کچھ کہنے آیا تھا۔

'' یہ ابھی بھائی جو آپ کے لیے کہہ رہے تھے ثناء نے بھائی کی بات سمجھ کر پکڑ لی۔ آخر تھیں ناں نند۔ اب بھیا کی چوری پکڑی جانے پر کھسکا گئے اور پیار سے بہن کو گھورا۔

''ثناء پٹو گی مجھ سے ماں میں تو یہ کہہ رہا تھا۔ مائیں تو اپنے بیٹے کے لیے لڑکیاں تلاش کرنے میں جوتیاں گھسا دیتی ہیں اور آپ تو بس اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ایک ہی گھر گئیں، نہ پوچھ نہ گچھ۔

نہ سوال بس چٹ منگنی پٹ بیاہ کر دیا یہ بھی نہ سوچا کہ میں کیا چاہتا ہوں مجھے تانیہ پسند بھی آئے گی یا نہیں مگر آپ نے کر لی اپنی من مانی اب بھگتنا تو مجھے پڑ رہا ہے۔

راحیل نے اب ابا کے بتائے ہوئے راستے پر بھاگنا شروع کر دیا تھا اور آج ہی ان پر انکشاف ہوا تھا کہ ابا نے درست کہا تھا اولاد کو شادی ہمیشہ والدین کی پسند سے کرنی چاہیے تاکہ فسادات اور اختلافات کی صورت میں سارا ملبہ والدین پر ڈال کر خود مظلوم بن کر الگ ہو جاؤ اور سچویشن کو انجوائے کرو اور آپ تانیہ کے خلاف ایک ہی بات پر اس نے اماں کے چہرے پر چراغاں ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کی موم بتی بھی بجھا دی تھی۔

''کیوں بیٹا کیا ہوا۔'' دل میں خوش ہو رہی تھیں کہ بیٹا بیوی کے خلاف بولا۔ شادی کے ان چار سالوں میں انہوں نے بیٹے کو اپنی بیوی کے عشق میں گرفتار اور قصیدے پڑھتے دیکھا تھا اور

اگر کوئی شکایت کرتیں تو بیٹا بیوی کی اچھائی کی ایسی ایسی دلیلیں لے کر آتا کہ وہ آہ بھر کر رہ جاتیں۔ مگر آج ایسا کیا ہوا تھا کہ راحیل میاں ایسی بات کر رہے تھے بیگم کے خلاف۔

''واہ! اماں جیسے آپ جانتی ہی نہیں۔ چار سال ہو گئے۔شادی کو مگر یہ عورت مجھے سمجھی ہی نہیں ہر روز کوئی نہ کوئی پھڈا کوئی نیا جھگڑا کوئی نئی فرمائش۔''

''مگر بیٹا آج سے پہلے تو...... تم اس کی بہت تعریف کرتے رہے ہو۔''

''برداشت! میری ماں برداشت کرتا رہا، اس لیے کہ برداشت مرد کا مقدر ہے...... برداشت کرتا رہا اس لیے کہ آپ کو میری ماں کو اس چیز کا ملال نہ ہو آپ نے ثانیہ کے ساتھ میری شادی کر کے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ باتیں میری برداشت اور ہمت بنتی رہیں...... تاکہ آپ کبھی دکھی نہ ہوں میرے لیے۔مگر ثانیہ نے میری اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے اور اب جب کہ ہمارے دو بچے ہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔سوچتا ہوں کاش میں ہی۔''

''ہائے بیٹا خبردار کوئی بدفعال منہ سے نکالی تو۔ٹھیک ہے میں مانتی ہوں لڑکی کے انتخاب میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے مگر اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ چاند سے دو بیٹے ہیں تمہارے کاش میں ایک دو گھر میں اور جھانک لیتی تو شاید کوئی اچھی لڑکی مل جاتی...... مگر آہ۔''

اماں نے بہت گہرائی سے آہ نکالی۔

''لیکن بھائی آج ابھی کیا بات ہوئی ہے۔صبح تک تو ان کا موڈ ٹھیک تھا۔مگر......'' ثناء کے دل میں بھی بھائی کے دکھ کا اثر گیا تھا۔

''ہونا کیا ہے گڑیا۔ وہی روز روز کے ڈرامے آج یہاں جانا ہے آج وہاں جانا ہے فلاں کی شادی ہے اور پھر آج ان کے خاندان میں کوئی تقریب ہے۔ بقول ان کے کہ کسی بھتیجے کی برتھ ڈے ہے...... جہاں اگر یہ نہ گئیں تو ان کی اور ان کے سسرال والوں کی سبکی ہوگی اور وہ اپنی انسلٹ تو برداشت نہیں کر سکتی ہیں۔ سسرال والوں کی نہیں۔'' میرا تو بالکل بھی موڈ نہیں ہے۔ اماں وہ آپ سے پوچھنے آئے گی تو آپ منع کر دیجیے گا تنگ آ گیا ہوں اس کے رشتے داروں کو گفٹ دیتے دیتے۔ اور یوں بھی آج میں اپنی ماں اور بہن کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔

ایکٹینگ میں ابا سے ایوارڈ لینے کے چکر میں راحیل میاں اور ور ہونے لگے مگر بیٹے اور بھائی کی محبت میں کھوئی ماں بیٹی کہاں یہ بات محسوس کر پائی تھیں اور یوں بھی آج تو راحیل کو بیوی کی کوئی بات بری لگی تھی۔ ورنہ وہ تو بیوی کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ ثبوت پیش کرنے پر بھی وہ بیگم کو درست قرار دیتا تھا۔ اور چونکہ آج راحیل نے ماں اور بہن کا دل خوش کر دیا تھا۔ لہذا بھابی اور بہو سے عداوت کم ہو گئی تھی۔

''میں صدقے میں قربان میں میرے بچے میں مانتی ہوں کہ تمہارے ساتھ مجھ سے ناانصافی ہوئی ہے۔ مگر خیر اب تو ہم سب کو مل جل کر ہی رہنا ہے ناں...... اور پھر بہو کو منع کیوں کروں جانے سے نہ جائے گی تو بات سسرال پر آئے گی کہ بیٹی کو کیسا سسرال ملا۔ تم لوگ ضرور جاؤ برتھ ڈے پر اور اچھا سا گفٹ لے کر جانا ثانیہ نے وہاں اپنے سسرال کی عزت رکھنی ہے۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے ناں...... ہر اچھی لڑکی اپنے میکے میں اپنے سسرال والوں کی تعریف کرتی ہے۔ عزت رکھتی ہے۔ مگر اگر وہ نہیں جائے گی یا تحفہ نہیں دے گی تو

کتنی بری بات ہوگی۔ جا میرا بچہ ثانیہ کو کہو خوب تیار ہو کر جائے۔''

''یا اللہ! یہ...... یہ تو معجزہ ہو گیا۔ اماں کی زبان پر بہو کے لیے اتنی مٹھاس اتنی شیرنی بنی کہ......''

راحیل میں اپنی پہلی کامیابی پر خوش ہو رہے تھے کہ ثناء نے ٹھوکا مارا۔

''بھیا اب جایئے بھی نہ بھابی جان انتظار کر رہی ہوں گی۔''

بھابی جان! ارے یار ابا کیا مشورہ دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں دوسری پارٹی اپنی ساس اور نند کے لیے کیا فرما رہی ہیں۔'' اپنی خوشیوں کو سنبھالتے راحیل میاں اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھے۔ اندر کا سین کچھ یوں تھا۔

''ہونہہ اتنی دیر ہو گئی ہے موصوف کو آئے ہوئے ماں کی عدالت میں کھڑے بیوی کے خلاف شکایتیں سن رہے ہوں گے اور آتے ہی ماں بہن کی پڑھائی پٹیاں پڑھنا شروع کر دیں گے۔ اف زندگی عذاب ہو گئی ہے۔ کاش میں اپنے اس کزن سے شادی کر لیتی نہ ماں نہ بہن نہ باپ آہ قسمت تو اچھی ہوتی۔

تشریف لے آئے آپ اجازت دے دی۔ آپ کی ماں بہن نے بیوی کے پاس آنے کی۔''

ثانیہ کی تو منہ کا رخ اندر آتے ہی راحیل کی طرف مڑا تو مسٹر راحیل نے خاصے اعتماد کے ساتھ بیوی کو دیکھا اور ہاتھ میں پکڑے شاپر بیڈ پر رکھے اور اپنے سوتے ہوئے بیٹوں کو دیکھا۔ پھر بیگم کی طرف متوجہ ہوئے

''بالکل ...... بالکل...... یہ ہی الفاظ ہوں گے آپ کی بہوؤں کے۔''

''کیا مطلب آپ کا اس بات سے کچھ سمجھ کر نہ سمجھنے کی ایکٹنگ نے راحیل کو وضاحت پر مجبور کر دیا۔

اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات ہے۔ بیگم یہ تو ہر گھر کے ہر مرد کی کہانی ہے۔ آج یہ آپ کہہ رہی ہیں اور جب کل آپ کے بیٹے آپ کے پاس تشریف رکھیں گے تو آپ کی بہو بھی یہی کہا کریں گی۔ آ گئے ماں بہن سے پٹیاں پڑھ کر۔''

''ارے میرے بیٹے ایسا کہہ کر تو دکھائیں ایسا مٹھی میں رکھوں گی ناں کہ مجال ہے میرے حکم سے باہر ہو جائیں اور بہوئیں تو میں ایسی لاؤں گی کہ۔''

''ارے! ارے تو پھر داد دیجیے میں ہماری ماں کو کہ اپنا پلا پلایا پڑھا لکھا خوبرو جوان بیٹا آپ کے پلو سے باندھ دیا۔

''کیا...... کیا...... پہلی بات تو یہ اپنے جملے سے لفظ خوبرو کو مائنس کر دیں دوسرا یہ کہ میرے پلو سے باندھ دیا۔ ارے آج کل کی گھاگ ساسیں بیٹوں کی شادیاں تو کر دیتی ہیں۔ مگر اپنے پلو سے باندھے رکھتی ہیں۔''

''ناگوار! خاطر نہ گزرے تو عرض کیے دیتا ہوں آپ بھی تو ایسے ہی عزائم رکھتی ہیں۔ اپنے بیٹوں کے بارے میں۔''

اب جناب راحیل میاں ابا کا سبق بھول چکے تھے اور کچھ ماں بہن کی محبت کا سحر باقی تھا کہ وہ ان کے خلاف کچھ کہہ نہ پائے بلکہ حقیقت کا آئینہ بن کر ثانیہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ تو اپنا بھیانک روپ دیکھ ثانیہ کو تلملانا ہی تھا تو پھر کیا ہونا تھا وہی ہوا جس کا ڈر تھا جس کا اندیشہ تھا۔ زبان سے پھول تو جھڑ ہی رہے تھے۔ ہاتھوں میں جو آیا میاں کی طرف اچھال دیا گیا۔

''میں نہیں رہوں گی تمہارے ساتھ آتے ہی

ماں کے چرنوں میں بیٹھ کر الٹی سیدھی پٹیاں پڑھتے ہو وہ جو کچھ پڑھا ہوتا ہے پھونکیں مار کر اپنا اور بیٹی کا اسیر کرتی ہیں۔''

''نن...... نہیں...... تا...... ثانیہ ...... ہائے......اف میری بات سنو وہ تمہیں ہائے...... نن......نہیں یہ گلدان بہت قیمتی ہے۔ بہت جلدی ٹوٹ جائے گا۔

''ٹوٹ جانے دو آج تو تمہارا بھیجا نکال کر ہی دم لوں گی۔''

☆......☆......☆

''میاں تم اتنے احمق ثابت ہو گئے ہمیں تو یقین ہی نہیں آرہا یعنی ایک پارٹی میں ہٹ ہو گئے دوسری پارٹی سے پٹ گئے۔ تم کبھی ملک کے صدر یا وزیراعظم نہیں بن سکتے یعنی کہ حد ہوگئی ہے تم نے تو ہمارا بیٹا ہونے کا ذرا سا ثبوت نہیں دیا۔ ارے میاں اسی فارمولے پر عمل کر کے ہم نے اپنی گھریلو زندگی انتہائی کامیابی سے گذاری اور تم۔''

باتیں مت بنائیں ابا زخموں پر مرہم لگائیں نمک پاشی نہ کریں ہائے اُف آئندہ سے تو میں اپنے کمرے میں گلدان بھی روئی کے رکھوں گا۔ ظالم نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ویسے ابا یہ بہوئیں اپنی ساس نندوں سے نفرت کیوں کرتی ہیں۔

میاں تالی ہمیشہ دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔ ساس نندیں بھی اپنی ہی پسند کی ہوئی بہو یا بھابی سے چڑنے لگتی ہیں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی......اور۔''

''ابا اب مذید کوئی فارمولہ تیار نہ کریں۔ اب بتائیں دوسری روٹھی پارٹی کو کیسے مناؤں۔

میاں تمہاری کارکردگی سے ہر چند کہ میں مطمئن نہیں پھر بھی ابھی میں ثانیہ کو چائے کے بہانے بلاتا ہوں تم وہی کہنا جو میں نے سمجھایا ہے یہ نہیں کہ اس بار میں بھی زخم زخم ہو جاؤں۔''

''جی! ابا۔''

''ثانیہ......ثانیہ بیٹا! ذرا ایک چائے تو بنا دو سر میں درد ہو رہا ہے۔ یہ ثناء تو ماں کے ہجرے میں ایسے گھستی ہے کہ کسی بات کی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔''

ابا کی بات پر جواب نہ آیا البتہ کچھ دیر بعد ثانیہ دور سے چائے لاتی نظر آئی ابا نے آنکھ دبا کر راحیل سے بولنے کے لیے کہا تو وہ با آواز بلند شروع ہو گیا۔

''ابا میرے ابا...... آپ دنیا کے بیسٹ ابا ہیں آپ بہت اچھے ہیں آپ ثانیہ کے ابا سے ہزار درجے اچھے ابا ہیں۔''

ثانیہ کے غصے کو میاں کی باتیں ابا کے حق میں نعرے مذید بگھار لگا گئے دوسری طرف ابا پریشان ہو گئے طوفان کو بیٹے کی طرف بڑھتا دیکھ کر بولے۔

''کیا بکواس کر رہے ہو گدھے۔''

''ابا آپ نے خود ہی تو کہا تھا جس پارٹی میں جاؤ اُسی کے نعرے لگاؤ۔

''اُف تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ احمق آدمی میں نے تو ثانیہ کی تعریف کرنے کو کہا تھا۔ کہو کہ وہ بہت اچھی ہے بہت اچھی بیوی ہے اور بہترین بھابی ہے۔''

بیٹے کو بچانے کی ابا سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ اور ادعا کر رہے تھے کہ کوریڈور مزید لمبا ہو جائے مگر شوخی قسمت ابا کی بات ابھی بھی راحیل کے پلے نہیں پڑی تھی۔ ابا اُس نے ابا کا ہاتھ دبایا۔

نہیں ابا۔ آپ کے سامنے اتنا بڑا جھوٹ کیسے بول دوں کے ثانیہ اچھی......اچھی۔''

''ابا چائے.....گرم چائے ابا کے ہاتھ کی طرف بڑھی مگر سلگتی نظروں نے راحیل کو سمجھا دیا ابا کی بات کا مطلب تو لگے.....سبق دہرانے۔
''ابا! تانیہ دنیا کی بیسٹ بیوی، بیسٹ بہو اور بیسٹ بھابی ہے میں بے حد پیار کرتا ہوں تانیہ سے یہ..... یہ..... حقیقت اماں اور بہنوں کو بھی تسلیم کر لینی چاہیے۔''
وہ کانی آنکھ سے تانیہ کے چہرے پر سے غصے کے بادل چھٹتے دیکھ کر مطمئن ہو کر باپ کو دیکھنے لگے۔
''اللہ کا شکر ہے بیٹے تمہیں بھی عقل آئی..... وہ میرا مطلب ہماری بہو واقعی دی بیسٹ ہے۔ واہ..... واہ کیا مزے دار چائے بناتی ہے۔ میری بہو واہ مزا آ گیا۔
''شکریہ ابا..... اب چلیے آپ بھی روم میں۔''
''کک! کک! کیا۔'' راحیل میاں چوٹیں سہلانے لگے۔
''جاؤ چلے جاؤ..... میاں میں جتنا بھی سیاست دان سہی تمہیں پٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ بہو اس کو روم میں لے جاؤ۔
آپ کا کیا خیال ہے ابا ان کی یہ حالت میں نے بنائی ہے۔''
''نہیں بہو..... خیال تو نہیں وہ بس۔''
ابا بڑے سیاست دان تھے کان کھجا کر بیٹے کی گال کا نیل دیکھنے لگے۔
''جی یہ ہی میں بتانا چاہ رہی ہوں۔ میں جب روم کی صفائی کر رہی تھی گلدان اٹھا کر باہر پھینک رہی تھی تو یہ ان کو بچانے کے لیے سامنے آ رہے تھے۔ ارے بھئی یہ تمام گفٹ میرے گھر والوں نے دیے ہیں رکھوں یا توڑوں آپ ان کو کیوں بچا رہے ہیں۔''
اف! یہ بیویاں کتنا جھوٹ بولتی ہیں..... میرے دیے گفٹ کو بھی گھر والوں کے کھاتے میں ڈال دیا۔..... اف..... ہائے!!۔
ٹیسوں میں اضافہ ہو گیا تھا..... انہوں نے کن اکھیوں سے باپ کو دیکھا تو مسکراتے ہوئے چائے کا سپ لیتے ہوئے بہو کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔
''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ بہو سولہ آنے درست ہے۔
''تھنک یو ابا! چلو میں کہہ رہی ہوں کہ مرہم لگا دوں۔ ماں بہن دیکھ لیں گی تو اُف! آسمان سر پر اٹھا دیں گی۔
''تم یہ بھی بات درست کہہ رہی ہو یقیناً ایسا ہی ہو گا۔
''ہائے ابا! آپ مجھے کتنا سمجھتے ہیں یہ..... یہ آپ کے صاحبزادے آپ پر کیوں نہیں گئے۔ آپ ان کو بھی کچھ سکھا دیں۔
کوشش تو پوری کر رہا ہوں دیکھو اب کتنا سیکھ پاتے ہیں۔ ہمارے صاحبزادے جاؤ میاں بیگم کے ساتھ اور کوشش کرو ہماری تربیت اور بیگم کی سیاست سے کچھ سیکھنے کی..... ابا نے مسکرا کر بہو کو دیکھا جو اپنی تعریف پر خوش ہو رہی تھی۔ راحیل میاں کراہتے ہوئے اٹھے۔
''جی! ابا اب پوری کوشش کروں گا آپ دونوں کی صلاحیتوں سے فیض حاصل کرنے کی۔''
اور لیجیے راحیل میاں جب زخموں کے ساتھ ماں بہن کے سامنے گئے تو کیا ہوا۔
''ہائے! بھیا آپ تو نیلو نیل ہو رہے ہیں۔ کیا ہوا۔''
بہن تڑپ کر آگے بڑھی ماں نے سینہ پیٹ

لیا۔ اور تیر برساتی نظروں نے چور بنی ثانیہ کو پشیمان ہونے کے بجائے سینہ زوری پر اکسایا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے گھورنے کی ضرورت نہیں۔''

راحیل میاں دونوں پارٹیوں کو آمنے سامنے دیکھ کر گھبرا گئے اور سوچنے لگے۔

''میاں جس پارٹی میں جاؤ اُسی کا نعرہ لگاؤ..... مگر جب دونوں پارٹیاں ایک ساتھ حملہ کر دیں تو کس کا نعرہ لگانا ہے۔ یہ تو آپ نے بتایا نہیں ابا۔

''تم کیا بے ہوشی حالت میں کھڑے ہو تمہاری ماں بہن مجھے نظروں سے ہضم کر جائیں گی۔ بتاؤ کیا ہوا تمہیں۔ ثانیہ نے معنی خیز چٹکی بھری کہ وہ بلبلا اٹھے۔

''جی ہاں! وہ اماں برابر والا ننو ہے ناں اُس کی گاڑی کو دھکا لگایا تھا گاڑی اسٹارٹ ہوگئی تو وہ چلا گیا اور میں روڈ پر گر گیا تو یہ چوٹیں آ گئیں۔

''آئے ہائے یہ کمبخت مارا ننو گاڑی بدل کیوں نہیں لیتا۔''

''اور بھیا کیا دھکا لگانے کے لیے ننو جیسے کو آپ ہی نظر آتے ہیں اور آپ ہر بار گر جاتے ہو دھکا لگاتے ہوئے۔''

''آہ! گڑیا جب ہماری قسمت میں دھکے ہی ہیں تو کیا گھر کیا باہر کیا فرق پڑتا ہے۔

راحیل میاں نے بے بسی کی نظر بیوی پر ڈالی دوسری ماں بہن پر ڈالی۔'' چکی کے دو پاٹ اور درمیان پستا ہوا مظلوم مرد۔ پھر یہ عورت کہتی ہے کہ یہ مرد کا معاشرہ ہے۔ اری ظالمو کچھ تو سوچو۔ راحیل میاں بال نوچ کر رہ گئے۔

☆......☆......☆

خیر راحیل میاں اب ابا کا سکھایا ہوا گر بہت اچھی طرح سیکھ چکے تھے۔

''اماں اب آپ کو مجھ سے شکایت نہیں ہے ناں میرا مطلب ہے اب تو میں زن مرید نہیں رہا ناں۔

وہ اماں کی گود میں سر رکھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ بھولی ماں کیا جانے باپ بیٹے کی ملی بھگت سو جان نثار سے تیار ہو گئیں۔

''نہ! نہ میری جان میں قربان میں تو اللہ سے دعا کرتی ہوں تجھ جیسا بیٹا ہر کسی کو دے۔

''آمین! اماں اب تو بھائی بہت اچھے ہو گئے ہیں۔''

اپنے بارے میں ماں بہن کی رائے راحیل کو نہال کر رہی تھیں۔

''وہ بیٹا تیرا بہنوئی عمرہ کر کے آیا ہے۔ تو میں چاہ رہی تھی ان کی دعوت کر دیں۔ آخر گھر کا بڑا داماد ہے۔ اس کی کوئی عزت ہے۔''

راحیل میاں کو یقین تھا کہ یہ الفاظ آپا کے ہیں مگر چپ رہے۔'' جی اماں'' کہہ کر بیگم کی عدالت میں آئے۔

''نن..... نہیں میں نے منع کر دیا کہ ڈارلنگ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تم کہاں اتنی تکلیف کرو گی۔ مجھے تمہاری صحت زیادہ پیاری ہے۔

''او ہو راحیل آپ نے منع تو نہیں کر دیا اب ایسی بھی طبیعت خراب نہیں آپ اماں سے کہیں آپا کی ساری فیملی کو بلائیں رشتے نبھانے کے لیے ہی ہوتے ہیں۔''

''یا اللہ یہ وہی ثانیہ ہے جو نند اور نندوئی کے آنے کا سن کر اپنی ماں کے ہاں نکل جایا کرتی تھی۔ یا اللہ تیرا اتنا شکر جتنا میں ادا نہیں کر سکتا۔

راحیل صاحب باقاعدہ اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ اور لیجیے رمضان المبارک آ گیا۔ کہاں تو سحری اور افطاری بنانے پر دونوں محافظوں میں

کشیدگی پائی تھی اس بار خاصا امن پایا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ تھی کہ راحیل میاں ابا کا سکھایا ہوا گر بہت اچھی طرح پڑھ رہے تھے۔ جس پارٹی میں جاتے اُسی کا نعرہ لگاتے بیگم افطاری نہیں بنانا چاہتی تو جھٹ سے میاں سے کہتی۔

بھئی راحیل ثناء سے کہو افطاری بنا لے میرے سر میں سخت درد ہے۔

راحیل میاں کو اب اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ ہونے لگا تھا۔

کیا تمہارا ٹیسٹ ہے چلو پڑھائی کرو۔ اب سر میں درد اتنی بھی بڑی بیماری نہیں کہ چار لوگوں کی افطاری نہ بنا سکے۔ راحیل نے کن اکھیوں سے ماں بہن کو دیکھا۔

ثناء جاؤ! بیٹا بھائی کہہ رہا ہے تو افطاری بنا لو۔ اتنے دن سے ثانیہ سحر افطاری بنا رہی ہے۔ تمہارے ٹیسٹ ہیں کہ ختم ہونے کو نہیں آ رہے ہیں۔''

''نن ...... نہیں رہنے دیں اماں بچی ہے پڑھنے دیں۔''

گرم لوہے پر چوٹ مار کر اپنی پسند کی Shape دینا راحیل میاں سیکھ گئے تھے۔ ارے بھیا آپ بھابی کو آرام کرنے دیں میں نے تیاری کر لی ہے افطاری بنا لوں گی۔''

لیجیے اتنی سی بات تھی اگر راحیل میاں بیگم کی محبت جتاتے تو ماں بیٹی شاید وہ حشر کرتیں کہ ابا پہچان نہ پاتے راحیل میاں کی تو لاٹری نکل آئی تھی دونوں پارٹیوں کو اب ان سے شکایت نہیں رہی تھی کیوں کہ محبت تو وہ دونوں پارٹیوں سے پہلے بھی کرتے تھے اور اب بھی کرتے تھے مگر اظہارِ محبت کے انداز نے ان کی زندگی اجیرن بنا دی تھی اب تو گھر میں سکون اور اس کی فاختہ کی ''کو کو'' تھی ابا ہر وقت مونچھوں کو تاؤ دیتے احسان جتایا کرتے۔

''اچھا ابا! اب دونوں پارٹیوں کو عید کی شاپنگ کرانی ہے۔ ساتھ تو دونوں جائیں گی یا نہیں۔''

''میاں الگ الگ لے جاؤ اگر دونوں ٹانگوں پر گھومنا چاہتے ہو تو اور ہوا بھی یہی۔

دیکھو ثانیہ میں نہیں چاہتا تم شاپنگ اماں سے ڈر ڈر کہ کرو اس لیے ہم بعد میں عید کی شاپنگ پر جائیں گے۔''

''ہائے! راحیل آپ کتنے سمجھ دار ہو گئے۔ سچ میں یہ ہی چاہ رہی تھی مگر آپ سے ڈر لگ رہا تھا۔''

''ارے واہ! یہ کب ہوا...... خیر ہوا یہ کہ دونوں پارٹیوں کو انہوں نے ان کی مرضی اور پسند کی شاپنگ کرادی کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوا اور اتنے سالوں میں یہ پہلی عید آئی کہ بہو نے ساس کی پسند کا جوڑا پہنا اور ساس نند نے باتیں بنائے بغیر بھابی بہو کے دیے جوڑے پہنے اور صاف دل اور کھلے دل سے عید ملی ابا اور راحیل میاں خوش ہو رہے تھے یہ تو تھی راحیل میاں کی زندگی کی چند جھلکیاں جن کو آپ سے شیئر کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا تھا رشتے رحمت ہوتے ہیں زحمت نہیں ہوتے رشتے جیتنے اور نبھانے کے لیے ہوتے ہیں ایک مرد ایک طرف بھائی بیٹا ہے تو دوسری طرف شوہر اور باپ بھی ہے اس لیے نئے آنے والے رشتوں کے لیے اپنے گھر میں تو جگہ دی جاتی ہے دلوں میں بھی مقام دیجیے ہر رشتے کو اگر اس کی اہمیت کے حساب سے نبھایا جائے تو کبھی راحیل میاں جیسے مسائل پیدا نہیں ہوں گے۔ آخری بات رشتوں کو اگر رحمت سمجھا جائے تو زندگی جنت ورنہ جہنم جو ہم سے متفق ہو اس کا بھی شکریہ اور جو ہو نہ اس کا بھی۔ آپ سب کو عید مبارک ہو۔

☆☆......☆☆

افسانہ

غزالہ فرخ

اللہ میاں جی!

اماں حمیدہ کی یہ کیفیت پہلی مرتبہ نہیں ہوئی تھی۔ ماہ رمضان کے پہلے جمعے کو بھی وہ اسی ذہنی اضطراری کا شکار ہو گئیں تھیں۔ اصل میں محلے بھر میں مشہور بڑے حاجی صاحب کے گھر میں محفل میلاد کا انعقاد تھا۔ نماز تراویح کے بعد وہ میلاد شروع ہوا اور......

دعا کی قبولیت سے جڑا، ایک فسانہ خاص

اماں حمیدہ نے اپنی سرمئی رنگ کی ڈائری نکال لی۔ عید کے ہنگامے سرد پڑ گئے تھے۔ ماہ رمضان کا مہینہ خیر و عافیت سے گزرا اور اس کے بعد بڑے ہی طمطراق سے میٹھی عید...... عید کے بعد تینوں دن گزر گئے۔ اماں حمیدہ رمضان کے بابرکت مہینے میں میں عبادات میں مصروف رہیں۔ یوں تو اللہ کی پاک ذات سے لو لگائے ہوئے تھیں۔ پانچوں فرض نمازیں بڑی عقیدت اور جذبے سے ادا کرتیں بلکہ تہجد اور اشراک بھی کبھی نہ چھوڑتی۔ سوموار کو بڑے ہی اہتمام سے روزہ رکھا جاتا اور حسب توفیق ننھے بچوں میں شیرنی بھی تقسیم کی جاتی تھی۔ نمازوں کے بعد لمبے وظیفے الگ...... مگر جانے ماہ رمضان میں ماحول یکدم ایسے پاکیزہ اور مقدس ہو جاتا ہے کہ عبادات کی ادائیگی میں لذت و جذبہ بڑھ جاتا۔

اماں حمیدہ نے بسم اللہ پڑھ کر ڈائری کھولی۔ عینک آنکھوں پر جمائی مطلوبہ مہینہ نکالا اور دونوں بہوؤں کو پکارا۔ زلیخا دلہن رانیہ دلہن...... اماں حمیدہ کی آواز میں کھنک اب بھی باقی تھی۔ نواب گھرانے میں بیاہی گئیں تھیں۔ بات ذرا بلند آواز میں اور بااعتماد انداز سے کرتیں۔ ابتداء سے ہی وہ کسی زمانے کے نواب تھے۔ اماں کے اس گھرانے میں آنے تک ہی حالات بہت نامساعد ہو گئے تھے۔ گزارا مشکل ہوتا۔ اماں حمیدہ کے میاں دھاری دار تہمد باندھتے آدھے بازوؤں والی بنیان پہنے کھوکھے پر اپنی دکانداری کرتے اور خود کو نواب حمید الزماں کہلواتے اور اماں کو حمیدہ بیگم کہلواتے۔

اماں بیگم نے اس گھر میں عسرت ہی دیکھی۔ مگر میاں کی نشست و برخاست اور گفتگو کا انداز اپنانے میں کہاں بھلا پیسا خرچ ہوتا ہے۔ سارے نوابی انداز سیکھ لیے یوں ہر مہینے کا حساب بھی اس ڈائری میں لکھنا بھی حمید الزماں نے ہی انہیں سکھایا تھا۔ وہ ہر شے بڑے نظم نسق اور اصول کے مطابق کرانا چاہتے تھے۔ اماں حمیدہ بھی ایسے میاں کے کہے کو حدیث سمجھنے والی نکلیں کہ ان کی وفات کے بعد بھی وہ

سرمئی گتے والی ڈائری تھامے رکھی۔ اندر کے غاغذات بھر جانے پر تو بدل لیے جاتے مگر باہر کا گتا تبدیل نہ کیا جاتا۔ اور حمیدہ بی کو اماں حمیدہ کہلانا بھی ایک کہانی تھی۔ حمید الزماں نے پہلی بار عروسی رات سے بیگم حمیدہ کو بیگم پکارا۔

شادی کے گیارہویں ماہ میں ہی حمیدہ بیگم نے آفاق میاں کو جنم دیا۔ اس گھرانے کی پہلی اولاد۔ اس ننھے سے بانیچے میں محبت اور جذبوں سے سینچا گیا، پہلا پھول سب کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ بہت جلد چلنا شروع اور بولنا بھی پہلا لفظ منہ سے نکلا اماں...... تھوڑی سی زبان اور چلی تو اماں حمیدہ ہو گئیں۔

• باپ کو ہر دم حمیدہ بیگم کا لفظ پکارتے تو یہی الفاظ دل پر زخم ہو گئے اور زبان سے ادا...... آفاق میاں نے حمیدہ بیگم کو اماں اور پھر اماں حمیدہ بنا دیا۔ بس اس کے بعد اشفاق میاں آئے تو اماں حمیدہ ہی رہ گئیں اس کے بعد ایک بچی فلک ناز کی ولادت ہوئی تب تک اماں حمیدہ کا نام مشہور ہو گیا تھا۔ پھر وہ محلے بھر کی ماں حمیدہ بن گئیں۔ وہ ہنسا کرتیں کہ میرا نام اتنا پک گیا ہے کہ خیر سے آپ کے والد حیات ہوتے تو وہ بھی یہی کہتے۔

اماں حمیدہ نے دونوں بہوؤں کو بلایا۔ اچھی فرمانبردار بچیاں تھیں۔ پہلی پکار پر چلی آئیں۔ اماں کے ہاتھ میں ڈائری دیکھی تو سمجھ گئیں کہ مدعا کیا ہے۔ پھر بھی ادب سے بولیں۔ ”جی فرمایئے۔“

”بھجوا اپنے حساب کتاب لے آؤ۔“

وہ واپس مڑ گئیں۔ حمید الزماں کی وفات کے بعد اماں حمیدہ ہی گھر کا نظام چلاتی تھیں۔ آفاق میاں پہلی اولاد تھے۔ ان پر خوب توجہ دی گئی۔ پڑھائی میں اُن کا جی نہ لگتا تھا اماں اور ابا کے زور بازو سے انٹر تک پڑھ گئے اور ابا نے ہی کسی کی سفارش سے نوکری بھی دلوا دی۔ اشفاق میاں محض چند جماعتیں پڑھ پائے اور ابا کا کاروبار سنبھالا۔ اماں نے بڑی ہی احتیاط سے ایک ایک روپیہ منہ میں دبا کر خرچ کیا۔ بہویں غریب گھرانے سے آئیں زیادہ خرچہ نہ کرنا پڑا۔ دونوں بچوں کی قلیل آمدنی کے باوجود گھر سکون سے چل رہا تھا۔ زیادہ اولاد پیدا نہ کی بچی ایک ہی تھی۔ ابھی پالنے میں تھی کہ بھائی نے اپنے فرزند کے لیے مانگ لی۔

بھائی نے شروع سے ہی اسے ایک بہو کی نظر

سے دیکھا بہن کے گھر کے حالات سے واقف تھے۔ کوئی تقاضا نہیں کیا بلکہ بھانجی کو کسی شے کی کمی نہ ہونے دی۔ بڑی ہی سادگی سے بھانجی کو اپنے گھر میں لے گئے البتہ بیٹے کا ولیمہ خوب شان سے کیا۔

اماں حمیدہ تینوں بچوں کی شادی کے فرائض سے خوش اسلوبی سے فارغ ہو گئی تھیں۔ آنگن خوشیوں سے آباد تھا کہ حمید الزماں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ سانحہ بڑا ہی دردناک تھا۔ بہت سارے سال ان کی سنگت میں محبت اور پیار کی فضا میں بزگار گوان تھے۔ پیارے ساتھی کا ساتھ چھوٹ جائے تو دنیا اور اندھیر ہو جاتی ہے۔ مگر اُسے بھی رضائے الہیٰ جانا۔ اپنے بچوں کی خوشیوں میں دل لگانے کی کوشش کی۔ حمید الزماں کی حساب کتاب کی ڈائری اماں حمیدہ نے تھامی اُن ہی کی طرح ایک طرف آمد لکھتی اور دوسرے صفحے پر رفت حمید الزماں سے یہ ہی تو تھا۔

دونوں بہویں اپنے اعمال نامے لے کر آئیں اماں اُسے حساب کتاب بولتیں مگر بہویں اُسے اعمال نامے...... دونوں بہوؤں کے ذمے رفت کی مد کر دی گئی تھی۔ بڑی بہو زلیخا دلہن کو کچن کا نظم نسب ونسق سونپ دیا گیا تھا۔ اور رانیہ دلہن باقی تمام اخراجات کی حساب دان! اصل میں اماں خود ہی سارے کام کر لیتیں مگر جانے اب دماغ کمزور ہو گیا تھا یا عمر کا اثر انہیں بھولنے کی بیماری سی ہو گئی تھی۔ کئی دفعہ ایک خرچہ دو دفعہ کرنے کو تیار ہو جاتیں اور کئی دفعہ اڑ جاتی کہ میں بہوؤں کو ناشتے کے لیے پیسے دے چکی ہوں۔ بہویں طبعاً شریف تھیں۔ اماں کے سامنے خاموش ہو جاتیں۔ مگر خاوندوں کے سامنے شیر ہو جاتیں۔ انہیں ہی شکایت کرتیں کہ اماں نے ہم پر الزام لگایا ہے۔ بچوں نے مل کر یہی فیصلہ کیا کہ بڑے ادب کے ساتھ اماں حمیدہ سے خرچہ لے لیا جائے۔ دونوں اپنی بیگمات کو اپنی آمدنی دیں اور وہی

اس کی دیکھ ریکھ کریں۔ مگر ماں ہر مہینے نظر کی عینک آنکھوں پر جماتیں۔ بسم اللہ پڑھ کر میاں کے ہاتھ کی ڈائری کھولتی تو ان کو اس منصب سے محروم کرنے کو جی نہ چاہتا۔ پھر اماں کی ہی رضامندی سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ دونوں بیویاں گھر کے خرچ کو خود دیکھیں گی۔

اور اپنے حساب کو مکمل طور پر کاغذ پر لکھیں گی اور مہینے کے اختتام پر وہ حساب کتاب اماں حمیدہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ زلیخا دلہن کچن کے تمام تر انتظامات دیکھیں گی۔ زلیخا کی دو بیٹیاں تھیں اور رانیہ دلہن کے دونوں بیٹے...... چاروں بچے اسکول جاتے یسمی گورنمنٹ اسکول تھا۔ نہ...... نہ کرتے بھی کافی خرچہ ہو جاتا۔ آفاق میاں اور اشفاق میاں دوپہر کا کھانا ساتھ لے کر جاتے تھے۔ سب کے مطابق کچن کا انتظام سنبھالتیں۔ مگر اوپر کے باقی تمام خرچے رانیہ دلہن کے سپرد تھے۔ چاروں بچوں کے اسکول کے اخراجات۔ آفاق کی بائیک اور اشفاق کی سائیکل کا خرچہ اور گھر کے بل...... اماں حمیدہ کی دوائیں! ان سب کا حساب کتاب وہ کرتیں رفت کا گوشوارہ تو بہت لمبا ہوتا ہے۔ مگر گزرتے وقت کے ساتھ آمد کی لسٹ بھی لمبی ہو گئی۔

زلیخا دلہن پڑھی لکھی تھی۔ وہ گھر کے ننھے سے صحن میں محلے کے بچوں کو قرآن پاک اور اسکول کی تعلیم دیتیں رانیہ دلہن کے ہاتھ میں عمدہ سلائی کرنے کا ہنر تھا۔ غریب محلہ تھا۔ اتنی سلائی نہ کراتا۔ مگر میاں کے کھوکھے پر ان ہی کے کپڑے کے تھان لے کر ننھے فراک سی دیتیں کم قیمت بالانشین یہ کام چل نکلا تھا۔

اب دونوں بہوؤں کا اعمال نامہ اماں حمیدہ کے سامنے تھا۔ رمضان المبارک کا مہینہ گزر گیا تھا۔ اور عید بھی منالی گئی۔ خیر سے سب روزے دار تھے۔ سحر اور افطار پر خوب اہتمام کیا جاتا۔ گو بہت زیادہ تکلف نہ کرتے مگر روزانہ کی روٹین سے بڑھ کر ہی ہی

تھا۔ پہلے زلیخا دلہن کا پرچہ چیک کیا گیا۔ دودھ دہی کی رقم اور گھی چینی کے پیسے ان کی توقع سے بڑھ کر تھے۔ پھر بیسن، میدہ، پھلکیوں کا خرچہ عید کے دوسرے روز بیٹی داماد کی دعوت بھی کی گئی۔ بھائی کے گھر بیاہی تھی۔ بھتیجا بڑا خیال کرنے والا تھا۔ مگر عید ملن کا یہ کھانا! تو پھر بھی بچی کا حق بنتا تھا۔ عید کا جوڑا پھر کانچ کی کھنکھناتی چوڑیاں پہنے بیٹی گھر آئی تھی۔ عید کے روز دونوں بھائی بچوں کو عیدی بھی دے کر آئے تھے اور اگلے روز کے لیے مدعو بھی کر آئے تھے۔ چکن ڈال کر چاول بنائے گئے تھے۔ میٹھے میں مٹی کی پیالیوں میں جمی مزے کی فرنی...... سب کچھ خیریت سے ہوگیا اور اب یہ بل......

اماں حمیدہ کی آنکھوں کے سامنے ایک پل کے لیے اندھیرا بھی آ گیا۔ اب رانیہ دلہن نے اپنا اعمال نامہ آگے بڑھایا۔ آمد کے خانے میں اب اشفاق میاں کی دکان کی کمائی اور بچوں کو پڑھانے کی فیس لکھی گئی تھی اور آگے ...... خاصی لمبی فہرست تھی۔ بچوں کے اسکول میں گرمی کی چھٹیاں تھیں۔ دو ماہ کی فیس ادا کی جاتی تھی۔ آفاق میاں کی بائیک کے پیٹرول اور مرمت کا خرچہ تھا۔ رمضان میں چولہے چوکے کا اہتمام بڑھ جاتا ہے۔ سوئی گیس کا بل بھی زیادہ تھا اور وہ جو سحر کے وقت گھر میں چراغاں کا منظر دیکھ کر خوش ہوتی تھیں۔ صحن کچن اور کمروں کی بتیاں روشن ہو جاتیں اور بڑے پیارے ماحول میں گھر کے تمام مکین اکٹھے ہوتے مگر اب بجلی کا بل۔

ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش آئی، بچوں کی آمدنی سے زیادہ خرچہ تھا۔ جو سامان نقد آیا اس کی ادائیگی تو ہوگئی مگر عید پر بننے والے کپڑے...... فیسیں، دودھ والے کا بل ابھی کافی کچھ باقی تھا۔ بہویں جانتی تھیں کہ اماں آج دل برداشتہ ہو جائیں گی۔ تب ہی تو رانیہ دلہن پانی کا گلاس لے آئی اور زلیخا دلہن دودھ پتی کا مگ۔

''اماں حمیدہ پہلے ٹھنڈے پانی کا گھونٹ پئیں پھر چائے۔ اس طرح چائے دل پر اثر نہیں کرے گی۔''

مگر اماں کے دل پر تو اثر ہو چکا تھا۔ اب یہ بات ظاہر تھی کہ مہینے کی بقایا ادائیگیوں کے لیے انہیں اپنا ہرا ڈبہ کھولنا پڑے گا۔ اس ہرے ڈبے کی بھی اپنی کہانی تھی۔ حمید الزماں کو ہرے رنگ سے بہت عقیدت تھی۔ بیگم کو بہوؤں کو اس رنگ کا لباس نہ پہننے دیتے ہاں ایک ہرے رنگ کا ڈبہ رکھا تھا۔ جس میں اپنی بچت رکھتے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا اس میں ڈالنے سے رقم میں برکت ہوگی۔ وہ خود چل دیے۔ مگر یہی خیال اماں حمیدہ کے ذہن میں جاگزیں کر گئے۔ اماں حمیدہ بھی بچنے والی ایک ایک پائی اس ڈبے میں ڈال دیتیں۔ حمید الزماں نے یہ ڈبہ کسی ترکھان دوست سے بنوایا تھا۔ شروع میں ایک کنڈی اور ننھا تالا بھی ہوتا تھا اسے اماں حمیدہ کے جہیز کی پیٹی میں رکھ دیا تھا اور محفوظ تصور کیا جاتا تھا۔ اور واقعی اس میں رقم بڑھتی یا نہیں محفوظ ضرور ہو جاتی ہیں۔ اماں حمیدہ کے بھائی نے اپنے اماں باوا کا چھوٹا سا مکان بیچا تھا۔ جو رقم تو معمولی ہی تھی مگر اس وقت کی ایمرجنسی ضرورت کو پورا کر گئی۔ اماں حمیدہ نے بہت منع کیا مگر بھائی نہیں مانے ان کے خیال میں ان سے آدھے کی ہی سہی، مگر اماں مالک تو تھیں۔ نا رقم یک مشت ادا نہ کر سکے مگر ہر ماہ جتنا بھی ہوتا بہن کو دے دیتے۔ بچے گھر کا خرچہ اٹھاتے تھے۔ اماں یہ رقم اس ہرے ڈبے میں ڈال دیتیں گھر تو بڑے اچھے طریقے سے چل رہا تھا، مگر دل میں ایک لگن تھی کہ اللہ سوہنا اپنے دَر کا دیدار کرا دے۔ اور اپنے دَر کی حاضری کرا دے بس یہ خواہش حسرت بن رہی تھی۔ کئی مہینے کے خرچ کے بعد پیسے بچ جاتے تو یا آفاق میاں کو ایڈوانس ملتا یا کوئی بھی اضافی رقم آتی تو وہ اسی ڈبے میں ڈالی جاتی تھی۔

اماں حمیدہ نے چائے پی لی تھی۔ اب وہ اپنے

تخت پوش پر آن بیٹھیں۔ نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ وضو کی حالت میں تھیں نماز کی نیت باندھ لی۔ نماز کی ادائیگی خشوع خضوع سے کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنکھیں خود بخود نم ہو گئیں۔ بوڑھی میلی آنکھیں ڈبڈبا اٹھیں، جھریوں والا چہرہ یکدم زلزلے کی زد میں آ گیا یونہی دل میں ملال سا آ گیا تھا کہ ہم غریب مسلمانوں کے لیے یہ رمضان کا خوبصورت اور کرموں والا مہینہ ایسے ہی آیا تھا کہ سارا حساب کتاب اتھل پتھل ہو گیا تھا۔ جو دل میں پیا ملن کی آس لگائے بیٹھی ہوں...... یہ میرا سفر...... یہ میرا ارادہ میرا یقین...... مجھ سے اور دور ہوتا جائے گا۔

''اے میرے پیارے رب میرے قدم بیتاب ہیں۔ اُس ٹھنڈے ٹھار فرش پر طواف کرنے کو...... یہ آنکھیں تڑپ رہی ہیں ان جالیوں کا دیدار کرنے کو...... اور میری ایک ایک سانس بے چین ہے اس دھرتی کے لیے۔ سوچا تھا کہ مدینہ منورہ کی گلیاں! جوتا اتار کر اس مٹی پر چلوں گی۔ کہ اس مٹی پر وہ مقدس قدم...... اے میرے رب ان گلیوں کی ہوا کو اپنے اندر اتار لوں گی۔ جہاں اُس نبیوں کے سردار نے...... جانے کیا کیا سوچتی رہیں اپنے پیارے رب سے کیا کیا مانگا کیا وعدے کیے کتنے ہی پیار بھرے شکوے کر ڈالے۔

رانیہ دلہن صحن میں آئیں تو اماں حمیدہ تخت پوش پر ہوش وحواس سے بے نیاز پڑی تھیں۔

اشفاق میاں کو بچہ بلانے گیا تھا۔ اماں حمیدہ بے ہوش ہو گئیں تھیں۔ وہی بچہ دکان پر ٹھہرا اور وہ اندھا دھند بھاگے راستے بھر اپنی پیاری ماں کی صحت اور زندگی کے لیے دعا گو رہنے اور اندر گھستے ہی اپنی پیاری ماں کو سنگ لگا لیا۔ بہوؤں نے چہرے پر پانی چھڑکا تھا۔ ہاتھ پاؤں دابے تھے۔ ہتھیلیوں کی زور سے مالش کی تھی۔ اماں ہوش میں آئیں۔ بیٹے کو سامنے پایا تو مسکرا کر اپنے آپ کو بہتر ظاہر کرنے لگیں۔ اشفاق میاں نے ہاتھ پاؤں چیک کیے جسم گرم تھا اور سانس کی رفتار بھی نارمل تھی۔ دل کو سکون آ گیا۔ آج اماں کی بابت سن کر پریشان تو بہت ہوئے تھے۔ اماں کا یہ ذہنی ہیجان تھا کوئی دل کا عارضہ نہ تھا۔

اماں حمیدہ کی یہ کیفیت پہلی مرتبہ نہیں ہوئی تھی۔ ماہ رمضان کے پہلے جمعے کو بھی وہ اسی ذہنی اضطراری کا شکار ہو گئیں تھیں۔ اصل میں محلے بھر میں مشہور بڑے حاجی صاحب کے گھر میں محفل میلاد کا انعقاد تھا۔ نماز تراویح کے بعد وہ میلاد شروع ہوا اور سحر تک اُسے جاری رہنا تھا۔ بڑے حاجی صاحب تو خود پورے مہینے کے لیے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے چلے گئے تھے مگر اولاد بھی اپنی ہی طرح متقی اور پرہیزگار تھی، والد کی روایات کو قائم رکھا۔

اماں حمیدہ اس محفل میں شریک تھیں۔ رات بھر جشن کا سماں تھا۔ سارا گھر رنگین قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ مہمان خانے اور بیٹھک کو ملا کر نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ خواتین پردے میں تھیں۔ بڑا ہی مقدس اور دل پذیر ماحول تھا۔ نماز فجر کا وقت قریب تھا۔ حاضرین کے سحر کا انتظام بھی بڑے حاجی صاحب کے گھر تھا وقت کم تھا۔ دعا شروع کی گئی، جب اللہ کے حضور حاضری کی دعا کی گئی تو اس وقت بھی اماں حمیدہ اسی ذہنی ہیجان کا شکار ہوئیں اور بے ہوش ہو گئیں۔

محلے میں پکار ہوئی اماں حمیدہ بے ہوش ہو گئی ہیں۔ دونوں بیٹے جنون کی سی کیفیت میں آگے بڑھے اور اماں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں بھر لیا۔

وہ طوفانی کیفیت جو بوڑھے اعضاء کو مضمحل کر گئی تھی۔ آنکھیں کھول دیں۔ مگر دونوں جوان بیٹوں نے اماں کو اپنے بازوؤں میں بھرا اور گھر واپس لے آئے۔ گھر آتے ہی ماں نے پسینہ پسینہ ہوتے جسم کو برقرار کیا اور سحر کر کے روزے کی نیت کرنے لگیں۔

رات آفاق میاں آئے تو اماں سنبھل گئیں

تھیں۔ مگر بیٹے تھے جسم کا ایک عضو...... ماں کے ہرے ڈبے میں سے بقایا اخراجات کے لیے رقم نکالی تو نظر چرا گئے، اماں سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ رہی وہ جان چکے تھے کہ ان دنوں ہونے والے اضافی اخراجات نے بے حال کیا تھا اور اماں کو اللہ کے گھر کی حاضری ذرا دور نظر آنے لگی تھی۔ دونوں بھائی حمید الزماں کے اصولوں پر کاربند تھے۔ جتنا ہوتا تھا گزارہ کر لیتے تھے قرض...... ادھار کی علت سے بچے ہوئے تھے۔ اماں کو حج بیت اللہ پر نہ بھیج پا رہے تھے۔ دل میں گرہ سی بندھی۔ رات جب دونوں بھائی سونے کے لیے گئے تو یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ آفاق کا کھوکھا بیچ دیا جائے گا۔ اماں کی بچت ملا کر اماں بڑی آسانی سے حج بیت اللہ پر جا سکتی ہیں۔

اور یہ اس گھر کا اگلا روز تھا۔ مغرب کی نماز ابھی ادا کی گئی تھی۔ اماں حمیدہ نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ سب کی ادائیگیاں ہو گئی تھیں۔ اماں کے ہرے ڈبے کے نکلے پیسے لیتے ہوئے بہویں چور سی بن گئی تھیں، مگر اماں نے بڑے پیار سے دونوں کے سر پر اپنے تھرتھراتے ہاتھ پھیرے اور روزانہ ہی کی روٹین میں مصروف ہو گئیں۔

نماز مغرب کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے کہ آنکھیں بھی نم ہو گئیں، مگر آمین کرتے اٹھ بیٹھ گئیں۔ اشفاق میاں کل ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی تیزی سے گھر میں گھس رہے تھے۔ اشفاق میاں کو اپنے کھوکھے سے بہت پیار تھا کہ پل بھر کے لیے نہ ہٹتے اماں بیمار تھیں۔ تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اماں کے پاس بھاگے چلے آئے تھے۔ جانے کیا ماجرا تھا چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں نم۔ ''اماں...... اماں حمیدہ......''

گھر کی ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر پکارا۔ الٰہی خیر بہویں دہل گئیں۔

''کیا ہوا اشفاق میاں۔''

اماں...... پیاری اماں تیاری کرو سفر کی تیاری کرو۔

''اللہ کے گھر کا سفر...... اماں...... حج بیت اللہ کی تیاری۔

وہ کہے جا رہے تھے مگر اماں حق و دق انہیں صرف تکے جا رہی تھیں۔ پاؤں گویا زمین میں دھنس گئے تھے۔ قدم تو پیوست ہو گئے تھے مگر ذہن وہ تو جیسے کئی متضاد سے خیالات کی آماجگاہ بن گیا تھا۔'' یہ کانوں میں کیا آواز پڑ گئی تھی۔ یہ کیا لفظ تھے۔ جنہیں وہ سننے کو تڑپ رہی تھیں۔ یہ لفظ ان کی باقی ماندہ زندگی کا حاصل تھے۔ اللہ کے گھر میں حاضری دے دیتیں تو ابدی سفر کتنا میٹھا اور آسان ہو جاتا۔

رانیہ دلہن آگے بڑھیں۔ بتائیں تو کیا ہوا ہے۔''

بڑے حاجی صاحب عمرہ کی سعادت حاصل کر کے لوٹ آئے ہیں۔ اماں اس روز ان کے گھر میلاد پر آپ اچانک بیمار ہوئیں اور...... اور...... وہ خود میرے پاس میری دکان پر آئے تھے۔

بولے اماں حمیدہ کو بولیں کہ تیاری کریں۔ بلاوا آ گیا ہے۔ اماں یکدم پاس پڑے تخت پوش پر دھم سے گر پڑیں۔

• صبح اشفاق میاں اور آفاق میاں فجر کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھے اماں اپنے تخت پوش پر تھیں۔ آنکھوں سے آنسو رواں مگر چہرہ شاداب۔

میرے اللہ مجھے معاف کر دے۔ میرے رب! میں آمد اور رفت کے چکر میں پڑی رہی...... یہی جانا کہ اس مبارک مہینے میں آمد کم ہوئی اور رفت زیادہ میرے رب تو سارے راز جانتا ہے اور میں گناہ گار جان نہ پائی کہ اس مہینے میں ہی آمد ہے...... وہ دونوں سر جھکائے اماں کی یہ حالت دیکھ رہے تھے۔ تب ہی وہ جذب کی سی کیفیت میں اٹھیں سفید چادر کو سر پر احرام کی شکل میں باندھا اور تخت پوش سے زمین پر آ رہی دونوں ہاتھ اوپر پھیلائے آنکھیں بند کیے مست سی پکارنے لگیں۔

لبیک...... اللھمہ لبیک...... لبیک...... لبیک

☆☆......☆☆

مکمل ناول

اُمِ مریم

رحمٰن، رحیم، سدا سائیں

''آ آپ یہاں سے چلے جائیں...... پلیز!'' وہ بے حد روہانسی نظر آ رہی تھی۔

عبداللہ جو اسے بغور تک رہا تھا دونوں ہاتھ وضاحتی انداز میں اٹھاتا دو قدم پیچھے ہوا۔

''ایزاع پلیز! اس طرح کا ایٹی ٹیوڈ مت رکھیں میرے ساتھ...... جیسے مجھ پر......

زندگی کے ساتھ سفر کرتے کرداروں کی فسوں گری، ایمان افروز ناول کا سولہواں حصہ

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

بیک وقت حال و ماضی کے دریچوں سے جھانکنے والی یہ کہانی دیا سے شروع ہوتی ہے۔ جسے مرتد ہونے کا پچھتاوا، ملال، رنج، دکھ اور کرب کا احساس دل و دماغ کو شل کرتا محسوس ہوتا ہے۔ جو رب کو ناراض کر کے وحشتوں میں مبتلا ہے۔ گندگی اور پلیدگی کا احساس اتنا شدید ہے کہ وہ رب کے حضور سجدہ ریز ہونے میں مانع رکھتا ہے۔ مایوسی اس کی اتنی گہری ہے کہ رب جو رحمٰن ورحیم ہے۔ جس کا پہلا تعارف ہی یہی ہے۔ اسے یہی بنیادی بات بھلائے ہوئے ہے۔ دیا جو درحقیقت علیزے ہے اور اسلام آباد چاچا کے ہاں میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مکین ہے۔ یوسف کرسچن نوجوان جو اپنی خوبروئی کی بدولت بہت سی لڑکیوں کو استعمال کر چکا ہے۔ علیزے پر بھی جال پھینکتا ہے۔ علیزے جو دیا بن کر اس سے ملتی ہے اور پہلی ملاقات سے ہی یوسف سے متاثر ہو چکی ہے۔

یہ ملاقاتیں چونکہ غلط انداز میں ہو رہی ہیں۔ جبھی غلط نتائج مرتب کرتی ہیں۔ یوسف ہر ملاقات میں ہر حد پار کرتا ہے علیزے اسے روک نہیں پاتی مگر یہ انکشاف اس پر بجلی بن کر گرتا ہے کہ یوسف مسلمان نہیں ہے۔ دنیا میں آنے والے اپنے ناجائز بچے کو باپ کا نام اور شناخت دینے کو علیزے یوسف کے مجبور کرنے پر اپنا مذہب نا چاہتے ہوئے بھی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرتی ہے مگر ضمیر کی بے چینی اسے زیادہ دیر اس پر قائم نہیں رہنے دیتی۔ وہ عیسائیت اور یوسف دونوں کو چھوڑ کر رب کی ناراضگی کے احساس سمیت نیم دیوانی ہوئی سرگرداں ہے۔ سالہا سال گزرنے پر اس کا پھر سے بریرہ سے ٹکراؤ ہوتا ہے جو خیالات کی چکی میں پس کر خود بھی سراپا تغیر کی زد میں ہے۔ علیزے کی واپسی کی خواہاں ہے اور علیزے کی مایوسی اور اس کی بے اعتباری کو اُمید میں بدلنا چاہتی ہے۔ مگر یہ اتنا آسان نہیں۔

علیزے اور بریرہ جن کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے ہے۔ بریرہ علیزے کی بڑی بہن مذہب کے معاملے میں بہت شدت پسندانہ رویہ رکھتی تھی۔ اتنا شدت پسندانہ کہ اس کے اس رویے سے اکثر اس سے وابستہ رشتوں کو تکلیف سے دوچار ہونا پڑا۔ خاص کر علیزے...... جس پر علیزے کی بڑی بہن ہونے کے ناتے پوری اجارہ داری ہے۔ عبدالغنی ان کا بڑا بھائی ہے۔ بریرہ سے بالکل متضاد صرف پرہیزگار نہیں عاجزی و انکساری جس کے ہر انداز سے جھلکتی ہے اور اسیر کرتی ہے۔ درپردہ بریرہ اپنے بھائی سے بھی خائف ہے۔ وہ صحیح معنوں میں پرہیزگاری و نیکی میں خود سے آگے کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ ہارون اسرار شوبز کی دنیا میں بے حد حسین اور معروف شخصیت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ گھر کی دینی محفل میں وہ بریرہ کی پہلے آواز اور پھر حسن کا اسیر ہو کر

اس سے شادی کا خواہاں ہے۔ مگر بریرہ ایک گمراہ انسان سے شادی پر ہرگز آمادہ نہیں۔ ہارون اس کے انکار پر اس سے بات کرنے خود ان کے ہاں آتا ہے اور شوبز تک چھوڑنے پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے رضامند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہیں اس موقع پر اس کی پہلی ملاقات عبدالغنی سے ہوتی ہے۔ ہارون اسرار کسی بھی صورت عبدالغنی کو اس رشتہ پر رضامندی پر التجا کرتا ہے۔ عبدالغنی سے تعاون کا یقین پا کر وہ مطمئن ہے۔ اسے عبدالغنی کی باوقار اور شاندار شخصیت بہت بھاتی ہے۔ محلے کا اوباش لڑکا علیزے میں دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔ جس کا علم بریرہ کو ہونے پر بریرہ علیزے کی کردار کشی کرتی ہے۔ علیزے اس الزام پر سوائے دل برداشتہ ہونے کے اور کوئی صفائی پیش کرنے سے لاچار ہے۔

اسامہ ہارون اسرار کا چھوٹا بھائی حادثے میں اپنی ٹانگیں گنوا چکا ہے۔ ہارون کی ممی اپنی یتیم بھتیجی سارہ سے زبردستی اس کا نکاح کراتی ہیں۔ جس کے لیے اسامہ ہرگز راضی نہیں اور نہ ہی سارہ کو اس کے حقوق دینے پر آمادہ ہے۔ لیکن دھیرے دھیرے سارہ کی اچھائی کی وجہ سے وہ اس کا اسیر ہونے لگتا ہے اور بالآخر اس کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ لاریب ہارون کی چھوٹی بہن جو بہت لاابالی نظر آتی ہے۔ ہارون کے ہمراہ کالج واپسی پر پہلی بار عبدالغنی کو دیکھ کر اس کی شخصیت کے سحر میں خود کو جکڑا محسوس کرنے لگتی ہے۔ لاریب کی دلچسپی عبدالغنی کی ذات میں بڑھتی ہے۔ جسے بریرہ اپنی منگنی کی تقریب میں خصوصاً محسوس کر جاتی ہے۔ لاریب محبت کی راہوں کی تنہا مسافر ہے۔ عبدالغنی انجان بھی ہے اور لاتعلق بھی۔ لاریب کے لیے یہ بات بہت تکلیف کا باعث ہے کہ وہ بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گا۔ علیزے لاریب کی ہم عمر ہے۔ دونوں میں دوستی بھی بہت ہو چکی ہے۔ وہ لاریب کی اپنے بھائی میں دلچسپی کی بھی گواہ ہے مگر وہ لاریب کی طرح ہرگز مایوس نہیں ہے۔

شادی کے موقع پر بریرہ کا رویہ ہارون کے ساتھ بھی بہت لیا دیا اور سرد مہر ہی نہیں حاکمیت آمیز بھی ہے۔

اسے ہارون کے ہر اقدام پر اعتراض ہے۔ وہ اس پر ہر قسم کی پابندیاں عائد کرنے میں خود کو حق بجانب سمجھتی ہے اور اس کی ساتھی اداکارہ سوہا کی ہارون سے بے تکلفی اسے سخت گراں گزرتی ہے۔ ممی کو اپنی بیٹی کا عبدالغنی جیسے نوجوان میں دلچسپی لینا ایک آنکھ نہیں بھاتا جبھی ایک معمولی بات پر وہ لاریب کے سامنے عبدالغنی کی بے حد تحقیر کرتی ہیں۔ اس سے پہلے وہ لاریب کو بھی جتلا چکی ہوتی ہیں کہ وہ ایسے خواب دیکھنا چھوڑ دے۔ لاریب کو عبدالغنی سے روا رکھا جانے والا ممی کا رویہ بغاوت پر ابھارتا ہے۔ وہ تمام لحاظ بھلائے جواب تک اس کے قدموں کو اس راہ پر آگے بڑھنے سے روکے تھے۔ اپنا گھر چھوڑ کر عبدالغنی کے پاس آ کر عبدالغنی سے خود کو اپنانے کی گزارش کرتی ہے۔ عبدالغنی اس کی جذباتی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اسے بہلا، سمجھا کر واپس بھیجتا ہے۔ مگر لاریب اس مصالحانہ عمل کو سمجھے بغیر اسے اپنی ریجیکشن اور تذلیل سمجھتے ہوئے شدید ہیجان میں جتلا ایکسیڈنٹ کروا بیٹھتی ہے۔ ممی اس کی حالت پر ہراساں جبکہ لاریب اسی ہسٹریائی کیفیت میں جتلا عبدالغنی کے حوالے سے اپنی ہر شدت اور شدت پسندانہ بے بسی ان کے سامنے عیاں کر جاتی ہے۔ ممی جو بریرہ کے حاکمانہ رویے اور ناشکرانہ انداز کی بدولت سخت دل برداشتہ ہیں اور اپنی بیٹی کو اس کے بھائی کے حوالے کرنے میں شامل ہیں۔ لاریب کی خوشی کی خاطر اس شادی پر بالآخر آمادہ ہونے پر ایک بار پھر مجبور ہو جاتی ہیں۔ لاریب کی دائمی مسکراہٹ کی چاہ انہیں عبدالغنی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتی ہے۔

بریرہ لاریب کو ناپسند کرتی ہے۔ جبھی اسے یہ اقدام ہرگز پسند نہیں آتا مگر وہ شادی کو روکنے سے قاصر ہے۔ لاریب عبدالغنی جیسے منکسر المزاج بندے کی قربتوں میں جتنا سنورتی ہے۔ ہارون بریرہ کے حوالے سے اسی قدر اذیتوں کا شکار ہے۔ لیکن اس وقت تنہا ہوتی ہے۔ جب وہ علیزے کے حوالے سے اس پر الزام عائد کرتی ہے۔ صرف ہارون نہیں...... اس سطحی حرکت کے بعد علیزے بھی بریرہ سے نفرت پہ مجبور ہو جاتی ہے۔ وقت کچھ اور آگے سرکتا ہے۔ بریرہ کے دل شکن رویے کے باوجود ہارون اس کی توجہ کا منتظر بار بار اس کی طرف پیش رفت کرتا ہے۔ اس خواہش کے ساتھ کہ وہ بھی لاریب کی طرح سدھار کا متمنی ہے۔ مگر بریرہ جو علیزے کی بے راہ روی کا باعث خود کو گردانتی ہے اور احساسِ جرم میں جتلا رب کو منانے ہر صورت علیزے کی واپسی کی ملتمس ہے۔ ہارون کے ہر احساس سے گویا بے نیاز ہو چکی ہے۔ ہارون اس بے نیازی کو لاتعلقی اور بے گانگی سے تعبیر کرتے ہوئے مایوسی کی انتہا۔ وہ گہرائیوں میں اترتا نا صرف شوبز کی دنیا میں دوبارہ داخل ہوتا ہے بلکہ ضد میں آ کر بریرہ کو جھنجوڑنے کی خاطر سوہا سے شادی بھی کر لیتا ہے۔ علیزے کے حوالے سے بالآخر بریرہ کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ لیکن تب تک ہارون کے حوالے سے گہرا نقصان اس کی جھولی میں آن گرا ہوتا ہے۔

علیزے کی واپسی کے بعد عبدالغنی سمیت اس کے والدین بھی علیزے کے رشتے کے لیے پریشان ہیں۔ علیزے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد خود بھی یہ علم بانٹ رہی ہے۔ عبدالہادی اپنے روحانی استاد کے زیر تربیت ایک کامل مومن کی شکل میں ان کے سامنے ہے۔ وہ اسے نور کی روشنی پھیلانے کو ہجرت کا حکم دیتے ہیں۔

عمیر ایک بدفطرت عورت کے بطن سے جنم لینے والی باکردار اور باحیا لڑکی ہے۔ جسے اپنی ماں، بہن کا طرزِ زندگی بالکل پسند نہیں۔ وہ اپنی ناموس کی حفاظت کرنا چاہتی ہے۔ مگر حالات کے تارِ عنکبوت نے اسے اپنے منحوس پنجوں میں جکڑ لیا ہے۔ کامیاب علاج کے بعد اسامہ پھر سے اپنے پیروں پر چلنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اسامہ چونکہ فطرتاً کاملیت پسند ہے۔ کسی بھی چیز کا ادھوراپن اسے ہرگز گوارا نہیں مگر اس کے بیٹے میں بتدریج پیدا ہونے والی معذوری کا انکشاف اسے سارہ کے لیے ایک سخت گیر شوہر، متکبر انسان کے طور پر متعارف کراتا ہے۔ وہ ہرگز اس کمی کے ساتھ بچے کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ عمیر کو حالات اس نہج پر پہنچا دیتے ہیں کہ وہ ایک مسجد میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اُس کی شرافت دیکھ کر مؤذن صاحب اُسے اپنی پُرشفقت پناہ میں لے کر اُس کی ذمے داری قبول کر لیتے ہیں۔ اُم جان اور بابا جان حج کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔ عبدالغنی سے مؤذن صاحب بہت متاثر تھے۔ وہ اُس سے اپنی اس پریشانی کا ذکر کرتے ہیں اور اُسے قابلِ بھروسہ جان کر عمیر کو عقد میں لینے پر زور دیتے ہیں۔ عبدالغنی انتہائی مجبوری کی حالت میں اُن کا یہ فیصلہ قبول کر کے عمیر سے نکاح کر لیتا ہے۔ یہ سب کچھ اتنی اچانک ہوتا ہے کہ وہ لاریب سے اِس بارے میں کوئی ذکر تو کجا مشورہ بھی نہیں کر پاتا۔ عمیر کو لے کر عبدالغنی گھر آجاتا ہے۔ لاریب کے لیے یہ سب کچھ سہنا آسان نہیں ہوتا، وہ اُسی وقت گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ چونکہ گھر میں کوئی بڑا نہیں ہوتا، اس لیے لاریب کو سمجھانا عبدالغنی کے بس سے باہر تھا۔ علیزے، عبدالہادی کے ساتھ اُس کی مام سے ملنے اُن کے آبائی گھر چلی جاتی ہے۔ جب عبدالہادی علیزے کو اپنی ماں سے ملوانے کے لیے کہتا ہے تو وہ ایک غیر مسلم عورت سے ملنے کے لیے فوری طور پر انکار کر دیتی ہے۔ عبدالہادی کے لیے یہ ایک بہت بڑا جھٹکا تھا۔ کیونکہ اُس کی ماں بیٹے کی محبت میں اسلام قبول کر چکی تھیں۔ علیزے بدگمان تھی مختلف مواقع پر عبدالہادی کو پرکھنے کے بعد بالآخر اپنا دل صاف کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ ہارون ابرار کا رویہ بریرہ سے بہت برا ہو جاتا ہے اور وہ اُسے اپنے ساتھ اسلام آباد اپنی دوسری بیوی کے ساتھ چلنے کے لیے کہتا ہے۔ بریرہ اسے بھی اپنا امتحان مان کر راضی ہو جاتی ہے۔ ہارون ابرار کی دوسری بیوی، پہلی بیوی کو برداشت نہیں کر پاتی اور اُس سے اپنے نام لکھی گئی جائیداد اور روپے پیسے لے کر طلاق لے لیتی ہے۔ بریرہ اور ہارون پھر سے محبت کے بندھن کو جوڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ عبدالغنی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ لاریب اور عمیر میں اس حادثے کے بعد دوستی ہو جاتی ہے۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

وہ کچھ دیر تو ہونق بنی کھڑی رہی۔ پھر کچھ نہ سوجھا تو پلٹ کر تیزی سے بھاگنے کے انداز میں کمرے سے نکل آئی۔

''شرما گئی ہے۔'' یہ اس کے متعلق عمیر کی رائے تھی۔ جو اس نے دروازے سے نکلتے ہوئے سنی اور آنکھوں کو بھیگنے سے نہیں بچا سکی۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے کھڑکی کی سلائیڈ ہٹا کر باہر جھانکا۔ سرسبز لان پر عجیب سی اُداسی سے بھرپور شام اترنے کی تیاری میں تھی۔ ان کا گھر بہت خوبصورت لوکیشن پر بنا ہوا تھا۔ بالکونی میں کھڑے ہوتے تو سمندر جھاگ اُڑاتا نظر آیا کرتا تھا۔ دائیں جانب بلند وبالا اور شاندار عمارتیں تھیں۔ فل ٹاورز، یہ علاقہ بہت خوبصورت تھا، خاصا مہنگا بھی۔ یہ وہ گھر تھا جو انہیں لاریب کی ممی کی جانب سے وراثت میں حصے کے طور پر ملا تھا۔ اس کے علاوہ ایک فیکٹری اور کئی مربع اراضی بھی...... گو کہ عبدالغنی آمادہ تھے لینے پر نہ ہی خود لاریب مگر ممی اور ہارون آڑے آ گئے تھے۔ وہ لوگ ہر صورت اسے اس کا حق دینا چاہتے تھے۔ یوں وہ لوگ اپنا پرانا گھر چھوڑ کر یہاں شفٹ کر گئے تھے۔ یہ تب کی بات تھی۔ جب اتباع صرف پانچ سال کی تھی۔ اب اس بات کو بھی کئی سال بیت گئے تھے۔

سیل فون کی گنگناہٹ پر اس نے چونک کر نم آنکھوں سے دائیں جانب دیکھا۔ صوفے پر پڑا ہوا موبائل مسلسل وائبریٹ کر رہا تھا۔ اس نے نظر انداز کیا۔ مگر کرنے والا مستقل مزاج تھا۔ اسے آگے بڑھ کر فون اٹھانا پڑا۔ امن کی کال تھی۔ وہ سخت تذبذب کا شکار ہو گئی۔ یہ بھی ممکن تھا۔ عبداللہ کر رہا ہو۔ اس نے اس خدشے کے

پیش نظر نہیں اٹھایا کہ اسی لمحے بیل بند ہوئی اور اسکرین پر میسج چمک اٹھا۔ اتباع نے بغیر کسی تاثر کے میسج کھولا تھا۔

''یار اتباع! کیا ہوگیا ہے۔ میں ہوں، بھائی نہیں ہیں یہ۔'' وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔ اسی وقت پھر سے کال آنے لگی۔ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی کال ریسو کی۔

''السلام علیکم آ گیا یقین؟'' وہ ہنس رہی تھی۔ اتباع مسکرا بھی نہ سکی۔

''کیوں تنگ کر رہی ہو امن!'' وہ خفگی سے کہہ گئی، دوسری جانب امن کو شاک لگا۔

''ارے...... رے...... اتنا غصہ......؟ یار کہاں پہنچی ہوئی ہو، کہا نا میں ہوں۔'' اس کی شریر ہنسی پھر شروع ہوگئی۔ اتباع تلملائی تھی۔

''میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی وہاں آ کر۔''

''چلو آ جاؤ پھر۔'' اس کی ہنسی کو بریک نہیں لگ رہے تھے۔ اتباع نے گہرا سانس بھرا۔

''بکومت، مقصد کی بات کرو۔'' اس نے ڈانٹا۔ دونوں میں کمال کی انڈر اسٹینڈنگ دوستی، اور محبت تھی۔ ایک دوسرے کی، یک جان دو قالب تھیں۔ ایک اسکول، ایک کالج میں پڑھی تھیں۔ یہاں تک کہ اب ایک ہی یونیورسٹی میں تھیں۔ ہاں امن ایک سال سینئر تھی اس سے، مگر اس کے باوجود بے تکلفی اور دوستی کمال تھی۔

''بھائی کا پیغام دینا تھا تمہیں۔ اگر میرا سر نہ پھاڑو تو کہہ دوں۔'' وہ کمال درجے کی معصومیت سمیت بولی۔ اتباع نے دم سادھ لیا۔

''بھائی کہہ رہے ہیں۔ آج بھی اگر آپ جناب سامنے نہیں آئیں تو وہ حشر اٹھا دیں گے۔ مزید یہ کہ بھلے وہ آپ کے نامحرم ہیں۔ مگر شادی کے خیال سے آ رہے ہیں۔ اس حوالے سے لڑکی لڑکے کا ایک دوسرے کو دیکھنا، ایک دوسرے سے ملنا والدین اور دیگر احباب کی موجودگی میں بالکل جائز ہے۔ سو آپ راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتیں۔''

امن کا لہجہ بے حد شوخ و شنگ اور شریر تھا۔ اتباع ایکدم ساکن ہو کر رہ گئی۔ دل میں ایک عجیب سے خوشگوار احساس نے سر اٹھایا تھا۔

''ماشاء اللہ! بھائی کی مطالعہ فل تیاری بہترین ہے۔'' امن نے ہنستے ہوئے ٹکڑا لگایا تھا۔ اتباع کچھ نہیں بولی تو اسے فکر بھی ستانے لگی۔

''خفا ہوگئی ہو۔''

''نہیں، بات تو یہ ٹھیک ہے اور ٹھیک بات پر خفگی یا اختلاف کیسا؟'' وہ ہنوز سنجیدہ تھی۔ جواباً امن زور سے ہنس پڑی۔ اتباع کو اس ہنسی کی خاک سمجھ نہ آ سکی۔ جبھی اسے ٹوکا تھا۔

''کیوں ہنس رہی ہو خوامخواہ؟''

''خوامخواہ نہیں جناب! پاگل نہیں ہوں۔ بات اتنی ہے کہ آپ کے یہ نادر خیالات سے اسپیکر آن ہونے کی بدولت بھائی بھی فیض یاب ہو رہے ہیں۔'' امن کھلکھلائی تھی اور اتباع اس فاؤل پر اتنا گھبرائی کہ کچھ بھی کہے بغیر رابطہ کاٹ دیا تھا۔ ہونٹ باہم بھینچے وہ خود پر قابو پا رہی تھی۔ جب اسکرین امن کے میسج کے ساتھ روشن ہوئی (خفا کیوں ہوتی ہیں اتباع! اتنی پابندیوں میں بھی آپ سے بندھا ہوا ہوں۔ محبت کا اندازہ کریں اس کے باوجود کہ آپ کی ایک جھلک نہیں دیکھی اور محبت کے ایسے ایسے نادر خیالات ذہن میں ہلچل مچاتے ہیں۔ دیکھ لوں گا تو کیا حال ہوگا میرا......!)

اتباع کے پورے وجود میں ان الفاظ کی معنی خیزیت نے سنسناہٹ سی بکھیر دی۔ اس نے گھبرا کر میسج ضائع کیا اور سیل فون یوں پھینکا گویا وہ

سانپ بچھو ہو۔ پھر اس کی خاموشی کو محسوس کرتے عبیر اور لاریب نے بالخصوص اسے سمجھایا اور قائل کیا تھا۔

"بیٹے آپ اس بات سے بہر حال انکار نہیں کر سکتی ہیں کہ شریعت میں اس بات کی اجازت ہے۔ پھر یہ عبداللہ کا حق بھی ہے۔ سو پلیز آپ اپنا موڈ ٹھیک کرو۔ اور اچھی طرح سے تیار ہو جاؤ۔"

اس نے محض سر ہلایا تھا اور جب وہ لوگ پہنچے تو اس کی تیاری بس پنک کلر کا بہت اسٹائلش سا نیا سوٹ تھا۔ اس نے وہ لاکٹ اور رنگ بھی اتار دی تھی جو عموماً وہ پہنے رکھتی تھی۔ لاریب نے محسوس کیا مگر کہا کچھ نہیں۔ بالوں کی چوٹی باندھ کر اچھی طرح سیٹ رکھے تھے۔ اور دوپٹہ سلیقے سے اوڑھا ہوا۔ اس کے باوجود بھی وہ اتنی پیاری، اس قدر پاکیزہ لگ رہی تھی کہ لاریب اور عبیر دونوں نے ہی بے ساختہ اسے پیار کیا تھا۔

"ابھی فون آیا ہے بھائی کا راستے میں ہیں۔ بس پہنچتے ہوں گے۔ بیٹے آپ چائے لے آنا بس۔ باقی تیاری تو سب ہوگئی ہے۔" عبیر نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے تاکید کی۔ تب ہی گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجنے لگا۔

"آئی تھنک آگئے وہ لوگ۔" عبیر مسکرائیں۔

"ہیں عبدالعلی، عبدالاحد اور ان کے بابا جان استقبال کو، مگر ہمیں بھی چلنا چاہیے۔"

لاریب کا جوش و خروش اور خوشی دیکھنے لائق تھی۔ عبیر کا ہاتھ پکڑے وہ کچن سے نکل گئیں۔ اتباع نے دھڑکتے دل کے ساتھ دم پہ رکھی چائے کوٹی پاٹ میں منتقل کیا۔ باقی ٹرالی سجی ہوئی تھی۔ اس نے ٹی پاٹ کو ٹی کوزی سے ڈھکا اور اسے بھی ٹرالی میں رکھ دیا۔ دس منٹ کے توقف سے وہ اس وقت کچن سے باہر آئی تھی۔ جب ملازمہ باقاعدہ اسے بلانے آئی۔ اس کا دل ہی نہیں پورا وجود دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔ ہتھیلیاں پسینوں سے نم ہوتی جا رہی تھیں۔

ڈرائنگ روم کے دروازے پر وہ چند لمحوں کو تھمی۔ اندر سے سب کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ باپ اور بھائیوں کی موجودگی میں عبداللہ کا سامنا کرنا اسے بے حد دشوار امر محسوس ہو رہا تھا۔

"آجاؤ بیٹے! شرما کیوں رہی ہو۔ سب اپنے ہی تو ہیں میری جان!" بریرہ نے اس کے گریز کو صاف محسوس کیا تھا۔ جبھی مسکرا کر گویا ہوئیں۔

عبداللہ کی نگاہیں صحیح معنوں میں اس پر اٹھ کر پلٹنا بھول گئی تھیں۔ پنک کلر کے لباس میں وہ بہار کا کوئی اولین پھول محسوس ہو رہی تھی۔ ناک کان، گلا، ہر قسم کے زیور سے آزاد تھا۔ حتیٰ کہ کلائیاں بھی سونی تھیں۔ اس کے باوجود حسن اس طرح دو آتشہ تھا جیسے سجی سنوری حالت میں ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا شک تھا کہ وہ ان تمام تعریفوں سے زیادہ حسین اور پُر وقار، دلنشین تھی جتنی آج تک بریرہ یا پھر امن نے اس کی کی تھیں۔ وہ اس کی آنکھوں کی مسحور کن چمک میں گم ہو رہا تھا یا اس کی شخصیت میں چھپی تمکنت سے مرعوب ہو چکا تھا۔ اتنا مرعوب کہ اسے روبرو پا کے اپنی جگہ سے احتراماً اُٹھ کھڑا ہوا۔

"پلیز تشریف رکھیے۔" اسے گھبراتے لرزتے پا کر وہ خود اس کے مقابل آگیا اور اسے چائے بنانے سے روکا۔ اتباع نے جھکی پلکیں لمحہ بھر کو اٹھائیں۔ سیاہ ٹو پیس سوٹ میں وہ اپنی تمام تر سحر انگیزیوں اور وجاہتوں کے ہمراہ مسکراہٹ

لبوں پر سجائے پوری طرح متوجہ تھا۔ ابتاع کو بے تحاشا خفت نے آن لیا۔ وہ سرعت سے پیچھے ہوئی اور بریرہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ باقی سب مسکراہٹ دبا رہے تھے۔ ماحول میں بہت معنی خیزی سی چھا گئی تھی۔

''ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ اللہ نصیب اچھا کرے۔'' بریرہ نے اسے ساتھ لپٹا لیا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ لرزتی پلکوں سمیت سر جھکائے بیٹھی رہی۔ سب آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

''بھائی ہم سب کی خواہش ہے۔ ہم ابتاع بیٹی کو مستقل اپنے گھر کی رونق بنا لیں۔'' بریرہ نے اصل موضوع چھیڑا۔ ابتاع نے گھبرا کر انہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ متوجہ نہیں تھیں۔

''ارے بیٹے! آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں۔ میں بناتی ہوں چائے۔'' عمیر نے عبداللہ کو خود چائے مگوں میں انڈیلتے پا کر محبت سے ٹوکا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''ٹینشن ناٹ ممانی جان! ریلیکس، مجھے اچھا لگ رہا ہے۔'' اس نے نرمی سے کہتے مگ پہلے عبدالغنی کو دیا تھا پھر ہارون اسرار کو۔ اس کے بعد بریرہ کی باری آئی۔ اس وقت ابتاع کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی حیران ہو گئے تھے جب اس نے بہت مؤدب انداز میں چائے ابتاع کو پیش کی تھی۔ ابتاع نے تحیر آمیز غیر یقینی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ان گہری شوخ اور متبسم نگاہوں میں بلا کی شرارت مچل رہی تھی۔ چہرے پر بے حد خوبصورت مسکان...... ابتاع کو بھلا کہاں توقع تھی۔ اس سے اس درجہ شوخی بھری جسارت کی اور وہ بھی سب کے درمیان...... شرم، حجاب، خفت، ناراضگی کتنے احساس یکدم ہی اس پر حاوی ہوئے

تھے۔ کچھ کہے بغیر وہ اٹھی تھی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ عبداللہ سر پر ہاتھ پھیر کر ہنس رہا تھا جبکہ سب اس کی شرارت پر محظوظ ہو کر مسکرا دیے تھے۔

''بہت شریر ہے۔ حالانکہ اتنا سمجھا کر لائی تھی۔ بچی کو تنگ نہیں کرنا مگر یہ اثر ہوا ہے۔'' بریرہ مسکراہٹ ضبط کرتیں گویا ہارون سے شکایت کر رہی تھیں۔

''بیٹے آپ نے بچی کو بیٹھنے بھی نہیں دیا ڈھنگ سے۔'' ہارون بس یہی کہہ سکے۔ بیٹے کی چھائی خوشی انہیں بھی نہال کر رہی تھی۔

''اب مجھے سمجھ آئی۔ بھائی نے چائے بنانے کا ارادہ کیوں کیا تھا۔'' امن نے بھی ٹکڑا لگایا۔

''لیکن فائدہ نہیں ہوا کوئی آپ کے اس رومانس کا۔ الٹا نقصان اٹھانا پڑ گیا۔ محترمہ منظر سے غائب ہو گئی ہیں۔'' امن عبداللہ کے کان میں گھس کر سرگوشی میں چھیڑ چھاڑ میں مصروف ہوئی۔ اس نے جواباً بے نیازی سے کاندھے اچکا دیے تھے۔

''ڈزن میٹر! میں تنہائی میں ملنے کا چانس نکال لوں گا۔'' وہ جواباً سرگوشی میں بولا تو امن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''یہ سامنے محترمہ کے بھائی تشریف فرما ہیں۔ خاصی جوشیلی اور غصیلی طبیعت کے مالک ہیں۔ لہٰذا جذباتی غلطی سے بھی نہ ہوئیے گا۔'' وہ حفظ ماتقدم کے طور پر بولی تو عبداللہ آہستگی سے ہنس دیا تھا۔

''عبدالعلی میرا بہت اچھا دوست ہے۔''

''مگر یہاں دوستی کام نہیں آئے گی۔ بے فائدہ ہے۔'' امن نے صورتِ حال واضح کی تھی۔ وہ گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''نہیں بھائی جان! پہلے منگنی کی باقاعدہ رسم کرلیتے ہیں۔ اس کے بعد شادی۔'' بریرہ دبے ہوئے انداز میں بولی کہ یہ عبداللہ کی خواہش تھی اور وہ باقاعدہ مناتا رہا تھا کتنے دن اس کے لیے۔

''منگنی ...... اس کی کیا ضرورت ہے بریرہ! بات تو طے ہے۔ شادی جب کرنی ہوگی بس کرلیں گے۔'' عبدالغنی حیرانی سے بولے تھے۔ ہارون گہرا سانس بھر کے رہ گئے۔

''لیکن یار بچوں کی خواہش ہے۔ وہ رسم تو تب ہوئی تھی جب بیچاروں کو ہوش بھی نہیں تھا۔'' ہارون کا انداز ہلکا پھلکا تھا۔ عبدالغنی خاموش ہوگئے۔ لاریب مسکرائے گئی۔

''بوجان! ماموں جان کو اس بات پر منانا آپ کا کام ہے۔ پلیز!'' عبداللہ نے اپنا بازو ان کے گلے میں حمائل کر کے سرگوشی میں کہا تھا۔ لاریب نے جواباً محبت آمیز نگاہوں سے اسے نوازا اور مسکرادی۔

''میری جان! تمہاری ہر خواہش سر آنکھوں پر، فکر کی ضرورت ہی نہیں۔'' انہوں نے اس کا گال تھپتھپا کر تسلی سے نوازا تو وہ کچھ اور پھیل گیا تھا۔

''اگر آپ یہ والا سبق اپنی بیٹی کو بھی پڑھا دیں۔ تو عمر بھر مشکور رہوں گا۔ یعنی میری خواہش کو سر آنکھوں پر رکھنے والا ......'' اس کا انداز بے حد شرارت سموئے معنی خیزیت سے بھرپور تھا۔ لاریب نے جھینپتے ہوئے اسے ایک چپت لگادی تھی۔

''بہت شریر ہو تم ...... ان ڈائریکٹ رومینس کرنے کے بجائے بہتر ہے تم ڈائریکٹ رومینس کے چانس پیدا کرلو۔'' اور جواباً وہ اونچے سروں میں ہنسے گیا تھا۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ بس میری مدد کی جائے۔'' وہ کچھ اور بھی شوخ ہونے لگا۔

''عبداللہ مستقل آگئے ہو اب......؟'' عبدالعلی اُٹھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔ عبداللہ کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

''ہاں، اب اِدھر ہی جاب کروں گا اور سنا ہے تم نے آرمی جوائن کرلی ہے۔'' جواباً عبدالعلی مسکرادیا تھا۔

''ٹھیک سنا ہے۔ کس نے دی یہ اہم خبر......؟'' اس کی حیرانی فطری تھی کہ بریرہ کی فیملی تک یہ اطلاع ابھی انہوں نے نہیں پہنچائی تھی۔

''قدر سے...... بات ہوتی ہے میری اکثر اس سے۔ تم سے بھی ہوتی ہوگی نا......؟ مگر بتاتی نہیں ہے۔ بڑی پکی ہے۔'' عبدالعلی کے چہرے پر بکھرتی گھمبیرتا کو محسوس کیے بنا وہ اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں کہہ رہا تھا۔

''وہ ٹھیک کہتی ہیں۔ ہماری کبھی بات نہیں ہوئی۔'' عبدالعلی کے سنجیدگی سے دیے جواب نے عبداللہ کو کچھ لمحوں کو بھونچکا کر کے رکھ دیا تھا۔ اگلے لمحے بلا کا احتجاج اس کے لہجے میں اُمڈ آیا تھا۔

''مگر کیوں یار......! وہ تو محرم ہیں نا تمہاری، نکاح ہو چکا ہے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان خرافات میں رکھا ہوا کیا ہے؟'' عبدالعلی کی سنجیدگی و متانت میں مزید اضافہ ہونے لگا۔ عبداللہ اب کیا کہتا۔ بُس خاموش ہوگیا تھا۔ پھر جب تک وہ وہاں رہے۔ اتباع کی اسے ایک بھی جھلک مزید دیکھنے کو نہیں مل سکی۔ عبداللہ اچھا خاصا بدمزا ہوا تھا۔ عبدالعلی کے برابر بیٹھے اُس نے بڑے دھڑلے سے اتباع کو ایک شعر ٹائپ کر کے

سینڈ کیا تھا۔

اب تلک پردہ جو کیا ہے تو سنبھالو خود کو
کیوں میرے خوابوں میں ہر روز چلی آتی ہو

☆......☆......☆

آہٹ بھی سنائی دیتی نہیں
درد یوں دبے پاؤں آتا ہے

اُس نے نم آنکھیں سختی سے بھینچیں اور دل میں پھیلی بے چینی کا علاج ڈھونڈنے لگی۔ جو ظاہر ہے ایجاد نہیں ہوا تھا۔ سوائے وصالِ یار کے۔ وہ اگر اتنا بے نیاز نہ ہوتا تو اور کچھ نہیں اسے کال کرسکتی تھی۔ مگر وہ مزید اپنی توہین نہیں کرانا چاہتی تھی۔ جبھی یہ ہمت نہیں کی۔ جب وہ جارہا تھا اسے اس وقت پتا لگا تھا۔ دل کیسے ایکدم سے ڈوب کررہ گیا۔ عجب تھا یہ دل بھی۔ ایسے اسیر ہوا تھا گویا اس کی آمد کا تو منتظر تھا۔ اسے بسا اوقات خود پر غصہ آنے لگتا۔

''جارہے ہیں؟'' وہ بدحواس...... بے قرار اور مضطرب اس کے سامنے کھڑی تھی۔ عبدالعلی نے حیرانی سے اس لڑکی کو دیکھا۔ جس کے اتنے رنگ تھے کہ وہ شمار بھی کرتا تو نہ کرپاتا۔

''جانا تو تھا۔'' اس نے کاندھے اچکائے۔

''اگر مجھے پتا نہ لگتا تو مجھ سے ملتے بھی نہ۔ ہے ناں؟'' اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ پوری طرح ہاری ہوئی لگ رہی تھی۔

''ہے تو ایسا ہی، اس فارمیلٹی کی میں اتنی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔'' عبدالعلی نے بے رخی اور سنگدلی کی انتہا کردی۔ وہ گنگ رہ گئی۔ صدمے سے دوچار، عبدالعلی نے مطلق دھیان نہ دیا۔ بیگ اٹھا کر کاندھے پر لٹکا لیا۔

'یہ لے لیجیے پلیز! جسٹ فار یو۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں جو چیز بڑھائے کھڑی تھی۔ وہ بہت خوبصورت پیکنگ میں لپٹا ہوا پیک تھا۔ آتشی گلابی چمکیلا کاغذ جس پر لاتعداد ننھے ننھے دل جگمگا رہے تھے۔ عبدالعلی نے اچنبھے میں گھر کر دیکھا۔ پھر بھنوؤں کو جنبش دی۔

''واٹ اِز دِز؟'' اس کا لہجہ قدرے سخت ہوا۔

''خود کھول کر دیکھ لیجیے گا۔'' وہ پلکیں جھکائے کھڑی تھی۔

''مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' عبدالعلی نے بغیر لحاظ کے کہہ ڈالا۔ وہ روہانسی ہونے لگی۔

''تحفے سے انکار نہیں کرتے ہیں۔ محبت بڑھتی ہے۔'' اس نے جیسے التجا کی تھی۔ عبدالعلی اسے باقاعدہ گھورنے لگا۔

''یہی نہیں چاہتا میں...... سمجھ لو اس چکر میں پڑنا نہیں چاہتا۔ سو بہتر ہے تم اپنی توانائیاں ضائع نہ کرو۔'' اس نے اپنی بات مکمل ہونے سے بھی قبل قدم بڑھا دیے تھے۔ قدر کو لگا تھا اس کے اٹھتے قدموں تلے اس کا دل مسلا جارہا ہو۔ آنسو اس کی پلکوں سے پھسل کر اس کے ہاتھوں کو بھگونے لگے تھے۔

''آپ اتنے ظالم کیوں ہیں عبدالعلی!'' اس کا دل سسکا تھا۔

''اگر یہی سب کچھ کرنا تھا تو پھر وہاں مجھ پر ایک ساتھ اتنے ستم کیوں توڑ دیے تھے۔'' اس نے جلتی آنکھیں پھر موند لیں۔ نگاہ کے سامنے اب پھر وہی منظر تھا۔ کسی ایتھلیٹ کی مانند زقند بھرتا ہوا اس کا پتھریلا وجود اور پھر فاصلوں کا مٹ جانا۔ اس نے کتنی مرتبہ اس ایک احساس کو پوری جذباتیات سے سوچا محسوس کیا آنسو بہائے تھے۔ سب کچھ درہم برہم ہوگیا تھا۔ وہ کیا سے کیا ہوگئی تھی۔ وہ جو دل و جان اور زندگی کا مالک قرار پایا

تھا۔ کتنی آسانی سے اسے جیت گیا تھا۔ اسے لحوں میں اس سے چھین لیا تھا۔ پیچھے کیا بچا تھا سوائے بے چینیوں، بے قراریوں کے۔ اس نے آہ بھری اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

انگلی پکڑ کر پیا موہے لے گئے اک دن اپنے دوارے
میں بے چاری سدھ بدھ ہاری چھوٹ گیا سنسار
مجھ کو پی کے نام سے چھیڑے سکھیوں کا ایک ٹول
یہ کیا سمجھے، وہ کیا جانے موہے پی انمول
ایک پیار کی صورت بھاوے باقی سب بے کار
موہے پی کا نقش اٹھائے پھرتا ہے ماہتاب
پی پی کرتے دن مورا گزرے پی پی کرتے رات

سیل فون کی گنگناہٹ پر اس کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔ اس نے بے زار کن انداز میں سرہانے پڑا فون اٹھایا تھا۔

علیزے کا نمبر دیکھ کر اسے حیرت نے آن لیا۔ وہ بھلا اس ٹائم کیوں کال کر رہی تھیں اسے۔

''ماما......! خیریت ہے؟'' اس نے کال ریسو کرتے ہی گھبراہٹ میں سوال کیا۔

''الحمدللہ! بیٹے خوشی کی خبر تھی تو دل کیا تم سے شیئر کرلوں۔ تم سو تو نہیں گئی تھیں؟'' انہوں نے مسکرا کر سوال کیا تھا۔ قدر نے بے اختیار نفی کی۔

''نہیں ماما! آپ کہیے۔'' اس کا دل جانے کیوں دھڑکا۔

''بجو کا فون آیا تھا ابھی۔ عبداللہ اور انتاع کی منگنی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے۔'' انہوں نے دھیمے سروں میں ہنستے کہا تو قدر گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

''آپ کو مبارک ہو ماما!'' اس نے خوشدلی کا مظاہرہ کرنا چاہا مگر خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔

''یہ مبارک آپ کو اپنی خالہ جانی اور ماموں کو بھی دینی چاہیے بیٹے!'' علیزے نے گویا اسے گائیڈ کیا تھا۔ وہ آہستگی سے ہنس دی۔

''ڈونٹ یو وری ماما! صبح دے دوں گی کال کر کے۔ او کے گڈ نائٹ!''

اُس نے رابطہ منقطع کر دیا۔ فون واپس رکھتے کسی خیال کے تحت اس نے عبدالعلی کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔

''السلام علیکم! جی کون؟'' صاف لگتا تھا۔ وہ نیند سے پوری طرح بیدار نہیں ہو سکا ہے۔

''سوری! میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا ہے۔'' وہ واقعی خفت زدہ ہو گئی۔

''کو......ن......؟'' وہ اسی بوجھل آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''قدر......!'' اس کا لہجہ مدھم ہوا۔ انداز میں بے دلی اُتر آئی۔ بے قدری کی انتہا تھی۔ جو اس کے لیے سب کچھ قرار پاچکا تھا۔ اس کے نزدیک اس کی اہمیت زیرو تھی۔ انتہائی دکھ کا مقام تھا۔

''کیسے زحمت کی؟'' اس کا لہجہ روڈ ہوا۔

''انتاع کی منگنی کا معلوم پڑا تھا۔ سوچا مبارک باد دے دوں۔'' اس نے بجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''تو انتاع کو کال کرتیں بی بی! مجھے مخواہ مخواہ میں ڈسٹرب کر ڈالا۔ یا عبداللہ کو دیتیں یہ مبارکباد۔ سنا ہے ہوتی ہے آپ کی بات چیت اُن سے۔'' اس کا لہجہ بلا کا سرد محسوس کر کے قدر کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ کیا تھا وہ شخص...... یا پھر قدر کی محبت جس نے اسے یکا یک اتنا خاص بنا دیا تھا کہ وہ اس کے لہجے کے اُتار چڑھاؤ سے زیر و زبر ہونے لگی تھی۔

''اگر آپ کو پسند نہیں تو...... میں آئندہ نہیں کروں گی۔'' اس نے بے اختیار کہا تھا۔ عبدالعلی

نے ہنکارا بھی نہیں بھرا۔

''میری پسند ناپسند کے تابع کیوں ہونے لگیں؟ آپ اپنی مرضی کی مالک ہیں او کے...... بند کریں فون، اب مجھے سونا ہے۔'' سرد مہری و رکھائی کا اعلیٰ مظاہرہ ہوا تھا۔ قدر اس درجہ توہین پر دہک کر رہ گئی۔ فون پٹخ کر وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر ہچکیوں سے رو پڑی تھی۔

☆......☆......☆

اس تک جب سے یہ بات پہنچی تھی کہ اگلے مہینے اس کی منگنی کی رسم ہونا ہے۔ اور چند ماہ بعد شادی، اس کی جان پر بن آئی تھی۔ جتنا بھی احتجاج کیا۔ بہانے بنائے مگر شنوائی نہیں ہو سکی تھی۔ یہاں تک کہ عبدالغنی نے بھی محبت و نرمی سے اس کی گزارش رد کر دی تھی۔

''بیٹے پڑھائی کا مسئلہ نہیں ہے۔ عبداللہ ہرگز آپ کو منع نہیں کریں گے۔ پریشان نہ ہوں۔'' وہ منہ لٹکائے واپس آ گئی تھی۔

''شادی کے بعد پڑھائیاں نہیں ہوتیں۔ مجھے اچھی طرح سے پتا ہے۔ بس آپ منع کریں بو جان کو۔ فی الحال مجھے ماسٹرز کمپلیٹ کرنے دیں۔'' وہ لاریب کے سامنے آ کر پیر پٹخنے لگی۔ عبدالاحد نے شدومد سے سر ہلایا۔

''بالکل...... آئی ایگری وِد یو۔ شادی کے بعد پڑھائیاں نہیں ہوتیں۔ شوہر کی فرمانبرداریاں ہوتی ہیں۔ بچوں کو جنم دیا جاتا ہے اور بس۔'' عبدالاحد کھی کھی کر رہا تھا۔ اتباع دہک سی گئی۔ اسے مارنے کو اس کے پیچھے بھاگتی پھری مگر تھا بھلا وہ ہاتھ آنے والا۔

''میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔'' وہ تلملا اٹھی تھی۔

''میرا کیا قصور؟'' عبداللہ بھائی کا پھاڑیں۔''

''ان سے بھی نبٹ لوں گی۔ قتل کر دوں گی۔'' وہ غصے میں بالکل آؤٹ ہونے لگی۔ لاریب کے ڈانٹنے کی پروا کیے بغیر۔

''ہاہ...... ہائے، گھائل تو بیچارے پہلے ہی سو چکے۔ تم جان بھی لو گی تو مجال ہے اُف کر جائیں۔'' عبدالاحد نے لہک لہک کر کہا۔ لاریب نے پھر دونوں کو ڈپٹا۔

''بہت بری بات ہے اتباع! ہو کیا گیا ہے بیٹے! یہ عبدالاحد تو ہے ہی آفت کا پرکالہ، کس کی باتوں میں آ رہی ہو۔'' انہوں نے اتباع کو ساتھ لگا کر تھپکا۔ عبدالاحد کھی کھی کرنے لگا۔

''والدہ غلط بیانی کر رہی ہیں اتباع رانی! ہو گا وہی جو میں نے کہہ دیا۔ سوچ سمجھ لو۔ شادی کر کے بچے پالنے میں، یا ماسٹرز کر کے عالمہ فاضلہ بننا ہے۔ بابا جان کی طرح؟'' اس کی آنکھوں میں بلا کی شرارت تھی۔ مقصد اسے زچ کرنا، ستانا اور عاجز کرنا تھا۔ اور وہ ہو بھی رہی تھی۔

''میں نے کہہ دیا ہے بس اماں! مجھے اتنی جلدی شادی نہیں کرنی۔'' وہ منہ پھلا کر روٹھے پن سے کہہ گئی۔ یعنی عبدالاحد کی باتوں کا اثر ہو رہا تھا۔

''ہائیں...... کیا بات ہے! یعنی کرنی تو ہے۔ مگر اپنا مقصد حل کر کے۔'' عبدالاحد نے پھر اسٹارٹ لینا چاہا۔ لاریب نے اُٹھ کر اس کا کان پکڑا تھا۔

''تم جاتے ہو یہاں سے عبدالاحد یا پھر میں آپ کے بابا جان یا عبدالعلی کو بلواؤں۔'' اچھی طرح سے جانتی تھیں۔ عبدالاحد ان دونوں کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ یہاں تک کہ

ہارون اسرار اور عبدالہادی سے بھی اتنی بے تکلفی اور دوستی گانٹھ رکھی تھی۔ گویا دونوں ہی ہمعصر دوست ہوں۔ عبدالاحد یہ دھمکی سُن کے مزید واویلا کرنے لگا۔

''اللہ کا نام لیں والدہ! آپ مجھے بیشک کسی قصاب کے حوالے کر دیں۔ مگر بھائی جان کے نہیں۔ ایسے دیکھتے ہیں کہ جان قبض ہونے لگتی ہے۔ سرخ سرخ سی آنکھیں ہیں۔ اللہ جانے لڑکیاں کیسے اُن کی آنکھوں پر مرتی ہیں۔ مجھے تو بس خوف آتا ہے۔ سب سے زیادہ ہمدردی تو قدرے محسوس ہوتی ہے۔ کتنا ظلم کیا آپ لوگوں نے بھی اس بیچاری پر۔ بھائی جیسے جلاد صفت انسان کے پلے باندھ دیا۔ ارے میں بھی تو تھا اس وقت۔ میرا خیال کیوں نہ آیا۔ ماشاء اللہ وجیہہ وشکیل تھا۔ ہونہار لائق فائق۔

وہ پھر نان اسٹاپ شروع ہو چکا تھا۔ لاریب نے عاجز ہو کر اسے ایک جڑ دی تھی۔ اس نے منہ بگاڑ لیا اور احتجاج کا رُخ کسی اور جانب موڑا۔

''یہ ظلم اور زیادتی نہیں ہے کیا والدہ! آپ نے مجھ سے بڑے، چھوٹے دونوں اولادوں کو منسوب کر ڈالا۔ میرا خیال تو میرے بابا جان کو آیا نہ آپ دونوں والداؤں کو۔ اور تو اور کسی میرے ماموں پھوپا کو بھی نہیں آسکا۔ ارے ظالم لوگو میں پوچھتا ہوں۔ میں کیا سوتیلی اولاد تھا۔ یا پھر مجھے کسی سڑک سے اٹھایا تھا۔ بتایئے کیا یہ کھلا تضاد نہیں۔'' وہ تقریر کے انداز میں ہوا میں بازو چلا چلا کر جوش و خروش سے بول رہا تھا۔ جبھی شاید توجہ اندر آجانے والے عبدالعلی پر نہ جا سکی۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' عبدالعلی نے اچنبھے سے سوال کیا تھا۔ عبدالاحد اپنی جگہ پر زور سے اچھل پڑا۔ چہرے پر کتنے رنگ اترے تھے۔

ادب لحاظ، گریز اور سب سے بڑھ کر خفت کا احساس۔

''ک...... کچھ نہیں بھائی جان! مم...... میں چلتا ہوں۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا تو عبدالعلی نے نرمی سے اس کے شانے پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا۔

''کم آن برادر! اتنا بدکتے کیوں ہو مجھ سے؟ والدہ آپ بتائیں۔ کبھی میں نے اسے بے جا ڈانٹا یا سختی کی؟'' وہ اچھا خاصا خفا نظر آنے لگا۔

لاریب اور عبیر مسکرا دیں تھیں۔

''نہیں بیٹے! مگر یہ بھی سچ ہے کہ تمہارا 'ہوا' ہم نے اس کے سر پر سوار کیا ہے۔ کوئی بھی شرارت کرتا، ہم تمہارا ڈراوا دیتے۔ بس پھر مان ہو جاتا تھا۔'' عبیر نے وضاحت کی تو عبدالعلی گہرا سانس بھرتا عبدالاحد کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

''میں آپ کا دوست ہوں پارٹنر! بھائی اور سب کچھ، ایسے مت کہا کرو۔ اس خوف کو اب ختم ہو جانا چاہیے۔ یہ فاصلوں کو جنم دیتا ہے۔ جبکہ میں گھر میں محبت اور یگانگت کی فضا کا قائل ہوں۔ ٹھیک ہے؟'' وہ اس کا گال تھپک رہا تھا۔ عبدالاحد کا چہرہ چمک اٹھا۔ مسکرا کر اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''میں چلتا ہوں والدہ! کچھ کام تھا۔ اجازت اماں۔'' وہ باری باری عبیر اور لاریب کو دیکھنے لگا۔

''اتنے مصروف کیوں رہنے لگے ہو بیٹے! جس دن سے آئے ہو مسلسل بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہو۔ ڈھنگ سے کچھ دیر بیٹھے بھی نہیں ہمارے پاس۔'' عبیر کے شکوے پر باقی سب نے بھی مسکرا کر گویا ان کی تائید کی تھی۔ عبدالعلی شرمندہ نظر آنے لگا۔ عبیر کا ہاتھ پکڑ کر محبت بھرا

بوسہ ثبت کیا تھا۔
''میری چھوٹی مختصر تھی والدہ، کچھ دوست احباب عرصے سے منتظر تھے۔۔ لیکن خیر پھر بھی، میں اس وقت آپ کے ہی ساتھ ہوں۔'' اس کے لہجے میں انداز میں جوعمیر کے لیے خاصیت، اہمیت اور محبت تھی۔ وہ اک عمر کی ریاضت محبت اور قربانی کے بعد ہی حصے میں آیا کرتی ہے۔ یہ قربانی عمیر نے دی تھی۔ ہر قدم پر، ہر مقام پر اور اب وہ وقت تھا۔ جب ثمر سے لطف اور فیض اٹھایا جائے۔ لاریب کا تعاون اتحاد اتفاق اور ایثار بھی اس میں بلاشبہ شامل تھا۔ جبھی آج ان کا گھر جنت کا نمونہ تھا۔
''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ پھر میں چائے بنالاتی ہوں۔'' اتباع نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی، لاریب مسکرا رہی تھیں۔ پھر عبدالعلی کو متوجہ کیا۔
''تمہاری بہو ٹھیک تھیں۔''
''جی الحمدللہ! بالکل فٹ، ٹپ ٹاپ، امپریسو لیڈی ہیں آپ کی طرح۔'' وہ ہنسنے لگا۔ لاریب جھینپ کر رہ گئی۔
''میں نے ان سے بھی یہی کہا تھا۔ آپ کو دیکھ کر مجھے اپنی ماں کی یاد آگئی۔'' اس نے شرارت کو طول دیا۔
''قدر...... کیسی لگی تمہیں؟'' اگلا سوال عبدالعلی کے چہرے پر کھیلتی مسکان کو جیسے نوچ کر پھینک گیا۔ اس تبدیلی اور خاموشی کو دونوں خواتین نے بالخصوص نوٹ کیا۔ اور فکر مندی سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔
''آپ نے جواب کیوں نہیں دیا عبدالعلی بیٹے!'' لاریب کو بے چینی نے آن لیا تھا۔ عبدالعلی نے سرد آہ بھری۔

''میں حیران ہوں ہر کوئی یہ سوال کیوں کر رہا ہے مجھ سے؟'' وہ اکتاہٹ آمیز انداز میں بولا تو لاریب کی مسکراہٹ پھر سے اس کے چہرے کو مزید تابندہ بنانے لگی۔
''کہیں قدر نے خود تو نہیں پوچھ لیا؟'' ان کے انداز میں شرارت تھی۔
''محترمہ جتنی بولڈ ہیں۔ پوچھ بھی سکتی تھیں، یہ الگ بات ہے میں نے حوصلہ نہیں دیا۔'' وہ چڑ کر کہہ گیا۔ لاریب خفیف سی ہوگئیں۔
''قدر بولڈ نہیں ہے بیٹے! تھوڑی لاپروا ہے۔ یہ لاپروائی بھی اس کی کم عمری کی بدولت ہے۔ وقت کے ساتھ تبدیلی آجاتی ہے۔'' وہ گویا صفائی پیش کر رہی تھیں۔ عمیر نے سر ہلا کر تائید کی۔ عبدالعلی خاموش ضرور رہا مگر تاثرات صاف کہتے تھے بہرحال اس آخری بات سے اختلاف ہے اتفاق نہیں۔
''کب جانا ہے واپس؟ اتباع کی منگنی تک تو رکو گے ناں؟'' لاریب کے استفسار کیا تھا۔ اس نے محض سر کو اثبات میں جنبش دی تب ہی دونوں خواتین مطمئن ہوئی تھیں۔
''نیکسٹ ویک عبداللہ کے اعزاز میں پارٹی ہے بھائی جان کے ہاں۔ ہم سب انوائٹ ہیں۔'' لاریب نے گویا اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ عبدالعلی نے قدرے اُلجھ کر انہیں دیکھنا شروع کیا تھا۔ پھر گہرا متاسفانہ سانس بھرا۔
''دونوں تقریبات ایک ساتھ بھی ہوسکتی تھیں والدہ!'' اس اعتراض پر لاریب مدہم سا ہنسیں پھر وضاحت کے انداز میں گویا ہوئیں۔
''منگنی کی تقریب اعلیٰ پیمانے پر نہیں ہے۔ گھر اور فیملی کے لوگ ہوں گے بس۔ جبکہ یہ تقریب اعلیٰ پیمانے پر ہوگی۔ دوست احباب

سب شامل ہوں گے۔''

عبدالعلی نے محض کاندھے اُچکا دیے تھے۔ اتباع چائے لے کر آئی تو موضوع تبدیل ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

اس نے رات کے کھانے کی تیاری کا آغاز بریانی کے لیے گوشت نکال کر بھگونے سے کیا تھا۔ اس کے چاول صاف کرنے لگی۔ گیٹ پر اس نے کسی گاڑی کا ہارن تو سنا تھا مگر اتنا دھیان نہیں دیا۔ عبدالغنی بھی اب گاڑی استعمال کرتے تھے عبدالاحد اور عبدالعلی کو بائیک ہی پسند تھی۔ اس لیے قوی خیال تھا عبدالغنی کے حوالے سے۔ اس نے کام موقوف کر کے چائے بنائی تھی۔ لاریب اور عبیر دونوں شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ گھر پر وہ اور عبدالاحد اکیلے تھے۔ عبدالعلی بھی صبح کا کہیں نکلا ہوا تھا۔ بھاپ اُڑاتا ہوا چائے کا مگ ٹرے میں رکھے وہ اپنے دھیان میں اندر آئی تھی۔ مگر عبدالاحد کے ساتھ عبداللہ کو روبرو پا کے اس کے حواس ایک پل کو کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔ اس سے قبل کہ اس حیرانی سے نکل کر خود کو سنبھال کر واپس پلٹتی عبداللہ بڑے اسٹائل سے کھنکارتا ہوا اُٹھ کر اس کے راستے میں آ گیا تھا۔

''پلیز خفا نہیں ہوئیے گا۔ اس جسارت پر معذرت، مگر میں آپ کو خود انوائٹ کرنا چاہتا تھا، اس پارٹی کے لیے...... اگر آپ میری کال ریسیو کرلیتیں تو یہ نوبت شاید نہ آتی۔'' عبدالاحد معذرت کرتا ہوا وہاں سے جا چکا تھا۔ اتباع کی جان پر بن آئی تھی۔ اس نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ نم آنکھوں سے لحہ بھر کو اسے دیکھا۔

''آپ یہاں سے چلے جائیں...... پلیز!'' وہ بے حد روہانسی نظر آ رہی تھی۔ عبداللہ جو اسے بغور تک رہا تھا دونوں ہاتھ وضاحتی انداز میں اٹھاتا دو قدم پیچھے ہوا۔

''اتباع پلیز! اس طرح کا ایٹی ٹیوڈ مت رکھیں میرے ساتھ...... جیسے مجھ پر اعتماد نہیں ہو۔ جیسے میں یکسر غیر اور کوئی اجنبی ہوں۔'' اس کے لہجے میں عجیب سی اذیت کا، افسردگی کا رنگ اتر آیا تھا۔ اتباع نے جیسے سنا نہیں۔

''میں نے کہا...... آپ یہاں سے چلے جائیں۔ کیا آپ کو میری عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے؟'' دبے ہوئے لہجے میں کہتی وہ آخر میں چیخی۔ عبداللہ کے چہرے پر جانے کس احساس کے تحت بے تحاشا سرخی چھا گئی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا تھا اور اس کا بازو پکڑ کر خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے اپنے مقابل کرلیا۔

''آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں اتباع! کوئی لٹیرا، غاصب یا پھر نقب لگانے والا ایسا انسان جس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا؟ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ کی عزت کرتا ہوں۔ آپ کو اپنانا چاہتا ہوں۔ آپ کا رویہ اتنا نافہم ہے کہ میں خود اپنی نظروں میں گرنے لگتا ہوں۔ مجھے بتائیے یہ سب کیوں کر رہی ہیں میرے ساتھ۔''

اتباع نے اگلے پل تڑپ کر تنفر آمیز انداز میں اپنی کلائی سے اس کا ہاتھ جھٹک دینا بھی عبداللہ کو قہر سے بھر گیا تھا۔ مگر وہ اپنے اعصاب کو کنٹرول کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے باوجود طیش تھا کہ ابل رہا تھا۔ توہین کا احساس اس کی مردانگی پر ضرب کاری کرنے میں مصروف تھا۔ وہ ایکدم چھا جانے والی امپریسو قسم کی شاندار پرسنالٹی کا مالک تھا۔ خواتین اور لڑکیوں میں لیڈی کلرز کے نام سے جانا جانے والا جس کی نگاہ کی نرمی خوش بختی سے تعبیر کی جاتی تھی۔ ایسے میں

اتباع کا یہ انداز اس کے نزدیک سوائے ہتک کے اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ وہ جیسے شعلوں میں گھرتا جارہا تھا۔

''آپ ابھی بھی نہیں سمجھے، تو مجھے حیرت ہے مکمل کر سننا چاہتے ہیں تو سنیں پھر...... فون پر دوستیاں اور تنہائی میں ملاقاتیں...... شادی نہیں بربادی ہے دوچار کرتی ہیں۔ یہ بات میں اچھی طرح سے سمجھتی ہوں کہ مرد کی دوستی مرد سے اور عورت کی دوستی عورت سے ہوتی ہے۔ مرد اور عورت کی کبھی دوستی نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی ایسی غلط فہمی پال بھی لی جائے تو اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ عورت کے لیے مرد کا صرف ایک ہی روپ ہوتا ہے۔ اور شرعی رشتے کے بغیر وہ روپ صرف جانور کا روپ ہوتا ہے۔''

اس کی بات کے جواب میں وہ نم آنکھیں سختی سے رگڑتی، کھولتے اعصاب پر قابو پائے بنا بولی تو عبداللہ کے احساسات کی پروا کرنے کا اسے خیال تک نہیں آسکا۔ جس کی ذات کے پرخچے اس کے الفاظ کی بدولت اڑنے لگے تھے۔ اس قدر بے مروت انداز پر وہ گنگ سا کھڑا اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ انداز میں دکھ تھا۔ اضطراب تھا۔ اذیت تھی۔ جبکہ وہ اس شدومد سے مزید کہہ رہی تھی۔

''ہمارے یہاں منگنی شدہ جوڑوں کو بہت سی نرمیاں دے دی جاتی ہیں۔ جب ایک لڑکی کی منگنی ہوئی ہے تو دونوں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اکیلے گھوم پھر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے موبائلز نمبر بھی ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ تاکہ وہ ایک دوسرے سے جب جی چاہا خاص کر رات کو بات کرسکیں اور زیادہ مرد حضرات ہی بات کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور لڑکی اگر انکار کرے تو سمجھتے ہیں وہ خوش نہیں ہے۔''

اس کا لہجہ نم مگر واضح طور پر کاٹ دار اور طنزیہ تھا۔ عبداللہ ہونٹ بھیچے اسے دیکھتا رہا۔

''جبکہ منگنی کا دورانیہ مکمل طور پر اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ منگیتر بہرحال نامحرم ہی ہوتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی صحابہ کرامؓ کی اپنی منگیتر سے تنہائی میں ملنے کی کوئی مثال سنی ہے؟ اگر کچھ غلط عادات اُمتِ مسلمہ میں پھیل رہی ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ سب درست کام کررہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس نازک دور میں بہت سے فتنے پیدا ہوگئے ہیں۔ اب غلط کو بھی بہت فخر سے صحیح کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ اور جو حق ہے وہ عجیب اور عجیب تر بن گیا ہے۔''

عبداللہ کو ہنوز سمجھ نہیں آسکی تھی۔ اس کے تیز اور بے حد خفا لہجے میں دکھ کی آمیزش گہری ہے یا طنز کی۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور تائیدی انداز میں سر کو اثبات میں جنبش دینے لگا۔

''سب سے پہلے معذرت اتباع کہ میرے رویے نے آپ کو ہرٹ کیا۔ میرا اقدام واقعی غلط تھا۔ مجھے تسلیم میں عار نہیں۔ آئندہ میں اس وقت تک آپ سے نہ ملوں گا...... نہ بات کروں گا جب تک آپ کے تمام جملہ حقوق اپنے نام محفوظ نہیں کرالیتا۔ بلکہ مجھے یہ کام بہت پہلے کرلینا چاہیے تھا۔ یعنی منگنی کی بجائے نکاح کا، خیر...... دیر آئید درست آئید۔ اپنا خیال رکھنا۔ چلتا ہوں۔'' مدھم بھاری مگر مخصوص نرم اور کسی حد تک شوخ لہجہ آنکھوں میں خفیف سی شرارت۔ وہ کتنی تیزی سے خود پر قابو پاچکا تھا۔ کیا اس پر اتنی جلدی اثر ہوا تھا اس کی بات کا...... اتباع گنگ کھڑی رہ گئی۔

"اور ہاں...... ایک بات اور......" معاوہ جاتے جاتے کسی خیال کے تحت پلٹا اور اسے دیکھا۔ اتباع چونک کر متوجہ ہوئی مگر اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکی۔ اس کی آنکھوں میں شوخی و شرارت کا احساس ہی اتنا گہرا تھا۔

"آئندہ جب بھی یہ اچھی باتیں مجھے بتاؤ تو ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر، پیار کے تڑکے سمیت...... تاکہ پُر اثر ثابت ہوں۔" عبداللہ کے انداز میں ایک شوخی ایک اپنائیت آمیز احساس تھا۔ اتباع کے رخسار تمتما اٹھے۔ اس نے ہونٹ سختی سے بھیچے تھے۔

"بات سنیں عبداللہ!" وہ بولی تو اس کا لہجہ بلا کی سنجیدگی و متانت سمیٹ لایا تھا۔

"زہے نصیب...... آپ اور ہمیں پکاریں۔ بلکہ روکیں۔ کہیں خوشی سے دل دھڑکنا نہ چھوڑ دے۔" وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ پلٹا اور بے پایاں خوشی کو آشکار کیا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں موجود معنی خیز شرارت اتباع کو بے ساختہ گلگلوں کر کے رکھ گئی تھی۔ خود کو سنبھال کر اس نے قدرے شاکی اور خفا نگاہوں سے اسے دیکھا اور ہلکا سا رُخ پھیر لیا۔ دوپٹہ اس انداز میں اوڑھ رکھا تھا کہ چہرے کی بس ایک جھلک ہی عبداللہ دیکھ پارہا تھا۔

"میرا مخلصانہ مشورہ ہے۔ آپ یہ شادی نہ کریں۔ مختلف مزاج اور سوچوں کے حامل لوگ زیادہ عرصہ کسی مرکز پر خوش رہ سکتے ہیں نہ اکٹھے۔ مجھے لگتا ہے آپ بہت جلد تھک جائیں گے اس سفر میں۔"

وہ بولی بھی تھی تو کیا...... عبداللہ کے چہرے پر عجیب نافہم سا تاثر پھیل گیا۔ کچھ دیر ہونٹ باہم بھینچے وہ پرتپش نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر کسی قدر سخت لہجے میں گویا ہوا تو انداز کی خفگی بے حد واضح تھی۔

"سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے اتباع! کہ اس اہم معاملے میں مجھے آپ کے نادر مشورے کی قطعی ضرورت نہیں۔ دوسری بات یہ بھی سن لیں۔ میں نے محبت کی ہے اور محبت انسان کو برداشت بھی دیتی ہے، ہمت اور حوصلہ بھی۔ چلتا ہوں۔" اس کے لہجے کا ٹھہراؤ اس کے ضبط کا گواہ تھا۔ اس کے کمرے سے نکلتے ہی اتباع بے اختیار صوفے پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ یوں گویا عارضی سہی مگر کوئی بڑا محاذ سر کرلیا ہو۔

☆......☆......☆

وہ قدرے تاخیر سے سو کر اٹھا تھا۔ ڈائننگ ہال میں آیا تو امن بہت عجلت میں ناشتا کر کے اپنا بیگ اٹھائے نکلنے کو تیار تھی۔

"السلام علیکم بھائی!" اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ جواباً سر ہلا کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام سیکھ لیں بھائی! ورنہ اتباع سے اس بات پر اختلاف ہو جایا کرنا ہے آپ کا۔" اس کے چھیڑنے پر اس نے گہرا سانس بھر لیا تھا۔ اور بھنوؤں کو مخصوص مگر خوبصورت انداز میں جنبش دی۔

"خیریت......؟ آپ نے آج اس کے لیے کوئی پیغام نہیں دیا۔" امن نے آنکھیں پھیلائیں، ورنہ وہ ہر روز شرارتاً اسے اتباع کے حوالے سے کچھ نہ کچھ ضرور کہا کرتا تھا۔ اور کچھ نہیں تو اسے کالج چھوڑنے کی آفر ہی کر دیا کرتا۔ جواباً امن بے تحاشا ہنسے جاتی۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا آپ کو بھائی! محترمہ مکمل حجاب میں یونیورسٹی آتی ہیں۔"

"ہاں خیریت ہی ہے۔ آج تمہیں دیر نہیں ہورہی۔ چلو بھاگو۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا تو امن کاندھے اچکاتی باہر نکل گئی تھی۔ عبداللہ نے اپنے لیے گلاس میں جوس نکالتے ہارون اسرار کو دیکھا۔

"پاپا مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

وہ سرگوشی میں بولا تھا۔ جبھی ہارون چونک اٹھے۔

''خیریت...... گورنمنٹ سے راز رکھنے والی بات ہے۔'' ان کا جوابی مسکراتا شوخ اشارہ بریرہ کی جانب تھا۔ وہ اکثر اسے گورنمنٹ کا خطاب دیا کرتے تھے۔ عبداللہ نے کاندھے اُچکا دیے۔ پھر مدھم انداز میں گویا ہوا تھا تو نظریں دروازے کی جانب تھیں۔ جہاں سے بریرہ کسی وقت بھی اندر آسکتی تھیں۔

''مجھے منگنی نہیں نکاح کرنا ہے پاپا! پلیز انکار نہیں سنوں گا۔'' مطالبہ ایسا تھا کہ ہارون اسرار بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

''یہ کیا بات ہوئی یارِ من! جب شادی بعد میں ہی ہونی ہے تو پھر......''

''فرق پڑتا ہے پاپا! منگنی کی بہرحال کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ اس بات کو تو مانیں گے نا آپ؟'' وہ ان کی بات قطع کرکے عاجزانہ انداز میں گویا ہوا تھا۔ ہارون اسرار اسے دیکھتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ وہ ان کی نظروں کے انداز سے خفت کا شکار ہوتا جزبز ہو گیا تھا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں پاپا!'' اس کا احتجاج ہارون اسرار کا قہقہہ روک نہیں سکا۔

''اچھی باتیں کررہے ہو۔ اور یہ یقیناً اتباع سے ملاقات کا اثر ہے۔'' انہوں نے شرارت سے ٹکڑا لگایا۔ عبداللہ بری طرح سے جھینپا تھا۔ پھر اُلٹا ان پر چڑھائی کردی۔

''آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ آپ کو ایسی بہو مل رہی ہے۔''

''میں تو خوش ہی ہوں۔ اب تو اور زیادہ ہوں۔ مگر تمہاری ماں ضرور رکاوٹ ڈالے گی۔ ہے بھی بات غلط...... ہم اپنی بات سے پھریں گے ایک طرح سے۔'' انہوں نے جتلایا۔ عبداللہ نے کاندھے جھٹک دیے۔

''آپ یہی بات کہیے گا ناں۔ نہیں کریں گی اعتراض۔'' وہ مطمئن تھا۔

''سیدھی طرح سے مان لیں یارِ من! کہ آپ اتباع بیٹی کے اعتراضات کا توڑ کرنا چاہتے ہیں۔'' ان کی گہری متبسم نظروں نے عبداللہ کی خفت کا انت نہیں چھوڑا تھا۔

''پاپا......!'' وہ احتجاجاً چیخا۔ ہارون اسرار ہنستے رہے تھے۔ اور جب انہوں نے عبداللہ کی موجودگی میں ہی یہ بات کہی تو بریرہ کو واقعی تاؤ آگیا تھا۔

''ہرگز بھی نہیں۔ میں بھائی کے سامنے یہ مطالبہ نہیں رکھوں گی۔ وہ کیا سوچیں گے ہمارے متعلق کہ ہماری ایک زبان ہے ہی نہیں۔'' اس صاف انکار پر عبداللہ کا منہ لٹک گیا۔

''ماما آپ کو اپنے بیٹے کا ساتھ دینا چاہیے۔'' عبداللہ نے گویا اسے بلیک میل کرنا چاہا مگر کامیابی نہیں ہوسکی۔

''میں حق بات کا ساتھ دوں گی۔ یہ کوئی تک نہیں بنتی ہے کہ منگنی سے ہم نکاح پہ آجائیں۔'' بریرہ نے اسے بھی ڈانٹا۔

''مگر حق سچ بات تو یہ ہے کہ نکاح ہو۔ منگنی نہیں، بی کوز منگنی کی حیثیت نہیں ہے ہمارے مذہب میں، اور پھر اتباع شرعی پردہ بھی کرتی ہے۔'' وہ بالآخر کھل کر اپنے مقصد پر آیا۔ بریرہ نے اسے بڑی جانچتی نظروں سے دیکھا۔

''ہاں تو تم اس دوران نہ ملنا اس سے۔ یہ اتنا ضروری بھی نہیں۔'' عبداللہ کے ہر انداز میں احتجاج در آیا۔ اس نے زور سے کپ ٹیبل پر رکھا تھا۔

''میں ہرگز ایسا نہیں چاہتا تھا۔''

''کم ڈاؤن بیٹے! میں خود بات کروں گا۔

عبدالغنی مان جائیں گے۔'' ہارون اسرار کی طرفداری نے بریرہ کو اچھا خاصا خفا کر ڈالا۔ جس کا اظہار بھی ان کے الفاظ سے ہوتا رہا۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ انہوں نے عبداللہ کی ہر جائز ناجائز بات مان کر ہی اسے ایسا بنا دیا ہے۔ اسے دین کا تو جیسے پتا بھی نہیں وغیرہ۔

''پاپا مما خفا ہو گئی ہیں۔'' عبداللہ نے باپ سے سرگوشی کی تھی۔ ہارون اسرار اس کا کاندھا تھپکتے جواباً مسکراتے رہے اور بریرہ کو بڑی فرصت سے تکنے میں مصروف رہے۔ یہ ان کی عادت تھی۔ بریرہ کو جب کبھی بھی غصہ آتا۔ وہ بڑی فراخدلی سے انہیں غصہ نکالنے کا موقع مکمل خاموش رہ کر دیتے۔ اور خود اسے مسکرا مسکرا کر دیکھتے رہتے۔ سچی بات یہ تھی۔ انہیں بریرہ کا یہ روپ بہت پیارا لگتا تھا۔ انہیں آج بھی یہ بات پوری جزئیات سے یاد تھی۔ جب ابتاع کی پیدائش پہ انہوں نے بریرہ کا ہاتھ تھام کر اتو کھی فرمائش کی تھی۔

''تم جیسی ہو ناں اب بریرہ! کبھی میری شدید خواہش یہی تھی کہ تم ایسی ہو جاؤ۔ دھیمی...... نرم گفتار...... اور بہت فرمانبردار...... اب تم ایسی ہو تو میں اُس بریرہ کو مس کرنے لگا ہوں۔ جو بہت اکڑ والی، نخوت زدہ اور خونخوار تھی۔ جس کا غصیلا پن جتنا بھی پراؤڈی تھا مگر اپیل کرتا تھا۔ اتنا اپیل کرتا تھا کہ میں اس سے دور بھاگ بھاگ کر تھک گیا۔ اپنے آپ کو فریب دینے کی کوشش میں ہار گیا۔ میں نے جانا تھا تم جیسی بھی ہو جتنی بھی مغرور ہو۔ مگر مجھے محبت تم سے ہی ہے۔ میں کبھی تم سے اپنے دل کی محبت کو جدا نہیں کر سکتا۔''

انہوں نے کچھ توقف کیا تھا پھر اس کے چہرے پر تبسم انگیز جذباتی نگاہیں جما کر اسے نروس کرتے ہوئے مزید کہنا شروع کیا تھا۔

''میں چاہتا ہوں۔ کبھی تم مجھ سے لڑائی بھی کرو۔ زبردستی اپنی بات منواؤ۔ مجھے غصہ دلاؤ۔ پھر جب ہم لڑیں تو ہمارے بچے ہماری صلح کروائیں۔ کبھی میں تم سے بچوں کے ذریعے بات کروں۔ کبھی اِن ڈائریکٹ تم مجھ سے مخاطب ہو۔ بریرہ......! ایسی پیار بھری چھوٹی موٹی لڑائیوں سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جانتی ہو ناں تم؟''

ہارون کی سحر طراز آنکھوں میں کس درجہ حسین رنگ جھلک رہے تھے۔ بریرہ کا گلا غم سے بھرنے لگا۔ یہ وہ انمول اور قیمتی شخص تھا۔ جو صرف قدر دانی اور محبت کے قابل تھا۔ مگر اس نے بہت ناروا سلوک کیا تھا اس کے ساتھ۔ نم آنکھیں اسی شرمندگی وخفت کے بھرپور احساس سمیت آنسو لٹانے لگیں تو ہارون کی پریشانی اور اضطراب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

''بریرہ! میری جان! ہوا کیا؟ میری کوئی بات بری لگ گئی؟'' وہ کس درجہ مضطرب تھا۔ ہراساں اور بیکل، بریرہ نے سر کو نفی میں جنبش دیتے اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھ سے نکال کر خود ان کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔

''آپ یقین کر لیں ہارون کہ آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر ہے۔ مگر ڈرتی ہوں۔ گستاخی نہ ہو جائے۔ اس گستاخی کے باعث بہت کشٹ کاٹے ہیں۔ بہت عرضیاں لکھیں ہیں رب کے دربار میں..... تب جا کے معافی کا اذن ملا تھا۔ اگر میں نے پھر آپ کو خفا کر دیا تو اللہ ناراض ہو جائے گا۔ اور اللہ کی ناراضگی سہنے کا یارا نہیں ہے مجھ میں۔''

اس کے ہاتھوں کو لبوں سے چھو کر نم آنکھوں سے عقیدت مندانہ انداز میں لگاتی ہوئی وہ واقعی کتنی سہمی ہوئی لگتی تھی۔ اور انداز کی یہ دلربائی تو ہارون اسرار جیسے پہلے سے اسیر انسان کو گویا پوری

طرح گھائل کر کے رکھ گئی۔ ہارون اسرار اس کے بعد کچھ نہیں بولے۔ ہاں البتہ بریرہ کبھی کبھار ضرور ان کی یہ خواہش پوری کر دیتی۔ شروع شروع میں کسی بھی غیر معمولی بات پر اختلاف ہوتا۔ جہاں بریرہ کو لگتا وہ غلط ہیں۔ وہ درستی چاہتی اور ہارون دانستہ غلط پوائنٹ پر اٹک جاتے۔ بس پھر بحث طول پکڑتی۔ اور بالآخر ہارون اسے منا لیتے۔ مگر اس دوران بچے خاص کر عبداللہ ضرور پریشان ہو جاتا۔ ہارون کی خاموشی جو ان کے قصور یا غلطی کی غماز ہوتی۔ بریرہ کی جھنجلاہٹ میں اضافے کا باعث بنتی۔ ایسے میں عبداللہ کی جان پر بن جایا کرتی۔

''پاپا! آپ نے مما کو خفا کر ڈالا ہے۔'' جواب میں ہارون کتنے اطمینان بھرے انداز میں بے نیازی سے کہا کرتے تھے۔

''ارے یار! لڑتی جھگڑتی بیوی کو منانا ہرگز مشکل کام نہیں ہے۔'' لیکن عبداللہ کی تسلی ہو کر نہ دیا کرتی۔ وہ ہنوز اسی پریشانی میں مبتلا اگلا سوال کر لیا کرتا۔

''اتنا غصہ ہے مما کو..... اب کیسے منائیں گے آپ؟'' تب ہارون اسرار بریرہ کی جانب قدرے جھک کر کسی قدر شرارت آمیز انداز میں اپنی براہِ راست تکتے ہوئے خوشبو بھرے لہجے میں کہا کرتے تھے۔

''کیا خیال ہے بیگم صاحبہ! بچوں کے سامنے ہی منالوں۔'' اور جواباً بریرہ کا چہرہ ایسے سرخ پڑ جایا کرتا گویا ابھی خون ٹپک پڑے گا۔ تب اسے کہاں فرق معلوم ہو سکتا تھا۔ یہ سرخی غصے کی ہوتی تھی یا حیا کی۔ اور تب ہارون اسرار اطمینان بھرے انداز میں اس کا سر تھپتھپا کر مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اسے وہاں سے سرکا دیتے۔

''تم جاؤ یار! ریلیکس، میں منالوں گا تمہاری ماں کو۔'' یہ سین عبداللہ نے اپنے بچپن میں اور لڑکپن میں بھی لاتعداد مرتبہ دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ ہائیر اسٹڈی کے لیے چلا نہیں گیا۔ مگر آج ہارون اسرار نے پہلے ہی ڈائیلاگ میں تبدیلی کر دی تھی۔

''لڑتی جھگڑتی بیوی کو منانا ہرگز مشکل کام نہیں ہے صاحب زادے! تمہاری چونکہ شادی ہونے والی ہے۔ تو اب بہتر ہے تم بھی یہ طریقہ سیکھ لو۔ اِدھر دیکھو۔'' انہوں نے بے حد سنجیدگی سے کہتے پوری طرح بریرہ کی جانب متوجہ ہو کے ان کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ بوکھلا کر بے ساختہ چیخ پڑیں۔

''ہارون......! کیا کرتے ہیں۔'' عبداللہ جو خود پہلے ہونق تھا پھر کھسیانا ہو کر ہنسنے لگا۔ بریرہ کے چہرے کی لالی کتنا دلکش روپ انہیں دے رہی تھی۔ ہارون اسرار نے بلند آہنگ قہقہہ لگاتے ہوئے فخریہ اور داد طلب نظروں سے بیٹے کو دیکھا تھا۔ جس کی کھسیاہٹ اب دور ہو گئی تھی۔ اور ہنسی ہارون کے قہقہے میں بدل گئی تھی۔

''آپ کی بہو صاحبہ کو مجھ سے یہ ہی شکایت ہے کہ میں اتنا بے باک کیوں ہوں۔ اس قدر رومینٹک کیسے ہوں۔ مجھے بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ اب پتا چلا' یہ تو جینز کا اثر تھا۔''

اس کا لہجہ شرارت سے لبریز تھا۔ ہارون نے اسے جواباً محبت پاش نظروں سے دیکھا پھر مسکرا دیے۔

''لیکن پسر! واضح رہے ابھی آپ کا نکاح نہیں ہوا۔ بے باک اور رومینٹک ہونے کی ابھی اتنی ضرورت بھی نہیں۔'' انہوں نے گویا حد بندی واضح کی۔ عبداللہ نے گہرا اور طویل متاسفانہ قسم کا غمگین سانس بھرا اور انہیں طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''اسی لیے تو نکاح کرنا چاہتا ہوں پاپا! تاکہ

محترمہ کے اعتراضات کو کند کرسکوں۔''
''اور خود بے باک ہونے کا پرمٹ حاصل کرسکو۔'' بریرہ جو باپ بیٹے سے خاصی جلی بیٹھی تھیں۔ چلبلا کر بولیں۔ عبداللہ اور ہارون کا چھت پھاڑ قہقہہ پھر انہیں غصہ دلا گیا۔
''بس کہہ دیا۔ میں ہرگز بھائی سے بات نہیں کروں گی۔'' انہوں نے مزید وارننگ کی تو عبداللہ نے اٹھ کر ان کے گلے میں بازو حمائل کردیے تھے اور اپنے ہونٹ ان کے گال پر رکھ دیے۔ وہ جانتا تھا اب وہ پگھلیں گی۔
''پرامس ماما! ہرگز آپ کی لاڈلی بھتیجی کو تنگ نہیں کرتا۔ مگر نکاح کی سفارش تو کردیں پلیز۔'' وہ ملتجی ہوا۔ بریرہ نے بے بس نظروں سے اسے دیکھا اور جیسے شکست تسلیم کرلی تھی۔

☆......☆......☆

اِک کسک دل کی دل میں چھپی رہ گئی
زندگی میں تمہاری کمی رہ گئی

وہ بستر پر اوندھے منہ لیٹی بارش کی آواز کو سنتی تھی۔ نیم تاریک ماحول میں موسیقی کی مدھر تانیں بکھرتی تھیں اور اس کے دل کے درد کو بڑھاوا دے جاتی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی سطح بھی نم ہونے لگی۔

ایک میں، ایک تم، ایک دیوار تھی
زندگی آدھی آدھی بٹی رہ گئی

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر بستر چھوڑ کر طویل و عریض بیڈ روم کے طول و عرض ناپنے لگی۔ انداز میں اضطرار اور بے قراری بے حد گہری تھی۔ شانوں سے نیچے تک لہراتے بال بے ترتیب تھے مگر سچی بات تھی اس بے ترتیبی میں بھی غضب کا حسن تھا۔ دلکشی تھی۔

رات کی بھیگی بھیگی چھتوں کی طرح
میری پلکوں پہ تھوڑی نمی رہ گئی
میں نے روکا نہیں وہ چلا بھی گیا
بے بسی دور تک دیکھتی رہ گئی

اس نے گہرا سانس بھرا اور بے دلی کے انداز میں آگے بڑھ کر ٹیپ آف کردیا۔ اکتاہٹ کا واضح تاثر اس کے چہرے سے ہویدا تھا۔ ہونٹ کاٹ کاٹ کر آنکھوں کی نمی اندر اتارتے وہ دوبارہ بستر پر آگئی۔ کمبل ٹانگوں پر کھینچا اور تکیہ درست کرنا چاہا مگر ہاتھ میں سیل فون آگیا تھا۔ وہ کچھ ثانیے اسی زاویے پر ساکن فون کی تاریک اسکرین کو گھورتی رہی۔ پھر جانے کیا دل میں سمائی تھی کہ اتباع کا نمبر سرچ کرکے ڈائل کا نمبر پش کردیا تھا۔ اس کا نمبر ناٹ رسپانڈنگ تھا۔ قدر کا جھنجلاہٹ سے بوجھل دل کچھ اور بھی جھلا گیا۔ کوئی مقصد بھی نہیں تھا۔ کوئی کام بھی نہیں، بس وہ اتباع سے بات کرکے فی الحال اسی کیفیت سے نجات پانا، اپنا ذہن بٹانا چاہتی تھی۔ جبھی سیل فون پر رسپانس نہ پاکر لینڈ لائن پر ٹرائی کرلیا تھا۔ ایک بار پوری گھنٹیاں بجی تھیں۔ دوسری بار پھر بجنے لگیں۔ وہ اتنی مگن تھی...... اس حد تک بے خیال کہ یہ احساس بھی نہیں رہا رات کا یہ کون سا پہر جارہا ہے۔
''السلام علیکم! کو...... ن...... ! ہوجانی......''
عبدالعلی کی بھاری بھرکم خوابیدہ آواز اس کی سماعتوں میں اُتری تو اس کا دل ایکدم اچھل کر حلق میں آگیا۔ مگر اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہ رہا تھا کہ پورے وجود میں عجیب سا قرار اتر آیا تھا۔ یوں جیسے صدیوں کی تلاش کے بعد منزل اچانک سامنے آگئی ہو۔ وہ اس احساس، اس کیف میں اس طور محو ہوئی کہ عبدالعلی کی آواز میں موجود پریشانی کو بھی محسوس نہیں کرسکی۔

''سب خیریت تو ہے ناں بو......! کچھ بولیں پلیز! میں پریشان ہو رہا ہوں۔'' وہ اب کے قدرے بلند آواز میں پکار کر بولا تو قدر ہڑ بڑا کر جیسے اس احساس سے باہر آتی گڑبڑا کر رہ گئی۔ اور کچھ نہیں سوجھا تو سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ اسے احساس نہیں تھا۔ یہ حرکت دوسری جانب کس درجہ تشویش واضطراب کا باعث بن سکتی ہے۔ جبھی محض دس منٹ کے توقف سے عبدالعلی کے نمبر سے آنے والی اس کے فون پر کال اس کا دل دھڑکانے کا باعث بن گئی تھی۔ کچھ دیر یونہی غیر یقینی سے فون کو گھورتے رہنے کے بعد اس نے جھپٹ کر فون اٹھالیا تھا۔

''فون تم کر رہی تھیں؟'' بنا سلام دعا کے کڑا لہجہ بے مروتی سے لبریز اس کی ساری خوشی، خوش فہمی کو کافور کرنے کا باعث ٹھہرا تھا۔ مگر فرار کا چارہ بھی نہیں تھا۔ اسے اقرار کرنا پڑا۔

''ج...... جی۔'' آواز اس کے حلق سے پھنس کر نکلی۔

''کیوں......؟'' دوسری جانب انداز پہلے سے بھی کڑا ہوا۔ تفتیش کا یہ بے مہر انداز قدر کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر کے رکھ گیا۔ وہ کچھ اور گڑبڑائی۔

''مم مجھے بات کرنی تھی ابتاع سے۔'' جواب ناگزیر تھا۔ ورنہ محترم غلط فہمی کا بھی شکار ہو سکتے تھے۔ یہی گوارہ نہ تھا اسے۔ ضروری تو نہیں ہے۔ اپنی شکست تسلیم کرنی۔ خود کو چاروں شانے چت سامنے گرانا اسے ہرگز پسند نہیں تھا۔

''ایسی کون سی افتاد آپڑی تھی کہ اس وقت فون کھڑکا دیا۔ صبح نہیں ہوتی تھی کیا؟'' دوسری جانب بدمزگی اور بے لحاظی کی انتہا تھی۔ قدر بکی کے احساس سمیت روہانسی ہونے لگی تھی۔ سرد مہری اور تندی صاف جتلاتی تھی سامنے والے کے نزدیک آپ کی کیا اہمیت وخاصیت ہے۔ یہی بے قدری اسے دہکا کر آتش فشاں بنا گئی تھی۔

''اطلاعاً عرض ہے۔ یہ جہاں میں نے کال کی میرے ماموں کا گھر ہے۔ اور میں اپنی کزن سے بات کرنا چاہتی تھی۔ آپ سے نہیں۔ جبھی آپ کی آواز سُن کر فون بند کر دیا تھا۔ کہتے ہیں سمجھ دار کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ آپ نے کیوں کال کی دوبارہ میرے فون پر۔'' اس کا لہجہ وانداز جتنا بھی تنفر آمیز تھا۔ مگر واضح طور پر نم اور روہانسا تھا۔ جسے پوری طرح سے محسوس کرتا عبدالعلی چند ثانیوں کو بالکل خاموش ہوگیا تھا۔ پندار کی حفاظت کرتی ہوئی یہ لڑکی اسے پہلی بار کسی قدر معقول لگی تھی۔ جبھی خود کو کمپوز کر کے کسی قدر رسانیت سے گویا ہوا۔

''رات کے دو بج رہے ہیں اور اس وقت شریف لوگ آرام ہی کرتے ہیں۔ یہ ایٹی کیٹس کے خلاف ہے کہ بغیر خاص وجہ کے ڈسٹرب کیا جائے۔ آپ کو خود سمجھنی چاہیے تھی یہ بات۔ میں پریشان ہوگیا تھا آپ کے گھر کا نمبر دیکھ کر...... اوپر سے آپ نے بات کیے بنا لائن کاٹ دی تو یہ تشویش مزید بڑھ گئی۔ آپ کو اس بات کا خیال کرنا چاہیے تھا قدر......!'' رات کا سناٹا، اس کا دھک دھک کرتا دل...... اور اس شخص کی آواز کا زیر وبم جو اس کے نزدیک سب سے اہم اور خاص مقام حاصل کر چکا تھا۔ قدر نے اس آواز اور لہجے کی نرمی کو محسوس کیا تھا۔ اور ہولے سے مسکرادی۔

''آئی ایم سوری! واقعی مجھے خیال کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے بالآخر شکست تسلیم کر لی۔ عبدالعلی نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم!'' اس کا لہجہ پھر کسی

قدر خشک ہوا اور قدر کا دل پھر اس تبدیلی کو پا کر دکھ سے بھرنے لگا۔ کچھ کہے بغیر اس نے کال کاٹ دی۔ سیل فون پٹخ کر اس نے نم جلتی ہوئی آنکھیں سختی سے میچ ڈالیں۔

''مجھے کیوں ایسا لگتا ہے بعد العلیٰ کہ تم نہیں بدل سکتے۔ تم کبھی مجھے خوش نہیں کر سکتے۔'' آنسو قطرہ قطرہ کنپٹیوں سے پھسلتے اس کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

☆......☆......☆

ان کی توقع کے برعکس عبدالغنی یا پھر لاریب نے کسی قسم کا کوئی اختلاف ظاہر نہیں کیا۔ منگنی کی بجائے نکاح پر وہ لوگ قدرے مطمئن نظر آتے تھے۔ ہارون اسرار نے فاتحانہ نظروں سے بریرہ کو دیکھا تو وہ محض سرد آہ بھر کے رہ گئی تھیں۔

''آپ خوامخواہ ڈر رہی تھیں بیگم صاحبہ! دیکھ لیں کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوا الحمدللہ!'' وہ مسکرا کر بولے تو بریرہ بھی بالآخر مسکرانے لگی تھیں۔

''چلیں آپ کے بیٹے کی مراد تو پوری ہوگئی۔ مگر نکاح کو من مانی کا پرمٹ نہ سمجھ لے۔ ہمارے گھرانے کی روایات کا پتا تو ہوگا آپ کو۔'' انہوں نے گویا ان پر حد بندی واضح کی تو ہارون نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبالی تھی۔

''بہت اچھی طرح سے پتا ہے۔ اپنی بے قراری بھی...... آپ کی بے مہری بھی...... مجھے تو کبھی کبھار لگتا ہے تاریخ اپنا آپ دہرا رہی ہے۔'' ان کا انداز کسی حد تک شرارتی ہوا مگر بریرہ پھر بھی جیسے پوری جان سے لرز گئی تھیں۔

''خدا نہ کرے ہارون! جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا ہمارے بچوں کو بھی ایسا وقت دیکھنا پڑے۔ اللہ بس ان کے نصیب اچھے کرے آمین۔''

''ثم آمین۔'' ہارون اسرار نے نرمی سے جواب دیا تھا۔ واپسی کا سفر بہت خوشگوار تھا۔ ہارون نے راستے سے مٹھائی لے لی تھی۔ گھر پہنچے تو امن کے ساتھ عبداللہ بھی منتظر تھا ان کا۔ انداز میں اتنی بے چینی بے قراری تھی کہ ہارون کا قہقہہ مچل گیا تھا۔ اس کی شاکی نظروں کے جواب میں۔

''میں آپ کو کال کرتا رہا پاپا اور آپ......''

''میں اپنے بیٹے کو ایسے خوشخبری سنانا چاہتا تھا۔'' انہوں نے ڈبہ کھول کر پوری گلاب جامن اس کے منہ میں ٹھونس دی تھی۔ امن کی ہنسی چھوٹ گئی جبکہ عبداللہ سب کچھ بھلائے بے پایاں خوشی کے احساس میں گھرتا بے اختیار ان کے گلے لگ گیا تھا۔

''اس کا مطلب پاپا میں جیت گیا۔'' ہارون نے اس کا مضبوط شانہ تھپتھپایا تھا اور ڈبہ امن کے سامنے کر دیا۔

''لو بیٹے! اپنی ماما کا اور اپنا منہ بھی میٹھا کرو۔''

''بھائی واقعی بہت بے چین تھے۔ اتنے کہ بس بتا بھی نہیں سکتی۔'' امن کھلکھلائی اور ایک مزید گلاب جامن اُٹھا کر عبداللہ کے سامنے کی۔

''میں زیادہ سویٹ نہیں کھا سکتا معذرت۔'' وہ ٹوک گیا تھا۔ امن پھر ہنسنے لگی۔

''جتنی بڑی کامیابی ملی ہے۔ اتنا سا کام بھی نہیں کر سکتے آپ؟''

''یہ اتنا سا کام نکاح کے دن تک ملتوی کر رکھو، موصوفہ کو کھلانا میرا جھوٹا...... ممکن ہے اسی طرح کچھ انہیں بھی محبت ہو جائے مجھ سے......'' ترچھی نگاہوں سے بریرہ کو دیکھتا وہ کسی قدر شرارت سے بولا۔ وہ بس گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھیں۔

''آپ نے اسامہ بھائی کو نہیں بتایا...... انوائٹ تو کریں آپ ہارون! ممکن ہے اب ہی آ جائیں۔ ہمارے خاندان میں ہمارے بچوں کی زندگی کا اہم موقع

ہوگا یہ......'' بریرہ کا انداز قائل کرنے والا تھا۔ ہارون اسرار خاموشی سے انہیں تکتے رہے۔

''ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں پاپا! اب تو ارسل بھائی بھی ٹھیک ہیں۔ وہ جانے کیوں واپس نہیں آتے۔'' عبداللہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ امن البتہ خاموش رہی تھی۔

''میری بات ہوئی تھی اسامہ سے، تمہاری منگنی کی اطلاع دے کر شرکت پر بھی اصرار کیا تھا۔ کہہ رہا تھا کوشش کرے گا۔ اب دیکھیں......''

''آپ اب نکاح کا بتائیں چاچو کو پاپا! یہ زیادہ اہم ایونٹ ہے۔ آئی تھاٹ وہ ضرور آئیں گے اب تو......''

''ہاں کروں گا پھر بات...... انشاء اللہ آئے گا وہ بھی......'' ہارون اسرار کے انداز میں بھائی کے لیے محبت تھی۔

''میں خالہ جانی کو بھی یہ خوشخبری سنادوں۔ ورنہ پھر شکوہ کریں گی۔ انہیں ہم بھول جاتے ہیں۔ بس ماموں کو یاد رہتی ہیں وہ......'' عبداللہ نے ہنستے ہوئے اپنا سیل فون اٹھایا۔

''میری بھی بات کرایئے گا بھائی خالہ جانی سے اور قدر سے بھی......'' امن نے اسے اٹھتے پا کر ہانک لگائی تھی۔ وہ اَن سنی کیے نکل گیا۔ امن نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب کر ماں کو دیکھا تھا۔

''یہ بھائی خالہ جانی سے بات کرنے کے بہانے ابتاج سے تو نہیں کرنے لگے۔'' اس کا انداز بے حد شوخ و شنگ تھا۔ بریرہ نرمی سے مسکرا دی تھیں۔

''ابتاج سے نہیں کرے گا وہ ابھی، کم از کم نکاح سے پہلے...... اتنا انا پرست تو ہے میرا بیٹا۔'' ہارون اسرار کے لہجے میں فخر تھا۔ بریرہ نے ان کے انداز پر انہیں چونک کر دیکھا۔ پھر آہستگی سے ہنس دی تھیں۔

''جی...... بالکل آپ پر گیا ہے۔ انا کو عزیز رکھنے میں۔''

''ہونا بھی چاہیے۔ مرد میں وقار اور انا نہ ہو، تو اس کی شخصیت کا چارم ختم ہو جاتا ہے۔'' ہارون کا لہجہ مضبوط تھا۔ بریرہ قائل ہوئی تھیں مگر تائید نہیں کی۔ امن سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی۔

☆......☆......☆

ہم کسی کام کے نہیں ورنہ
تم کسی کام سے ہی آجاتے

اس کے پُر اعتماد انداز میں اٹھتے قدم ٹھٹھکانے کا باعث یہ پُرسکون مگر گہری طنزیہ آواز تھی۔ جو اس کی داہنی جانب سے اُبھری تھی۔ اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ اٹکا تھا۔ اس نے سختی سے نگاہ کو اپنے پیروں پر جمایا اور قدموں کی رفتار تیز کر دیں۔

قدموں اور شعر کی آواز بتلاتی تھی۔ وہ اس کے پیچھے آرہا ہے۔ امن کو لگا سر سے جیتا پسینہ دھاریوں کی صورت اس کے وجود سے سرکنے لگا ہو۔ خوف اس کا دل بند کرنے لگا۔ پچھلے دو دن وہ جان بوجھ کر نہیں آئی تھی۔ احتمال تھا۔ یہ فضول انسان اس دوران اپنی نظروں کی ہوس مٹانے کو کوئی اور چہرہ تلاش کرلے گا۔ مگر اب لگتا تھا۔ وہ تو اس دوران ایک ہی کام کر سکا۔ اور وہ کام تھا اس کا انتظار۔

''یار حسین لوگ اتنے بے حس کیوں ہوتے ہیں؟'' گراہ کرا اپنے کسی آوارہ دوست سے سوال ہوا۔ مگر کیا شک کہ سنایا اسے ہی گیا تھا۔ امن صحیح معنوں میں روہانسی ہونے لگی۔ حجاب کے اندر اس کا وجود سنسنانے لگا۔

''دو دن دیدار نصیب نہیں ہوا۔ دو دن سولی پر لٹکا ہوں۔ مان لیا...... عشق کتنا ظالم ہوتا ہے...... مگر محبوبہ سے زیادہ نہیں......''

وہ مسلسل بکواس کر رہا تھا۔ مسلسل اس کے

تعاقب میں تھا۔ کالج گیٹ سے اپنے ڈیپارٹمنٹ کا فاصلہ امن کو پل صراط طے کرنے کے مترادف لگنے لگا۔ تمام تر طیش کے باوجود وہ کچھ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں اس کے منہ لگنا گوارا نہ تھا۔ آس پاس اسٹوڈنٹس تھے۔ آتے جاتے...... ٹولیوں کی صورت کھڑے خوش گپیوں میں مصروف مگر جیسے اس کا تماشا دیکھتے...... مفت کا تماشا دیکھتے۔ کون آگے بڑھتا کہ دائم فاروق کی شہرت کسی کو اس سے اُلجھنے کی ہمت نہیں دیتی تھی۔ وہ اس کالج کے ڈان کے طور پر معروف تھا۔ جس کا کام ہی بدمعاشی کرنا اور خوامخواہ مسائل کھڑے کرنا تھا۔ شریف طلبہ اس سے کتراتے تھے جبکہ اس جیسے اس کے چیلے بن چکے تھے۔ امن کو بدحواس بھاگتے پاکر وہ وہیں ٹھہر گیا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی رُک گئے تھے۔

''آپ کی چوائس لاجواب ہے دائم! فل پیک ہوتی ہے ہر دم بیوٹی! اس کے باوجود پتا لگتا ہے اندر میٹریل کتنا پیور ہے۔ کس درجہ دلکش......''

اس کے ساتھی کا انداز عامیانہ اور سطحی تھا۔ وہ جواباً تفاخر سے ہنسا تھا اور کتنی دیر گویا خود اس طرح ہنستے اپنے آپ کو داد دیتا رہا۔

''وہ انوکھی ہے عام نہیں...... جبھی تو منتخب ہوئی ہے سرمد! دیکھنا تم...... اس کا غرور اک دن میرے قدموں کی خاک بن جائے گا۔ کیا تم یقین کرسکتے ہو...... یہ میری ملکیت ہوگی اک دن......؟'' وہ زعم سے سوال کررہا تھا۔ سرمد نے جاندار بے باک قہقہہ لگایا تھا۔

''مجھے یقین ہی یقین ہے دائم فاروق! لیکن کیا تم اسے وقتی طور پر جھکانا چاہتے ہو......'' دائم فاروق نے اس کی بات کی گہرائی کو سمجھا، جانا اور ہنسے گیا۔

''اس کا فیصلہ نہیں ہوا ابھی...... ! اس کا فیصلہ اس کا ایٹی ٹیوڈ کرے گا۔ ابھی تو بس یہ اچھی لگتی ہے۔ حدیں توڑنے کو دل کرتا ہے۔ ضرورت دائمی ہے یا عارضی...... اس کا فیصلہ وقت پر چھوڑا ہے۔''

کلاس روم میں اپنا سرکتا ہوا حجاب درست کرتی ہولے ہولے کانپتی امن اتباع کو نہ پاکر مزید پریشان ہوچکی تھی۔ اسے اپنا یوں چلے آنا مضطرب کرنے لگا۔ آف ہونے تک وہ اسی وحشت بھری دہشت کا شکار ہر ہر آہٹ پر چونکتی رہی تھی۔ اور جب اسے کہیں نہ پاکر کسی قدر مطمئن ہوئی وہ بلائے جان کی طرح پھر اس کے اعصاب پر خوف بن کر سوار ہوگیا تھا۔

''مجھے تمہارا کانٹیکٹ نمبر چاہیے امن! پلیز اب یہ نہ کہنا کہ تمہارے پاس فون نہیں ہے۔''

امن جو اس کی جرأت پر گنگ دہشت سے پھٹی آنکھوں اور شل اعصاب لیے ساکت کھڑی تھی۔ حواسوں میں لوٹتی جھک کر اپنا بیگ اٹھا کر دیوانہ وار وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی کہ اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے دائم نے فوری حرکت میں آتے اس کی کلائی جکڑلی۔ امن نے تھرا کر پہلے اسے...... پھر اس کی گرفت میں موجود اپنی کلائی کو دیکھا اور ناکام ضبط جیسے اس گستاخانہ جرأت پر ختم ہوا تھا۔ ہر مصلحت بھلائے اس نے ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑوائی تھی۔ اس سے قبل کہ دائم کچھ سمجھ پاتا۔ امن کا نازک ہاتھ بھرپور طمانچے کی صورت اس کے چہرے پر نشان ثبت کرگیا تھا۔

''دفع ہوجاؤ...... اس سے قبل کہ میں اور ایسا ہی ڈیزائن بناڈالوں۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر چلائی اور اسے سامنے سے دھکیل کر خود وہاں سے بھاگتی باہر نکل گئی تھی۔ دائم یوں کھڑا تھا۔ گویا پتھرا گیا ہو۔

(لفظ لفظ مہکتے اِس خوبصورت ناول کی
اگلی قسط ماہِ اگست میں ملاحظہ فرمایئے)

افسانہ

ساجن سنگ عید

اس نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ ہشام کی یاد اس کے دل سے مٹا دے تو اس وقت اللہ میاں نے ہشام کی یاد کو مکمل طور پر اس کے دل سے مٹا کر اس میں صرف اور صرف ارباز کی فکر اور اس کی پریشانی بھر دی تھی لیکن کتنے انوکھے طریقے سے بادل زور سے گرجے اور......

کبھی کبھی قدرت یوں بھی مہربان ہو جاتی ہے، عید نمبر کا خاص افسانہ

اس نے کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی، وہ چپ چاپ کھڑکی کے نزدیک کھڑی ہو کر باہر برستی بارش دیکھنے لگی۔ کسی زمانے میں اُسے بارش کتنی پسند تھی لیکن آج جیسے یہ موسم اس کے دل میں خزاں کی مانند اتر رہا تھا۔ اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ وقت انسان کے دل سے کیسے اس کی خواہشات، اس کی پسند، اس کی خوشیاں، اس کی مسکراہٹیں اپنی ظالم گرفت میں لے کر دل کو جیسے بالکل خالی کر دیتا ہے۔ کیوں ہوتا ہے یہ وقت اتنا سنگ دل، اتنا سفاک۔ اس نے بڑی بے بسی سے سوچا تب ہی لاؤنج میں رکھے فون کی بجتی ہوئی بیل نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ گھر میں پھیلے ہوئے گھمبیر سناٹے میں فون کی تیز آواز اسے بہت عجیب سی محسوس ہوئی، اس نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو عمیرہ کیسی ہو گڑیا۔'' شہروز بھائی کی شفیق آواز نے جیسے اس کی ساری اداسی اپنے اندر سمو لی۔

''ہائے شہروز بھائی! یہ اچانک آپ نے کیسے فون کرلیا۔'' مارے خوشی کے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ''بس تم جو اتنی یاد آرہی تھیں اور پھر عید جوں جوں نزدیک آتی جارہی ہے۔ ہم لوگوں کو تمہاری کمی اتنی ہی زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ تم کہاں اتنی دور چلی گئی ہو۔'' وہ بظاہر ہنستے ہوئے کہہ رہے تھے لیکن ان کے ہر لفظ میں اس کی جدائی کا دکھ رو رہا تھا۔

''میں خود سے تھوڑا ہی آئی ہوں۔ آپ سب نے مجھے اتنی دور بھیج دیا۔'' وہ یہ کہتے ہوئے بے اختیار رو پڑی کہ دل ویسے ہی بھرا ہوا تھا۔

''ارے ارے پگلی! اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ اتنے پیارے سے دولہا میاں کے ساتھ بھیجا ہے تمہیں۔ اس پریوں کے دیس میں۔ کوئی اکیلی تو نہیں ہو تم وہاں تمہارا شہزادہ تمہارے ساتھ ہے۔'' شہروز بھائی اس کے رونے سے

خاصے گھبرا گئے لیکن وہ اپنی گھبراہٹ اس پر ظاہر کیے بغیر اسے بہت پیار سے سمجھانے لگے۔

''لیکن شہروز بھائی میرا یہاں بالکل بھی دل نہیں لگ رہا۔ آپ سب بہت یاد آرہے ہیں۔'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

شہروز بھائی کو اپنا دل کٹتا ہوا محسوس ہوا۔ عمیرہ بیٹا اب وہی تمہارا گھر ہے۔ تم کو ہر حال میں وہاں دل لگانا ہے۔ سب سے بڑھ کر وہاں ارباز ہے تمہارے پاس، تمہارے ساتھ۔ عمیرہ اب تمہاری ساری خوشیاں اسی کے دم سے ہونی چاہئیں۔'' وہ بڑے پیار سے اسے سمجھانے لگے۔

''میں یہ سب جانتی ہوں شہروز بھائی لیکن پھر بھی یہاں مجھے تنہائی محسوس ہوتی ہے۔ تین دن بعد عید ہے اور یہاں اس ملک میں کچھ پتا ہی نہیں چل رہا ہے۔ اس وقت وہاں کتنی رونق کتنی گہما گہمی ہوگی۔ کتنا مزہ آرہا ہوگا عید کی تیاری کرنے میں اور یہاں تو کچھ بھی پتا نہیں چل رہا کہ عید آنے والی ہے۔ آپ یقین کریں شہروز بھائی اس وقت میرے چاروں طرف اتنا گہرا سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ جیسے عید نہیں محرم کے دن شروع ہونے والے ہیں۔'' وہ ایک بار پھر سسک کر رو دی تو شہروز ایک لمحے کو بالکل خاموش رہ گئے۔

وہ ان کی بہت چہیتی چھوٹی بہن تھی۔ اور ان سے نو برس چھوٹی تھی۔ وہ اس سے اپنے بچوں سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔ اماں اور ابا کی ایک ایکسیڈنٹ میں اچانک موت کے بعد انہوں نے اپنی اس چھوٹی سی معصوم بہن کو جیسے اپنے کلیجے میں چھپا لیا تھا حالانکہ وہ بھی اس وقت محض اٹھارہ برس کے تھے جب ان لوگوں کی زندگی میں یہ بدترین

حادثہ رونما ہوا تھا لیکن بس اس دن سے اس بھیانک لمحے کے بعد ہی اس اٹھارہ سالہ نوجوان نے اپنے آپ کو ماں اور باپ دونوں لے روپ میں ڈھال کر اپنی ننھی سی بہن کی گویا تمام تر ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔

روپے پیسوں کی کوئی کمی نہیں تھی کہ بابا کی ٹھیک ٹھاک جائیداد تھی اور پھر آفس سے بھی بہت کچھ ملا تھا۔ چچا اور ماموں سب ہی مخلص اور ہیلپ فُل تھے۔ سو ان کی گائیڈنس اور مورل سپورٹ کی وجہ سے انہوں نے بہت آرام سے اپنی تعلیم مکمل کرلی۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی چھوٹی بہن کی بھی اتنے ناز ونعم اور پیار کے ساتھ پرورش کی کہ سب حیران رہ گئے۔ رشتے کی ایک خالہ ان لوگوں کے ساتھ ہی رہتی تھیں لیکن شہروز بھائی کو عمیرہ کی چھوٹی سی چھوٹی بات کا اتنا خیال رہتا کہ بقول خالہ، ماں بھی ہوتی تو شاید شہروز جیسی محبت نہ کر پاتی کہ انہوں نے عمیرہ کی کسی بات پر نہ کہنا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔

یوں تو عمیرہ کو پورے خاندان کی بے پناہ محبت اور توجہ حاصل تھی لیکن بھائی کی محبت تو جیسے اس کے لیے دنیا کی سب سے انمول نعمت تھی۔ اماں اور بابا کی جدائی کے گہرے گھاؤ کو شہروز بھائی کی محبت ہی نے تو بھرا تھا ورنہ وہ تو جیتے جی مرگئی تھی۔ ابھی اس نے میٹرک ہی کیا تھا کہ گھر میں شہروز بھائی کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔

وہ اتنی جلدی شادی کرنا نہیں چاہ رہے تھے لیکن خالہ کافی بوڑھی اور کمزور ہوتی جا رہی تھیں اور بیمار بھی رہنے لگیں تھیں۔ سو بہن کے اکیلے پن، اس کی تنہائی اور اس کی ذمے داری کا احساس نے انہیں مجبور کردیا کہ جلد از جلد وہ اس گھر کے لیے ایک ذمہ دار اور حساس لڑکی کو اپنی بیوی کے روپ میں لے آئیں۔ جوان کے دکھ سکھ کی ساتھی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی بہن کو پیار اور تحفظ دے سکے۔ اور شہروز پھر گھر کی طرف سے بالکل بے فکر ہوجائیں۔

ثمرہ نے واقعی ان کی زندگی میں آکر ساری فکریں اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔ اس کے خوبصورت سے وجود نے شہروز کی زندگی میں پھول ہی پھول بکھیر دیے تھے۔ وہ ایک بہت اچھی شریک زندگی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت ہی اچھی بھابی بھی ثابت ہوئی۔ عمیرہ کو اس کے روپ میں ایک ماں، بہن اور دوست سب ہی کا تو پیار مل گیا تھا۔ اور مہروز اور ننھی ثوبیہ کی دو سال کے اندر اندر آمد نے جیسے ان لوگوں کی خوشیوں کو چار چاند لگادیے۔

شہروز بھائی کی نظر میں عمیرہ ہمیشہ ان کے بچوں ہی کی طرح تھی۔ انہوں نے اس میں اور اپنے بچوں میں کبھی کوئی فرق محسوس نہیں کیا تھا بلکہ کبھی کبھی تو ثمرہ کو عمیرہ کا پلڑا زیادہ بھاری محسوس ہوتا لیکن وہ سمجھ دار تھی۔ شہروز کے جذبات کو سمجھ سکتی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کچھ ہی دنوں میں عمیرہ اپنے گھر کا ہوجائے گی، سو وہ جیلسی جیسے جذبے سے اپنے آپ کو دور رکھ کر اپنے جنت جیسے گھر کو دوزخ بنانے سے محفوظ رہی تھی پھر ایسا ہی ہوا۔ عمیرہ کی شادی جٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق اچانک ہی طے پاگئی۔ رشتہ بے حد اچھا تھا۔

ارباز ایک بہت اچھی فیملی کا پڑھا لکھا کامیاب بزنس مین تھا۔ اس کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا جو خوب چل رہا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ شہروز کے جگری دوست جمال کا فرسٹ

کزن تھا۔ جمال کے بیٹے کی سالگرہ میں اتفاق سے ارباز اور اس کے ممی ڈیڈی بھی لندن سے آئے ہوئے تھے۔ ارباز کی امی ان ہی دنوں ارباز کے لیے بڑی شد و مد کے ساتھ لڑکیاں دیکھنے میں مصروف تھیں۔ سالگرہ میں معصوم سی صورت والی عمیرہ انہیں دل و جان بھا گئی۔ جمال کے جانے بوجھے لوگ تھے چھان بین کی ضرورت بھی نہ ہوئی۔

ادھر شہروز بھائی بھی اس رشتے سے بہت خوش تھے۔ ارباز کی شخصیت، اس کا کردار، اس کی قابلیت سب چیزوں سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ جمال کے ساتھ وہ ایک دو بار لندن اپنے آفس کے کام کے سلسلے میں جا چکے تھے۔

ارباز کی ممی لندن جانے سے پہلے ان دونوں کا نکاح کر دینا چاہتی تھیں۔ تاکہ ویزا وغیرہ کی فارمیلٹی پوری کی جا سکے۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے مصداق پندرہ دن کے اندر اندر شادی کی تاریخ ٹھہر گئی۔ ارباز کی ایک بہن کینیڈا اور ایک بھائی شارجہ میں سیٹل تھے۔ دونوں کو ہنگامی طور پر بلوا لیا گیا۔ ایمرجنسی میں بھی بہت اچھی شادی ہوئی۔

ارباز خود بھی اس شادی سے خوش تھا۔ پیاری سی شکل کی یہ بھولی بھالی لڑکی پہلی ہی نظر میں اس کے دل میں اتر گئی تھی اور یوں عمیرہ آنکھوں میں خاموش احتجاج لیے ارباز کی بنا دی گئی۔

شہروز بھائی نے خود اس سے اس رشتے کے بارے میں اس کی مرضی بھی پوچھی تھی۔

تب اس نے آنسو بھری نگاہوں نے ان کو دیکھ کر صرف اتنا ہی کہا تھا۔ ''شہروز بھائی میں اتنا دور نہیں جانا چاہتی۔ مجھے آپ اپنے سے جدا مت کریں پلیز۔''

شہروز بھائی نے بے اختیار اُسے گلے لگایا۔ ''گڑیا آج کل فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں تمہارا دل جب گھبرائے، آ جایا کرنا میں تمہیں ٹکٹ بھیج دیا کروں گا لیکن بیٹا یہ رشتہ بہت اچھا ہے۔ میں اس سے بہت مطمئن ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مما اور بابا کی روح کے سامنے سرخرو ہو جاؤں گا۔ تم وہاں بہت خوش رہو گی۔''

کتنی خوشی اور کتنا مان تھا ان کے لہجے میں۔ بس وہ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ اپنے بھائی کی خوشی، ان کے مان کی خاطر وہ اپنا دل تو کیا اپنی جان بھی قربان کر سکتی تھی۔ تب ہی تو اس نے اپنے نازک سے دل میں چھپی اس معصوم محبت کو بہت بے دردی کے ساتھ مار دیا تھا۔ ان روشیوں کو بجھا دیا تھا جو کسی کے آنے پر اس کی آنکھوں میں جھلملا اٹھتی تھیں۔

ہشام اس کا تایا زاد ہی نہیں اس کے دل کے سنگھاسن پر بیٹھا وہ دیوتا تھا۔ جس کی شاید اس نے بچپن سے ہی پوجا کی تھی اور اس کے جذبوں کی شدتوں کی خاموش زبان کو ہشام بھی بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ عمیرہ کے لب تو خاموش رہتے لیکن اس کی آنکھیں اس کے دل میں چھپے سب جذبات کچھ اس طرح سے بتا دیتیں کہ ہشام کو کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی وہ عمیرہ کے گھر آنے کے بہانے ڈھونڈا کرتا اور عمیرہ کے دل ہی ہر دھڑکن پل پل اس کا انتظار کیا کرتی......

شہروز بھائی ان دونوں کے معصوم جذبات کو سمجھ نہیں پائے تھے۔ ویسے بھی ہشام ابھی اچھی طرح اسٹیبلش نہیں ہوا تھا ابھی تو اس نے جاب شروع ہی کی تھی۔ تایا ابا کے انتقال کی وجہ سے اسے اپنی ماں اور اپنے بہن بھائیوں کی خاطر تعلیم ادھوری چھوڑ کر جاب کرنی پڑی تھی کہا تایا ابا اپنے

پیچھے کوئی قابلِ ذکر جائیداد یا بینک بیلنس نہیں چھوڑ گئے تھے اور پھر شہروز بھائی نے تو اپنی لاڈلی بہن کو ہمیشہ شہزادی کے روپ میں دیکھنا چاہا تھا۔ انہوں نے ہشام کے بارے میں اس نظر سے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ ان کی معصوم سی بہن کے دل کی دھڑکن بس ہشام کو پکارتی ہے۔ انہوں نے ارباز سے اس کی بات طے کردی۔

ہشام کو تو اچانک ہی اس کی شادی کا کارڈ ملا تھا۔ وہ اپنی امی کے ساتھ لاہور اپنے خالہ زاد کی شادی میں گیا تھا۔ ہفتے بھر بعد لوٹے تو دروازے میں نیچے پڑے اس سنہری لفافے نے جیسے اس کی زندگی کا سنہرا پن چھین لیا۔ ایک لمحے کو تو وہ بالکل شاکڈ رہ گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ لڑکھڑا کر اس نے ماں کا سہارا لیا جو اس کے نزدیک ہی کھڑی تھیں۔

وہ ماں تھیں۔ لمحوں میں بیٹے کا دکھ جان گئیں۔ فوراً ہی شہروز کے گھر روانہ ہوئیں بہتے آنسوؤں کے ساتھ انہوں نے شہروز کے آگے عمیرہ کے رشتے کے لیے دامن پھیلا دیا، ان کے تو وہ گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی جلدی عمیرہ کی شادی طے پا جائے گی۔ ابھی تو اس نے کالج میں ایڈمیشن لیا تھا۔

شہروز بھائی نے دل ہی دل میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ عمیرہ کی شادی صرف ہفتہ بھر بعد ہے اور کارڈ بھی بٹ چکے ہیں۔ اگر تاریخ طے ہونے سے پہلے ہی تائی اماں دستِ سوال دراز کر دیتیں تو ان کی پوزیشن کتنی اکورڈ ہو جاتی۔ رشتے داری اور ادب لحاظ کے ناطے انکار کرنا کتنا مشکل ہو جاتا لیکن اب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ سو انہوں نے بڑی سہولت سے کارڈ بٹ جانے کا جواز بنا کر انکار کر دیا اور وہ مایوس سی دل برداشتہ واپس لوٹ گئیں۔

تائی اماں کے منع کرنے کے باوجود ہشام نے دل پر پتھر رکھ کر شادی میں شرکت کی۔ اپنی محبت کو ہمیشہ کے لیے کسی اور کے ساتھ رخصت ہوتے دیکھا۔ اس وقت اس نے اپنے آپ کو بے بسی کی اس انتہاء پر محسوس کیا تھا جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کبھی کبھی انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی مر جاتا ہے، اندر سے بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یہ احساس اُسے عمیرہ کی رخصتی کے وقت شدت سے ہوا۔ عمیرہ کی خوبصورت آنکھوں سے بہتے بے بس آنسو اُسے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ یوں ایک خاموش محبت کی کہانی بہت خاموشی سے ختم ہو گئی۔

اس وقت شہروز بھائی سے بات کرتے ہوئے پتا نہیں کیوں ایک دم سے عمیرہ کو ہشام بھی شدت سے یاد آ رہا تھا تب ہی اس نے دبے لفظوں میں تائی اماں کی خیریت پوچھ ڈالی۔

''وہ لوگ ٹھیک ہیں ہشام کا ٹرانسفر لاہور ہو گیا بڑی اچھی ترقی ہوئی ہے۔''

شہروز بھائی کے جواب پر اس کے اندر چھن سے کوئی چیز ٹوٹ گئی۔ تو اب جب کبھی وہ اپنے دیس جائے گی تو ہشام کو دیکھ نہ پائے گی۔ ویسے بھی اس کی شادی کے بعد تائی اماں ان لوگوں سے کھنچ سی گئی تھیں۔ شہروز بھائی اور بھابی سے کافی دیر باتیں کرنے کے بعد جب اس نے ریسیور واپس رکھا تو دل بہل جانے کے بجائے اور اداس ہو گیا۔

ان کا گھر جس علاقے میں تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی پُرسکون تھا۔ سب گھر خاموشی کی چادر اوڑھے جیسے سو رہے ہوتے تھے۔ ان کے مکین بھی نجانے اندر کہاں روپوش رہتے کہ بس کبھی آتے جاتے

ہی نظر آ جایا کرتے۔ اس کے دونوں طرف کے پڑوسی انگریز تھے وہ بھی اس کیٹگری کے جو اپنے آپ میں مگن رہتے تھے۔ ان فیکٹ جنہیں ایشین پسند نہیں ہوتے ہیں۔

وہ چپ چاپ آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ عید جب نزدیک آتی تھی تو وہ کتنا ہنگامہ مچایا کرتی تھی۔ اپنی فرینڈز کے ساتھ کبھی بھیا بھابی کے ساتھ شاپنگ سینٹر کے چکر لگ رہے ہیں، شاپنگ کے ساتھ ساتھ رونقوں کو انجوائے کرنا، چاٹ، فالودہ کھاتے ہوئے لوگوں پر تبصرہ کرنا، چوڑیاں پہنے جانا، کتنا مزہ کرتی تھی وہ۔ اس نے پلکوں پر سے آنسوؤں کو بے دردی سے مسل ڈالا۔

پچھلی عید پر اس نے ہشام سے بھی تو زبردستی عیدی لی تھی۔ ہشام نے کتنا ستا ستا کر اس کی مہندی لگی ہتھیلی پر سو روپے کا نوٹ رکھا تھا۔ اُسے یاد آیا پچھلی چاند رات کو وہ سب کزنز مل کر رونقیں دیکھنے باہر نکلے تھے۔ ہشام سب کو لیڈ کر رہا تھا۔ کتنی رات گئے وہ لوگ گھومتے پھرتے رہے تھے۔ چھوٹی موٹی شاپنگ اور کھانا پینا بھی چل رہا تھا چونکہ بھابی بھی ساتھ تھیں۔ اس لیے شہروز بھائی نے کوئی بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس رات ہشام نے سب لڑکیوں کو اپنی طرف سے چوڑیاں بھی پہنوائی تھیں اور جب وہ اپنے لیے ایک چوڑی کا سیٹ پسند کر رہی تھی تو ہشام نے بہت خاموشی سے سرخ اور سبز چوڑیوں کا جگمگاتا ہوا حسین سیٹ اس کی جانب بڑھا دیا تھا اور عمیرہ نے بھی اتنی ہی خاموشی سے اپنا پسند کیا ہوا سیٹ چھوڑ کر وہ سیٹ لے لیا تھا۔

عید کے دن گلابی سوٹ پر وہ سرخ و سبز چوڑیاں پہنے ہر ایک کی تنقید کا نشانہ بنی رہی لیکن اُسے تو بس ایک چیز نے سب باتوں سے بے نیاز کر دیا تھا اور وہ چیز تھی ہشام کی آنکھوں سے چھلکتی خوشی اور وارفتگی۔

''اُف!'' اس نے سر کو جھٹک دیا۔ ''اب میری شادی ہو چکی ہے پھر تم کیوں یاد آ کر مجھے پریشان کرتے رہتے ہو۔ اُسے یاد آیا خالہ کہتی تھیں اگر شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی غیر کے متعلق سوچے بھی تو سخت گناہ ہے۔ نہیں، نہیں اللہ میاں اس میں میرا تو قصور نہیں، میں تو چاہتی ہوں وہ کبھی یاد نہ آئے لیکن اگر وہ خود بخود یاد آ جاتا ہے تو آپ مجھے کیوں گناہ دیں گے۔ میں نے تو ہمیشہ اپنے دل پر قابو رکھا۔ زبان سے کبھی اظہار نہیں کیا۔ دیواروں تک کو بتاتے ہوئے ڈری، اپنے بھائی کی عزت پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ اپنی ساری خوشیاں قربان کر دیں لیکن اُس کی یاد اگر ایک ضدی بچے کی طرح بار بار آ کر مجھے ستاتی ہے تو کیا آپ میری ساری قربانیوں کو نظر انداز کر کے بلاقصور مجھے گناہ دیں گے۔ یہ تو آپ کے ہاتھ میں ہے ناں اس کی یاد میرے دل سے مٹا دیں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں کب کا یہ کر چکی ہوتی۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رو پڑی۔ تب ہی ڈور بیل کی آواز پر اس نے جلدی سے اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پونچھا۔

اسی وقت ارباز اپنی چابی سے دروازہ کھولتے ہوئے اندر آ گیا۔ اس کی روئی روئی سی آنکھوں کو بغور دیکھا تو وہ نظریں چرا گئی۔

''کیوں رو رہی تھیں۔ کیا پاکستان یاد آ رہا ہے۔'' وہ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ہاں......'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنکھیں ایک بار پھر سے برسنے کو تیار ہو گئیں۔

''یار میں ہوں نا تمہارے پاس۔ چلو اٹھو میں

تمہیں کہیں گھما لاؤں۔" ارباز نے پیار سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"نہیں ارباز اب تو افطار کا وقت ہونے والا ہے۔ میں نے ہلکی پھلکی افطاری اور کھانا بنا لیا ہے۔ آپ فریش ہو جائیں جب تک میں ٹیبل لگا دیتی ہوں۔" وہ اس کے التفات بھرے جملے پر کچھ نادم ہو کر بولی۔

"نہیں بھئی! آج ہم افطاری باہر ہی کریں گے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ابھی تو آدھا گھنٹہ ہے۔ ویسے یار لندن کے لوگوں کو روزے کا زیادہ ثواب ملنا چاہیے۔ دیکھو نہ گرمیوں کے اس موسم میں نو بجے تک سورج غروب نہیں ہوتا۔" وہ ہنستے ہوئے باہر کھڑکی سے جھانکنے لگا جہاں بادلوں کی اوٹ سے سورج جھانک رہا تھا۔

☆......☆......☆

ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے وہ ارباز کو پاکستان میں عید کی رونقوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ارباز کے ممی ڈیڈی اپنی بیٹی کے پاس کینیڈا گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے نواسے کی سالگرہ عین عید کے دن پڑ رہی تھی۔ اس لیے رینا نے بصد اصرار انہیں روک لیا تھا، ورنہ تو وہ اپنی نئی نویلی بہو کی پہلی عید اس کے گھر میں اس کے ساتھ ہی کرنا چاہتے تھے۔

ارباز کے ساتھ یہ اتفاق تھا کہ اس نے آج تک پاکستان میں عید نہیں منائی تھی۔ جو وہ بہت چھوٹا تھا اس کے نانا نانی زندہ تھے تو ایک آدھ بار وہ لوگ عید پر وہاں ضرور گئے تھے لیکن اُسے کچھ یاد نہ تھا۔ عمیرہ سے چاند رات کی رونقوں کا حال وہ بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

"سچ ارباز مجھے تو چاند رات کو بہت مزہ آتا ہے۔ بس مجھے تو وہی عید لگتی ہے۔ پورے رمضان غضب کی گہما گہمی اور شور رہتا ہے۔ شاپنگ سینٹرز آدھی آدھی رات تک کھلے رہتے ہیں۔ وہاں پر لوگوں کا ایک اژدھام ہوتا ہے۔ چاند رات کو تو دکانیں چار بجے تک کھلی رہتی ہیں اور لوگ ایسے گھوم پھر رہے ہوتے ہیں۔ جیسے صبح عید کے لیے انہیں اٹھنا ہی نہیں۔ لڑکے بھی اس موقع سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چوڑیوں کے اسٹال لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

اس نے ہنستے ہوئے بتایا تو ارباز بھی بے اختیار مسکرا دیا۔

لیکن ارباز اتنی ڈھیر ساری رونقوں اور ہنگاموں کے بعد عید کے دن میرا دل چاہتا ہے کہ بس سو جاؤں۔ مجھے تو عید، چاند رات تک ہی زیادہ اچھی لگتی ہے۔" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

ارباز بے ساختہ ہنس دیا۔ لو اصل دن تو عید کا ہوتا ہے اور وہی تم کو بورنگ لگتا ہے۔"

"نہیں خیر اتنا بورنگ بھی نہیں لگتا۔" وہ کچھ یادوں میں کھو کر بولی۔ اس دن وہ سب لوگ تیار ہو کر سب بزرگوں کے گھر سلام کرنے جایا کرتے تھے کہ اماں ابا کے بعد ان ہی لوگوں کی شفقتوں اور محبتوں کے سائے میں یہ لوگ پلے بڑھے تھے۔ وہ کتنے دل سے تیار ہوا کرتی تھی، کسی کی خاموش نگاہوں کی تعریف، ان میں چھلکتا والہانہ پن، اسے کتنا اچھا کتنا خوبصورت لگا کرتا تھا۔ تایا ابو کے گھر جاتے ہوئے دل میں کتنی معصوم سی خوشی ہلکورے لینے لگتی تھی۔ اوہ اس نے اپنی سوچ پر گھبرا کر ارباز کی جانب دیکھا۔...... "میں بہت بری ہوں میرا اتنا چاہنے والا شوہر سامنے بیٹھا ہے اور میں پھر اس کے بارے میں سوچنے لگی ہوں۔ اللہ

میاں پلیز ایسا مت کریں۔ یہ میرے ہاتھ میں نہیں آپ کے ہاتھ میں ہے پھر آپ کیوں مجھے اسے بھولنے میں مدد نہیں دے رہے۔''

''ارے بھئی کہاں کھوگئی تم۔'' ارباز نے اس کے آگے ہاتھ ہلایا تو وہ بس سر جھکا کر محض مسکرادی۔

''مجھے پتا ہے تمہیں وہاں پر گزری عیدیں یاد آرہی ہیں۔ یار باہر کے ملک میں ایک یہی تو خرابی ہے کہ یہاں ہمیں اپنے تہوار کا مزہ نہیں ملتا۔ چھٹی تک نہیں ہوتی۔ اکثر لوگ نماز پڑھ کر دفتروں کو روانہ ہوجاتے ہیں۔ کچھ پتا ہی نہیں چلتا کہ عید کا دن ہے آج۔'' وہ عمیرہ کی باتیں سن سن کر کچھ کڑھ کر بولا۔ اتنی تفصیل تو ممی نے کبھی نہیں بتائی تھی۔

''ہاں ارباز یہاں تو کچھ پتا ہی نہیں چل رہا ماہ رمضان بھی آیا تھا اور ختم بھی ہورہا ہے۔'' آج کل تو وہاں کی رونقیں دیکھنے کے قابل ہوں گی۔ اس کے لہجے میں اداسیاں سمٹ آئیں اور ارباز اس کا اُداس چہرہ دیکھ کر نہ جانے کیوں خاموش ہوگیا۔

☆......☆......☆

ارباز کا فون آیا تو وہ کپڑے پریس کررہی تھی۔

''سنو عمیرہ آج شام کو افطار اور کھانا نہیں بنانا، ہمیں ایک افطار پارٹی میں جانا ہے۔''

ارباز کے بتانے پر وہ خوش ہوگئی۔ اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ اپنے کسی ہم وطن کے گھر اپنے جیسے لوگوں سے ملے۔ پورا رمضان گزر گیا تھا لیکن وہ لوگ بمشکل ایک آدھ جگہ ہی افطار پر گئے تھے۔ ارباز کے حلقہ دوستی میں مسلمان بہت زیادہ نہ تھے اور تھے اسی لیے وہاں افطار پارٹیوں کا کوئی خاص Concept بھی نہ تھا۔

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک خاتون خریداری کے لیے مارکیٹ گئیں۔ کاؤنٹر پر قیمت ادا کرنے کے لیے خاتون نے جب اپنا پرس کھولا تو کیشیئر نے خاتون کے پرس میں ٹی وی ریموٹ دیکھا۔ وہ متجسس ہوگیا اور پوچھا۔''کیا آپ ہمیشہ اپنے پرس میں ٹی وی ریموٹ رکھتی ہیں؟''

خاتون نے کیشیئر کو کریڈٹ کارڈ دیتے ہوئے جواب دیا۔''نہیں! میرے شوہر نے میچ کی وجہ سے آج میرے ساتھ شاپنگ کرنے سے انکار کردیا تھا، اس کی وجہ سے۔''

کیشیئر مسکرایا اور خاتون کی خریدی ہوئی تمام اشیاء واپس رکھ لیں۔

خاتون نے پوچھا۔''یہ کیا کررہے ہو؟''

کیشیئر نے جواب دیا۔''آپ کے شوہر نے آپ کا کریڈٹ کارڈ بلاک کردیا ہے۔''

مرسلہ: عائشہ افضل۔ لاہور

''ٹھیک ہے، کتنے بجے جانا ہوگا؟''

''بھئی اصل میں ان کا گھر میرے آفس کے بالکل ہی نزدیک ہے۔ آج ویک اینڈ ہے، ٹریفک بہت زیادہ ہوگی، میرا تو آنے اور پھر فوراً واپس جانے میں کباڑہ ہوجائے گا۔ تم ایسا کرو شام ہونے سے پہلے پہلے میرے آفس آجاؤ ہم لوگ یہاں سے اکٹھے ہی چلیں گے۔''

ارباز کے اس پروگرام پر وہ ایک لمحے کے لیے جز بز سی ہوگئی۔

اس کی خاموشی کو محسوس کرکے ارباز ہنس دیا۔''پاگل لڑکی! اپنے آپ میں کانفیڈنیس پیدا

کرو۔ یہاں پر کوئی ایک دوسرے کے آسرے پر نہیں رہتا۔ اپنے سب ہی کام خود کرنے پڑتے ہیں۔ پاکستان کی طرح تھوڑا ہی ہے کہ ڈرائیور کو آرڈر کر دیا اور خود شان سے بیٹھ گئیں یہاں تو بڑے بڑے آدمی ڈرائیور افورڈ نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ایسا کچھ کونسیپٹ ہی نہیں ہے یہاں۔ اب تمہیں خود ہی سب جگہ آنے جانے کی عادت ڈالنا ہوگی۔ کب تک چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے میرا منہ دیکھوگی۔''

اس کے اتنے لمبے لیکچر پر وہ شرمندہ سی ہوگئی۔ ''ارباز میں کبھی اکیلی نکلی نہیں ہوں نا اس لیے گھبراہٹ ہورہی ہے۔''

''ارے بھئی تم دو مرتبہ میرے ساتھ آفس آ چکی ہو۔ یاد ہے جب میں چھٹیوں پر تھا اور اپنے کسی کام سے مجھے آفس جانا ہوا تھا۔ تو دونوں مرتبہ تم ساتھ تھیں۔''

ہاں یاد ہے۔ وہ بجھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اور ہاں ایک بار تو ہم بس سے گئے تھے۔ کار میں کچھ پرابلم تھی، ہے نا؟ ارباز نے پر جوش لہجے میں اسے یاد دلایا۔

''جی۔'' ہنوز اس کا لہجہ مدھم تھا۔

''تو پھر کیا پرابلم ہے گھر سے تھوڑے فاصلے پر بس اسٹاپ ہے۔ بس ڈائریکٹ میرے آفس کے سامنے سے گزرتی ہے۔ آفس تم نے دیکھا ہوا ہے بس اسی اسٹاپ پر اتر جانا میں تمہارا انتظار کروں گا۔ ہاں موبائل ضرور ساتھ رکھ لینا اور جان اس بہادری کے بدلے میں، میں تم کو انعام کے طور پر ایک خوبصورت سا سرپرائز بھی دوں گا جو آفس میں تمہارا منتظر ہے۔''

''کون سا سرپرائز ارباز؟'' وہ سب بھول کر ایک دم سے خوش ہوگئی ویسے بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہونا اسے کچھ زیادہ ہی آتا تھا۔

''بس تم آؤ گی تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا، بی بریو (Bebrave)۔''

ارباز نے ہنستے ہوئے فون رکھ دیا۔

☆......☆......☆

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ارباز کا آفس خاصا دور تھا۔ کم از کم پینتالیس منٹ کا تو راستہ تھا اور بس سے تو اور وقت لگتا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے کپڑے پریس کیے۔ آسمانی رنگ کے جارجٹ کے سادہ سے سوٹ کے ساتھ ہم رنگ جیولری نکالی۔ ابھی وہ کپڑے بدلنے جا ہی رہی تھی کہ کسی نے ڈور بیل بجائی۔ یہ اس وقت کون آ گیا۔ اس نے حیرت سے سوچتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے دو چھوٹے چھوٹے بچے کھڑے ہوئے تھے۔ پوچھنے پر پتا چلا ان کی گیند گھر کے پچھلے حصے میں بنے ہوئے چھوٹے سے لان میں آ گئی ہے۔ اس کی اجازت ملنے پر ایک بچہ دوڑ کر اندر سے گیند اٹھا لایا۔

☆......☆......☆

ابھی وہ دونوں بچے پلٹے ہی تھے کہ اچانک ایک بچے کو ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل جا گرا۔ اس اچانک افتاد پر عمیرہ بے اختیار اس بچے کی طرف لپکی۔ اس وقت خاصی تیز ہوا چل رہی تھی عمیرہ نے بچے کو ابھی اٹھایا ہی تھا کہ دھڑام سے دروازہ بند ہونے کی آواز پر اس نے گھبرا کر پیچھے دیکھا وہ آٹومیٹک ڈور ہوا کے زور سے بند ہو چکا تھا۔ عمیرہ بچے کو چھوڑتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ گھبرا کر اس کو دھکا دیا لیکن دروازہ لاک ہو چکا تھا۔

اس نے اکثر لوگوں سے یہ قصے سنے تھے کہ دروازہ لاک ہو گیا اور چابی اندر رہ گئی، لیکن آج یہ قصہ خود اس کے ساتھ پیش آ چکا تھا۔ یہ آٹومیٹک

لاک بھی خود اس کے لیے اتنی بڑی مصیبت بن جائے گا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔
وہ دوڑ کر ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں کی طرف گئی لیکن آج وہ بھی بند تھیں وہ چند لمحے سکتے کے عالم میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی دونوں بچے پتا نہیں کب وہاں سے جا چکے تھے۔ اُسے کچھ پتا نہیں چلا بس وہ حواس باختہ کھڑی دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ پاؤں میں اس کے چپل بھی نہیں تھے کیوں کہ وہ ننگے پاؤں ہی دروازہ کھولنے چلی آئی تھی نیلے رنگ کے ٹریک سوٹ میں (کہ وہ گھر میں یہ پہنا کرتی تھی) ننگے پیر وہ حیران و پریشان کھڑی تھی کہ اب وہ کیا کرے گی۔ اس علاقے میں وہ کسی کو جانتی بھی نہیں تھی۔ کیوں کہ ان کے گھر کے آس پاس زیادہ تر انگریز ہی رہتے تھے۔ ان تین ماہ میں اس کی کسی سے علیک سلیک بھی اتفاق سے نہیں ہوئی تھی۔ بس ارباز ہی اکثر ان لوگوں سے آتے جاتے ہیلو ہائے کر لیتا تھا۔ اُسے ارباز کا فون نمبر بھی زبانی یاد نہیں تھا کیوں کہ وہ کبھی آفس کے نمبر پر فون ہی نہیں کرتی تھی۔ ارباز کی ہدایت کے مطابق وہ ڈائریکٹ موبائل پر ہی اس سے بات کر لیتی تھی۔ اور تب ہی تو اس نے خاص طور پر عمیرہ کو موبائل اپنے ساتھ لانے کی تاکید کی تھی۔
وہ گھبرا کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ کیا کروں، کہاں جاؤں، میرے مالک اگر ہمت کر کے ساتھ والا دروازہ کھٹکھٹاتی بھی ہوں تو اس کا فائدہ کیا ہوگا۔ فون نمبر تو ڈائری میں ہے اور ڈائری گھر میں ہے ٹہل ٹہل کے اس کے پاؤں شل ہو گئے تو وہ وہیں دروازے کے پاس بیٹھ گئی۔
وہ کیسے ارباز کو بتائے کہ وہ مشکل میں پڑ گئی ہے۔ اس حلیے میں بنا چپل کے، بنا پیسوں کے وہ ارباز کے آفس بھی نہیں جا سکتی تھی۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا اور وہ دل ہی دل میں ان بچوں کو ہزار صلواتیں سنا رہی تھی۔ جن کی گیند نے اُسے پریشانی میں لا پھینکا تھا۔
اچانک ہی اُسے محسوس ہوا اس کے چہرے پر ہلکی سی پھوار برس رہی ہے۔ اس نے گھبرا کر اوپر دیکھا آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ایک کالے دیو کی مانند اسے ڈرا رہا تھا۔ اس لندن کے موسم کا بھی قسمت کی طرح کوئی اعتبار نہیں۔ ایک دم سے اپنا رنگ بدل لیتا ہے۔ یوں شام بھی ہونے والی تھی۔ اوپر سے کالی گھٹاؤں نے فضا میں کافی اندھیرا سا گھول دیا تھا۔ خوف و دہشت اُسے اپنے رگ و پے میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔
اس وقت یقیناً چھ سے زیادہ کا وقت ہو چکا تھا وہ ایک گھنٹے سے باہر کھڑی ہوئی تھی۔ ارباز کتنا پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اس وقت تو اُسے وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اس نے دہل کر سوچا۔ اندر وقفے وقفے سے فون کی بجتی بیل اُسے صاف سنائی دے رہی تھی اور وہ بے چارگی سے دروازے کو تکے جا رہی تھی۔ یقیناً ارباز فون کر رہے ہوں گے۔ وہ موبائل پر بھی ٹرائی کر رہے ہوں گے اور دونوں جگہ سے کوئی رسپانس نہ ملنے پر کس قدر پریشان ہو رہے ہوں گے۔ وہ بے بسی سے رو پڑی۔ اپنی بے بسی اور ارباز کی پریشانی کے بارے میں سوچ کر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔
یا اللہ کیسا منحوس دن تھا آج۔ وہ جو صبح سے اپنے وطن کی عید یاد کیے جا رہی تھی۔ اب اسے سوائے ارباز کی پریشانی کے کچھ اور یاد نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ ہشام کی یاد اس کے دل سے مٹا دے تو اس وقت اللہ میاں نے ہشام کی یاد کو مکمل طور پر اس کے دل سے مٹا کر اس میں صرف اور صرف ارباز کی فکر اور اس

کی پریشانی بھر دی تھی لیکن کتنے انوکھے طریقے سے بادل زور سے گرجے اور ایک دم تیز بارش شروع ہوگئی وہ بری طرح سے بھیگ رہی تھی لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ ساتھ والے گھر کا دروازہ کھٹ کھٹا سکے۔ تب ہی سامنے سے آتے دو لمبے چوڑے نیگروز کو دیکھ کر اس کا دل بالکل بیٹھ ہی گیا۔

ارباز نے بتایا تھا کہ یہ کالے بہت خطرناک ہوتے ہیں راہ چلتے لوگوں کو بہت آرام سے لوٹ لیتے ہیں اور ضرورت پڑے تو مارنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان کی قوم کچھ زیادہ ہی خطرناک ہوتی ہے۔ وہ لرزتے دل کے ساتھ ان کو نزدیک آتے دیکھتی رہی۔

وہ دونوں اس کے نزدیک آ کر ایک لمحے کو رُکے پھر اسے یوں بے سر و سامانی اتنی ناگفتہ حالت میں کھڑے ہوئے دیکھ کر انتہائی حیرت سے ایک کوئی سوال کیا لیکن وہ جو ان کو دیکھ کر ویسے ہی بہت زیادہ سہم گئی تھی۔ ان کے اس طرح اپنے پاس کھڑے ہونے پر ایک دم سے ہی بہت زیادہ خوف زدہ ہو کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر زور زور سے رونے لگی۔

وہ دونوں اُسے یوں روتا دیکھ کر کافی گھبرا گئے۔ ایک نے فوراً ہی اپنا موبائل نکالا اور کسی سے تیز آواز میں بات کرنے لگا۔

عمیرہ کا تو جیسے دم ہی نکل گیا۔ وہ یقیناً اپنے ساتھیوں کو بلا رہا تھا۔ وہ پوری آواز سے چلا چلا کر رونے لگی۔ بارش کی آواز اور اپنے رونے میں مشغول ہونے کے سبب اس نے یہ سننے کی کوشش ہی نہیں کہ وہ کس سے اور کیا بات کر رہا ہے۔

وہ دونوں اس کے یوں رونے پر اور حواس باختہ ہو گئے۔ اور پتا نہیں کیا کیا بکتے تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے آگے نکل گئے۔

عمیرہ نے آنسو پونچھتے ہوئے تھوڑا سا سکون کا سانس لیا ہی تھا کہ پولیس کی گاڑی کے تیز سائرن کی آواز سے پورا ایریا گونج اٹھا۔ ایک پولیس کار زناٹے سے اس کے نزدیک آ رُکی اور اس میں سے دو پولیس والے بہت تیزی سے برآمد ہوئے۔

وہ ہکا بکا سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔ کیا وہ لوگ اُسے کوئی چور، کوئی خراب عورت تو نہیں سمجھ رہے۔ اس نے ان لوگوں کو خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا اگر ان لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا تو ارباز کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ میں کہاں گئی۔ وہ ایک بار پھر تڑپ کر رو دی۔

تب ایک پولیس والے نے بہت نرمی اور ہمدردی سے اس کا مسئلہ پوچھا۔ اور اپنی مدد کی آفر کی تو جیسے اس کی جان میں جان آ گئی۔

اس نے آنسو پونچھتے ہوئے ابھی اپنا مسئلہ بتانا شروع ہی کیا تھا کہ ارباز کی کار بہت تیزی سے پولیس کی کار کے پیچھے آ رُکی اور وہ بے حد حواس باختہ دوڑتا ہوا عمیرہ کے نزدیک آ گیا۔ اسے اچانک ہی اپنے سامنے پا کر عمیرہ کو ایسا لگا گویا تیز جلتی ہوئی زمین پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے ایک دم سے کوئی بہت ٹھنڈا سا سایہ مل جائے۔

ارباز نے بے پناہ پریشانی کے عالم میں بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا جب کہ وہ بچوں کی طرح روئے جا رہی تھی۔ ''بولو عمیرہ سب خیریت ہے نا۔'' وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔

پولیس مین بھی حیرت سے ان دونوں کی طرف متوجہ تھے۔

تب اس نے آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان ارباز کو ساری بات کہہ سنائی۔

''اوہ گاڈ! ارباز نے سکون کی ایک طویل سانس لی اور دونوں پولیس والوں سے بہت معذرت کی۔''

وہ دونوں مسکراتے ہوئے اپنی کار کی جانب بڑھ گئے۔ ان ہی کی زبانی عمیرہ کو پتا چلا کہ ان کالوں نے پولیس کو فون کر کے اس کی مدد کرنے کو کہا تھا اور وہ ناحق ان پر شک کر رہی تھی۔

☆☆......☆☆......☆☆

ارباز کی ہنسی نہیں رُک رہی تھی اور وہ کھسیائی ہوئی سے اسے روٹھی نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ ارباز کے اوپر جو ان دو گھنٹوں میں گزری تھی اسے بس اس کا دل ہی جانتا تھا۔ وہ پریشانی کی ایک حد کراس کر چکا تھا۔ ایسے برے برے بھیانک خیالات اس کے دل کو ایک عفریت کی مانند جکڑ رہے تھے کہ سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ پانچ بجے سے گھر اور موبائل دونوں پر عمیرہ کو ٹرائی کر رہا تھا لیکن دونوں فون پر نو رسپونس تھا۔ بہت ٹرائی کرنے کے بعد عمیرہ کے آفس نہ پہنچنے کے بعد اس کی پریشانی عروج پر پہنچ گئی۔ اس کو پکا یقین ہو چلا تھا کہ عمیرہ کے ساتھ کوئی بڑا حادثہ ہو چکا ہے۔ وہ گاڑی اڑاتا گھر پہنچا تو دروازے پر ہی پولیس کھڑی پولیس کار نے تو جیسے اس کے یقین کو زبان دے دی۔ اس کی جان ہی نکال دی تھی لیکن اب جب کہ ذہن و دل کو سکون حاصل ہوا تھا تو عمیرہ کی حرکات اور حالت زار کا سوچ سوچ کر اس کی ہنسی نہیں رُک رہی تھی۔ عمیرہ اس کے یوں لگاتار ہنسنے پر اب سچ مچ روٹھ گئی۔ آنکھوں میں حسب معمول آنسو آ گئے۔

''ارے ارے بھئی خفا ہونے کی نہیں ہو رہی ہے۔ چلو میں تم کو وہ سرپرائز دے ہی دوں جو کہ میں آفس میں دینے والا تھا۔''

''کون سا سرپرائز؟'' وہ اپنا غصہ بھول کر تجسس سے انہیں دیکھنے لگی۔

تب ارباز نے اپنی جیب سے پی آئی اے کے دو ایئر ٹکٹ نکال کر اس کے سامنے لہرائے۔ ''جناب ہم کل صبح کی فلائٹ سے پاکستان جا رہے ہیں کہ تم چالاکو بیگم نے وہاں کی چاند رات کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ مابدولت کا دل تمہارے ساتھ یہ چاند رات منانے کو بے تاب ہو گیا کہ مجھے بھی تو حق ہے نا اس رات کو انجوائے کرنے کا۔'' وہ شرارت بھری خوشی سے بتا رہا تھا۔

''ہائے سچ۔'' اس سے مارے خوشی سے کچھ بولا نہیں گیا۔

''ہاں، بالکل سچ بس اب تمہارے پاس صرف چند گھنٹے ہیں اس رات کے، جس میں تمہیں پیکنگ بھی کرنی ہے صبح نو بجے کی فلائٹ ہے ہماری۔''

''اُف ارباز آپ کتنے اچھے ہیں۔ یہ چاند رات میری زندگی کی سب سے خوبصورت چاند رات ہوگی۔'' وہ فرط جذبات سے اس کے گلے لگ گئی اور کتنی حیرت کی بات تھی کہ اس وقت ہشام کی یاد، اس کا خیال اس کے دل میں کہیں دور دور تک نہ تھا۔ بس ارباز کے ساتھ پاکستان جا کر چاند رات منانے کا خیال، شہروز بھائی، بھابی اور بچوں سے ملنے والی خوشی کے علاوہ اس کے دل میں کچھ نہ تھا۔ ارباز کے بازوؤں کے حصار میں ملنے والے تحفظ نے اسے اس وقت جو سکون دیا تھا جو خوشی بخشی تھی یہ اللہ کی ہی تو بخشی ہوئی تھی۔ جس نے اس کے کَمَبے کل ڈل کو ایک انوکھے طریقے سے خوشی بخش کر اس کو یہ بتا دیا تھا۔ جس کی نیت صاف ہو اللہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔

☆☆......☆☆......☆☆

افسانہ

ہماری عید ہو جاتی

"رضا! اس کے ہونٹ کانپے...... رضا کہاں ہے؟ کسی نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ چاندرات ہے گہما گہمی ہے...... رونق ہے خوبصورتی ہے، خوشیاں ہیں، زیور ہیں، کپڑے ہیں، یہ سب ہے لیکن رضا کہاں ہے۔ کیا ہوا رضا نہیں ہے پر......

عید کے رنگ لیے ایک یادگار افسانہ

"خواتین وحضرات شوال کا چاند نظر آ گیا ہے کل بروز جمعہ عید ہوگی۔" ٹی وی پر اعلانات کے ساتھ ساتھ مساجد میں بھی اعلانات شروع ہو گئے تھے۔ آج 29 کا چاند ہوا تھا۔ 29 کا چاند بھی اپنے اندر ایک عجیب سی رومانیت رکھتا ہے جب ممکنہ عید بہت قریب ہو جاتی ہے ایک عجیب سی خوشگواری، نہ نظر آنے والی لیکن محسوس کی جانے والی افراتفری پھیل جاتی ہے۔

ہر طرف خوشیاں، مسرتیں، گہما گہمی، رونق، جوانی تو تھیں لیکن 29 کا چاند سے ایسا لگتا ہے کسی نے تھال بھر کرا یکسائٹمنٹ سر پر انڈیل دی ہو۔

لیکن آج 29 کا چاند......!

آج کا 29 کا چاند اس کے لیے کیا لایا تھا۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھے...... اس نے موبائل اٹھایا اور پھر دن میں ملایا جانے والا نمبر 110 ویں مرتبہ دوبارہ ملایا۔

فون اب بھی پچھلے دس گھنٹوں کی طرح رابطہ نہ ہونے کی تکلیف دہ خبر دے رہا تھا۔

اس نے پلٹ کر بیڈ پر رکھے اپنے سرمئی قیمتی جوڑوں کی طرف دیکھا جو تھوڑی دیر پہلے ٹیلر ماسٹر دے کر گیا تھا۔ قیمتی...... خوبصورت مشہور ڈیزائنر کے تیار کردہ جوڑے۔ پھر نرم و دبیز قالین پر چلتی ہوئی صندل کی لکڑی کی لیکن اس میز کے قریب جا کھڑی ہوئی...... جہاں مخملیں سرخ ڈبے میں وہ حسین جڑاؤ کڑے رکھے ہوئے تھے۔ جن کی خوبصورتی اور چمک نے اس کو کئی دن سونے نہیں دیا تھا۔ وہ ان کڑوں کے حصول کی خواہش کو حسرت بننے نہیں دینا چاہتی تھی اور آج وہ اس کی دسترس میں تھے لیکن......! اس کی آنکھیں ایک دفعہ پھر ڈبڈبائیں اور اس کی نظر پھر موبائل فون پر پڑی...... لیکن اس نے دل شکستگی سے سر جھٹک دیا۔

سرخ مخملیں ڈبہ اٹھا کر وہ چند لمحوں تک دیکھتی رہی۔ اور پھر بغیر کھولے اس نے ڈبہ واپس رکھ دیا۔ اس نے ایک نظر پھر زمین پر بچھے ہوئے اس کارپٹ کو دیکھا جس پر ننگے پیر چلنے کا وہ خواہ دیکھتی تھی۔

پھر اسی طرح بوجھل قدموں اور ڈبڈباتی آنکھوں سے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''یقین کریں، بالکل بھی میک اپ کرنے کا مزہ نہیں آتا، ایک تو میری آنکھیں 'نمرور' پھر اس عظیم شان کمرے میں جلتی بیچاری آثار قدیمہ سے تعلق رکھنے والی ٹیوب لائٹ اور کونے میں رکھا ڈریسنگ ٹیبل...... میک اپ انسان کیسے کرے، ذرا سی بھی تو روشنی شیشے پر نہیں پڑتی، میں کیسے میک اپ کیسے کروں؟ وہ جھنجھلائی لیکن اس کے باوجود تم جان تم قلو پطرہ لگ رہی ہو، کسا کسا بدن، دودھیا کمر کے گرد لپٹی ہوئی سیاہ ساڑھی، خوبصورت گھنے بالوں کی لمبی سی چوٹی میں لپٹے موتیا کے پھول...... مناسب میک اپ میں دمکتے خدوخال...... رضا نے بہت محبت سے سر سے پیر تک محبوب بیوی کو دیکھا اور بے ساختہ اس کے قریب آ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کو اپنے قریب کرنا چاہا۔

''چھوڑیں بھی اس نے مصنوعی خفگی سے اپنے آپ کو چھڑوالیا۔ دنیا میں عشق محبت کے علاوہ اور بھی کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ پتا ہے میں اس دن اپنی دوست شازیہ کے گھر گئی تھی۔ اتنا خوبصورت بیڈروم تھا اس کا کیا بتاؤں۔''

''نہ بتاؤ...... میں نے کون سا پوچھا ہے؟ رضا نے چینل سرچنگ کرتے ہوئے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

رضا اور سائرہ...... سائرہ رضا کی فرسٹ کزن تھی اور چند ماہ پہلے ان کی شادی ہوئی تھی۔

رضا انجینیر تھا۔ لیکن بیوہ ماں اور دو جوان بہنوں کی ذمہ داریاں بھی اس کے کندھوں پر تھی......

سو محدود تنخواہ میں پہلے تو گزارہ ہو ہی جاتا تھا لیکن جب سے اس کی شادی سائرہ سے ہوئی تھی۔ اکثر وسائل کم ہو جاتے تھے اور مسائل بڑھ جاتے تھے۔

سائرہ کا تعلق بھی ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا۔ لیکن خواہشات اور آرزوؤں سے گندھی سائرہ سب کچھ سمجھتے ہوئے کچھ ماننے کو تیار نہیں تھی۔

زندگی بھر میاں کر گھر جا کر پہننا، میاں کے گھر جا کر یہ کھاوہ کرنا، سن سن کر بڑی ہونے والی سائرہ نہ کچھ سننے کے لیے تیار تھی۔ نہ ماننے کے لیے تیار تھی۔

رضا اس کو خوش کرنے کے لیے اس کی خواہشات کی تکمیل کرنے کے لیے نڈھال رہتا۔ لیکن سائرہ نہ جانے کیوں خوش ہی نہیں ہوتی تھی۔

آج بھی وہ دونوں اپنی خالہ زاد بہن کی بارات میں جا رہے تھے۔ سائرہ کی خواہش اور پسند کے مطابق دوست سے اُدھار لے کر وہ اس کے لیے یہ حسین ساڑھی لایا تھا۔ جس میں وہ ناقابل حد تک حسین لگ رہی تھی لیکن......

''سنیں نا!'' اتنا خوبصورت بیڈ روم تھا اس کا۔ تقریباً 5 فٹ چوڑا تو ڈریسنگ ٹیبل تھا۔ جس کے شیشے پر لائٹیں لگی ہوئی تھیں...... جگمگا رہا تھا۔ اس دن میں نے بھی اس کی ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھ کر میک اپ کیا تھا یہ اس دن کی بات ہے جب مجھے دیکھ کر آپ بے حد خوش ہوئے تھے۔

اچھا...... رضا کو اپنی اور گہری کھائیوں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی......

''بھئی! اس کی تقدیر تو اللہ میاں نے سونے کے قلم سے لکھی ہے۔ ہمارے ہی محلے میں رہتی تھی ہم سے بھی چھوٹا گھر تھا۔ شادی اپنے ہی جیسوں میں ہوئی تھی لیکن نصیب دیکھیں کہ اس کی شادی کے بعد احمد بھائی کا نام امریکہ ویزہ لاٹری میں آ گیا بس بھئی احمد امریکہ کیا گیا۔ پہلے وہ خود بدلی اور اب بھئی اس کی تو کلاس ہی بدل گئی ہے۔ پتا ہے رضا۔

''رضا! اس کے ہونٹ کانپے...... رضا کہاں ہے؟ کسی نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔

چاند رات ہے گہما گہمی ہے...... رونق ہے خوبصورتی ہے، خوشیاں ہیں، زیور ہیں، کپڑے ہیں، یہ سب ہے لیکن رضا کہاں ہے۔

کیا ہوا رضا نہیں ہے پر زندگی کی ہر آسائش تو ہے کوئی اس پر ہنسا۔

تو کیا یہ سب چیزیں رضا کا نعم البدل ہیں؟ کوئی اس کے اندر سے سراپا سوال تھا۔

نہیں ...... نہیں...... اس نے قطعیت سے نفی میں گردن ہلائی۔ تو پھر۔ پھر رضا کہاں ہے؟ کہاں؟

☆......☆......☆

اس نے جہاز کی سیٹ سے ٹیک لگائی اور پھر پورے جہاز پر ایک نظر ڈالی...... ابھی ابھی لوگوں نے کھانا کھایا تھا۔ اب کچھ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے اور کچھ گپ شپ میں مصروف تھے۔ سفر طویل تھا۔ یا شاید اس کو لگ رہا تھا۔ ٹورنٹو کی فلائٹ کا ایک مسافر بھی تھا۔ اس کو گھبراہٹ سی ہونے لگی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے سر پر چلتی ہوئی لائٹ کو بند کر دیا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

آپ ملک سے باہر کیوں نہیں چلے جاتے...... سائرہ نے پھر مسئلے کا وہ واحد حل بتایا جو ہمیشہ بتاتی تھی۔

آج رضا کی بہن کا رشتہ طے ہوا تھا اور رضا پریشان تھا کہ شادی بیاہ کے معاملات بخوبی کیسے نمٹائے جائیں۔

یار...... باہر مما لک میں پیسے درختوں پر نہیں لگتے بہت محنت کرنا پڑتی ہے اور یہ بتاؤ ہماری شادی کو ابھی صرف چار ماہ ہوئے ہیں اور تم میری شکل سے اتنی بیزار ہو گئی ہو کہ مجھے سات سمندر پار بھیجنے کے لیے تم اپنا زیور تک بیچنے کے لیے تیار ہو۔ ابھی تو ہم نے بہت سی

باتیں کرنی ہیں، ابھی تو بہت سارا پیار کرنا ہے۔ رضا نے کچھ ناراضگی اور کچھ پیار بھرے لہجے میں کہا......

لیں مجھے خدا نہ کرے آپ کیوں برے لگیں گے۔ میری تو جان ہے آپ میں، میں مانتی ہوں باہر ملک میں پیسے درختوں پر نہیں لگتے لیکن باہر کے ملک میں محنت کی صحیح قیمت ملتی ہے سب سے بڑھ کر کرنسی کی ویلیو کا بڑا فرق ہے وہاں کا ایک ڈالر یہاں کے 103 روپے یا اللہ سو گناہ زیادہ فرق۔

اور دوسری بات یہ کہ میں حقیقت کی دنیا میں رہنے والی لڑکی ہوں، اس طرح وسائل اور مسائل سے لڑتے لڑتے کیسے زندگی گزرے گی، ہم دو سے تین ہوں گے خرچے بڑھیں گے...... تو کیا ہوگا......؟

ٹھیک ہے آج آپ بہن کی شادی کے لیے دفتر سے لون لیتے ہیں...... جب ہر ماہ لون کی قسط کٹے گی تو تنخواہ کی کمی کا اثر گھر پر پڑے گا۔

اور بھئی جہاں پیسوں کی تنگی ہو وہاں محبتیں بری لگتی ہیں......اور ''تو تم یہ کہہ رہی ہو سائرہ پیسہ محبت کے لیے ضروری ہے۔''

رضا نے دل گرفتگی سے سائرہ کی بات کاٹی۔ وہ سائرہ سے بہت محبت کرتا تھا لیکن وہ پیسے کے بارے میں اتنے مضبوط دلائل دے گئی...... پیسے کی چیزوں کی اس کے نزدیک اتنی اہمیت ہوگی۔ اس کا اس کو ایک فیصد بھی اندازہ نہ تھا۔ سائرہ کی بہت ساری خواہشات میں وہ اور اس کی محبت بہت ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ جان کر حقیقتاً اس کے دل کو تکلیف ہوئی تھی۔

وہ سائرہ کی ہر خواہش پوری کرنا چاہتا تھا۔ ایک یہ بھی سہی...... چاہے کچھ بھی ہو۔''

☆......☆......☆

مسز رضا آپ بالکل ٹھیک ہیں، الحمدللہ بے بی بھی ٹھیک ہے لیکن آپ خوش رہا کریں۔

خوش؟ کیا میں آپ کو خوش نہیں لگتی ڈاکٹر صاحبہ ہر چیز میرے پاس ہے۔ برانڈڈ کپڑے، بہترین گھر، گاڑی، زیور میں بہت خوش ہوں سائرہ نے کھوکھلی ہنسی کے ساتھ ڈاکٹر کو جواب دیا۔

مسز رضا یہ چیزیں ہیں یہ خوشی نہیں ہے......خوشی دوسری چیز کا نام ہے۔ کیا آپ چیزوں اور خوشی کے فرق کو سمجھتی نہیں یا مجھ سے مذاق کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر حیران حیران سے سوال کر رہی تھیں۔ اور سائرہ......!''

☆......☆......☆

بس رضا تم واپس آ جاؤ۔ مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ کوئی زیور کپڑے پہننے کو دل نہیں چاہتا میں کس کے لیے تیار ہوں، میں کس کے لیے زیور پہنوں، تمہارے جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا میری زندگی میں سب سے اہم تم ہو، بلکہ تم ہی سب کچھ ہو۔

''پلیز واپس آ جاؤ میں چاہتی ہوں جب ہمارا بچہ اس دنیا میں آنکھ کھولے تو اس کا باپ اس کے قریب ہو سائرہ فون پر رو دی۔

پلیز سائرہ...... تم ہر وقت یہ کیوں کہتی ہو۔ میں وہ چاہتی ہوں میں یہ چاہتی ہوں۔ بیگم صاحبہ کبھی سامنے والے سے بھی پوچھا کریں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

میں کیا ایک پپٹ Puppet ہوں۔ جس کی ڈوری جب آپ چاہیں گی جیسے آپ چاہیں گی ہلا دیں گی۔ نہیں دوسرے لوگ بھی جذبات اور احساسات رکھتے ہیں میں یہاں ایڈجسٹ ہو گیا ہوں۔ آپ کی آرزوؤں اور میری ماں کی دعاؤں کے عوض۔ میں یہاں کینیڈا میں ایک بہت بڑے عہدے پر کام کر رہا ہوں۔ یہاں سے بھیجے جانے والے ڈالرز پاکستانی کرنسی میں ایک بھاری رقم کی صورت میں ہر ماہ موصول ہوتے ہیں۔ جیسا آپ چاہتی ہیں بالکل اسی طرح ہو رہا ہے۔

رضا نے تلخ لہجے میں طنز کے تیر برسائے، جو بہت صبر اور حوصلے کے ساتھ سائرہ نے برداشت

کیے کہ رضا کو اس اسٹیج پر لانے والی وہ خود تھی۔

☆......☆......☆

چیزوں اور محبتوں کا فرق ان چند ماہ میں اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ سین (رضا کی بہن) کی شادی ہو گئی تھی۔ اس کی شادی کے چند دن بعد رضا کی اماں ہارٹ اٹیک میں چل بسیں۔ رضا ماں کے مرنے پر چند دن کے لیے آیا تھا۔ کینیڈا کی آب و ہوا نے اس پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ لیکن ماں کی وفات پر آنے والا رضا ویسا نہیں تھا جو اس کو چھوڑ کر گیا تھا۔ سائرہ کو اپنے اور رضا کے درمیان ایک نہ نظر آنے والی لکیر محسوس ہوئی جس کو اس نے اپنا وہم سمجھا۔

چند دن رہ کر اس کے روکنے کے باوجود رضا چلا گیا۔ اور پھر گھر میں رہ گئی وہ اور بہت سارا سامان۔

☆......☆......☆

وہ پریگنیٹ تھی اس موقع پر اس کو رضا کی محبتوں کی ضرورت تھی لیکن وہ جب بھی ضد کرتی اس کو واپس آنے پر اصرار کرتی وہ بہت سارا سامان بھیج دیتا۔

پہلے جب سامان آتا تھا تو وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ اب اس کو لگتا تھا جیسے اس کے منہ پر رضا تھپڑ مار رہا ہے۔ ایسا تھپڑ جو نہ نظر آتا ہے نہ نشان چھوڑتا ہے لیکن اس کی گونج سائرہ کی روح تک کو ہلا دیتی ہے۔ وہ سامان دیکھ کر کر دکھی سی ہو جاتی ہے اس کو لگتا تھا رضا اُس سے اُور دُور ہو گیا ہے۔ رضا اور اپنے درمیان بڑھتے فاصلے اور پیٹ میں کروٹیں بدلتی ننھی جان اس کو ہراساں رکھتے۔ کیا بہت سارے کھلونے چیزیں اور سامان...... باپ کا نعم البدل رکھتے ہیں...... نہیں نا...... تو پھر۔

☆......☆......☆

یار تم بھابی سے ناراض ہو۔ ارے یار! چھوڑ ناراضگی۔ لڑکیاں تو ہوتی ہیں بھی کبھی جذباتی لیکن محبت کرتی ہیں۔ میں نے کہیں پڑھا تھا عورت کو مرد کی پیشانی سے نہیں بنایا گیا کہ وہ اس پر حکمرانی کرے، نہ ہی اس کے پیروں سے بنایا گیا ہے کہ اس کی محکوم بن کر رہے بلکہ اس کی پسلی سے بنایا گیا ہے اور اس کی پسلی دل کے قریب ہوتی ہے بس عورت دل کے قریب رہنے والی شہ ہوتی ہے۔

''اور اوئے پیدائشی مسلمان تو حضور پاک ﷺ کی وہ حدیث بھول گیا کیا کہ عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا ہے اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے اس کو سیدھا کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی بس ان کے ٹیڑھے پن سے ہی سے فائدہ اٹھاؤ''

تو بھائی تو کیوں ٹیڑھی پسلی کو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ احمد جو چند سال پہلے جان اسمتھ تھا۔ اس نے رضا کو باتیں سناتے ہوئے کہا۔ ابھی چند منٹ پہلے پاکستان سے فون آیا تھا کہ رضا کے لیے سائرہ نے ایک بہت خوبصورت سی ننھی پری کو جنم دیا ہے......

احمد بضد تھا کہ رضا کو ساری ناراضگی ختم کر کے واپس پاکستان آ جانا چاہیے اور رضا۔

☆......☆......☆

اس عید پہ گر تم آ جاتے
اور دید تمہاری ہو جاتی
ہم عید منا لیتے
ہماری عید ہو جاتی

☆......☆......☆

آج ننھی پری 5 دن کی ہو گئی تھی، عید کا چاند بھی ہو چکا تھا۔ سائرہ کا دل بہت اداس تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہیں سے بھی رضا آ جائے۔

ہر آہٹ پر چونک رہی تھی۔ ہر دستک پر دوڑ رہی تھی۔ ہر گھنٹی پر فون اٹھا رہی تھی۔ لیکن رضا...... رضا...... کہیں نہیں تھا۔ کہتے ہیں دلوں کے رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں۔ کوئی الارم ہے جو اندر بجتا ہے۔

کئی دنوں سے رضا اور سائرہ کے درمیان کوئی رابطہ نہ تھا لیکن نہ جانے کیوں سائرہ کو آج محسوس ہو رہا تھا رضا یہیں کہیں ہے وہ جتنی بے قرار آج ہو رہی

تھی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ عید اپنی فیملی یعنی رضا اور ننھی پری کے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ضروری تو نہیں جو وہ چاہے۔ ہمیشہ وہی ہو...... لیکن......

☆......☆......☆

میں بہت غلط تھی زندگی میں محبت بہت انمول چیز ہے۔ میں اتنی بے صبری کیوں بن گئی تھی، چیزیں، چیزوں کی کیا حیثیت ہوتی ہے اور ویسے بھی مقدر میں جو رقم ہوتا ہے وہ مل کر رہتا ہے۔ میرے نصیب میں یہ سب تھا۔ رضا پاکستان میں رہتے تب بھی مل ہی جاتا لیکن میں ہی لالچ اور ہوس میں اندھی ہوئی جارہی تھی۔ سب کتنا خوش ہیں۔ لیکن میں کتنی اکیلی ہوں میری بیوقوفیوں کی سزا میری ننھی سی بچی کو بھی مل رہی ہے۔ زندگی کی پہلی عید پر اس کو باپ کی گود بھی نصیب نہ ہوئی۔

رضا تم مجھ سے ناراض ہو، لیکن اپنی بیٹی کے لیے تو آجاؤ...... آنسو اس کی سوچوں کے تسلسل سے زیادہ تیزی سے اس کے چہرے پر پھیل رہے تھے...... ساری رات اس طرح سوچتے...... روتے اور انتظار کرتے کرتے گزر گئی۔ بہت دیر سے دروازے کی بیل بج رہی تھی لیکن سائرہ کی اُمید دم توڑ چکی تھی...... سورج اپنی کرنیں پھیلا رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے جھانکتی صبح عید کو دیکھا اور تختی سے آنکھیں بند کرلیں۔

تکیے پر بکھرے بال، رو رو کر سوجی ہوئی آنکھیں، ہونٹوں پر جمی ہوئی پیڑیاں زرد رنگ، کمزور ہاتھ پیر، نہ تن پر ڈھنگ کا سوٹ نہ ہاتھوں میں چوڑیاں اور نہ ہی کوئی زیور۔

پتا ہے رضا مجھے زیور اتنا پسند ہے میرا دل چاہتا ہے کہ برتن دھوتے ہوئے بھی جھومر لگاؤں۔

میرا دل چاہتا ہے کہ میرے پاس ہر ڈیزائن کا سوٹ ہو، کبھی میں گل احمد کا سوٹ پہنوں تو کبھی Thread کا، کبھی نشاط والوں کا تو کبھی Khaddi کا، اُف میرا دل چاہتا ہے کہ گھر میں بھی میچنگ شوز پہنوں اور میچنگ ہینڈ بیگ لے کر پھروں...... میرا دل چاہتا ہے۔

سائرہ نے کروٹ لی تو اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا کہ مسلسل بیل دینے کے باوجود دروازہ نہ کھلنے پر وہ پریشان ہوگیا۔ جوذرا ہینڈل گھمایا تو پتا چلا دروازہ تو بند ہی نہیں کیا گیا تھا۔ کسی امید کے تحت دروازہ کو کھلا چھوڑا گیا تھا۔ وہ اندر چلا آیا۔

وہ عید پر پہنچ کر سائرہ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا لیکن سائرہ کی حالت نے اس کو پریشان کردیا اس کی محبت اور بے وقوفی کا فرق اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ جو اس سے خفا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کی ناراضگی بھک سے اڑ گئی، اور رہ گیا رضا۔ وہ رضا جو سائرہ کا دیوانہ تھا۔

سائرہ...... اس نے کھلی کھلی آنکھوں سے دیکھتی سائرہ کے برابر میں بیٹھے ہوئے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔

سائرہ جواب تک رضا کی موجودگی کو خواب سمجھ رہی تھی۔ رضا کے لمس پاتے ہی جیسے زندہ ہوگئی۔

''رضا'' سائرہ کے لب کپکپائے......

آج عید ہے رضا' میں آپ کا انتظار کررہی تھی، سائرہ نے اس کے سینے پر سر رکھ کر روتے ہوئے کہا۔

رضا نے اس کا پورا وجود اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اس کے گرد بازوؤں کی گرفت سخت کردی۔

عید مبارک میری جان...... عید مبارک۔

آج نہیں اب ہر روز ہماری عید ہوگی میں آ گیا ہوں میری جان کبھی نہ جانے کے لیے۔ رضا نے اس کے ماتھے پر اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے کہا۔

اور سائرہ نے طمانیت سے آنکھیں موندلیں۔

کہ رضا سائرہ سے ناراض ہوسکتا تھا لیکن ننھی پری سے نہیں جو ان کی محبتوں کی نشانی تھی اور کمرے میں موجود ہر چیز مسہری، کرسی، سنگھار میز، پردے زور سے کہنے لگے۔ عید کی صبح ملن کی گھڑی مبارک ہو...... عید مبارک ہو۔

☆......☆......☆

چاند، عید اور ہم

مجھے ممانی نے بلایا ہے کہاں ہیں وہ؟ ذویا ازلی اعتماد سے بولی۔ ہائے ری قسمت۔ کبھی ممانی کے بیٹے کو بھی غور سے دیکھ لیا کرو ظالم حسینہ ہادی نے بے بسی سے کہا تو ذویا مسکرانے پر مجبور ہوگئی۔ تم بھی نہ بس۔ وہ اس کی سائیڈ سے نکلتے ہوئے ہنس کر آگے......

عید کے روایتی رنگ لیے، ایک خوبصورت ناولٹ

گرمیوں کی طویل دوپہر میں خاموشی میں بھی ہو کا عالم تھا۔ اوپر سے بجلی کا بار بار آنا جانا۔ شکر تھا کہ کمرے میں دو عدد بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن سے ہوا کا گزر کس قدر کمی کا احساس دلاتا تھا گرمی کا۔

چھٹی کا دن ہمیشہ کی طرح مصروف گزرا۔ ذویا نے صبح مشین لگا کر ہفتے بھر کے کپڑے دھوئے آمنہ بیگم نے دال چاول بنائے ساتھ میں ذویا کی پسند کی سیویاں بھی، اچار موجود تھا چٹنی اور رائتہ ذویا نے خود بنایا۔

ماں بیٹی نے کھانا کھایا، آمنہ بیگم اپنے کمرے میں سونے چلی گئیں ذویا بھی اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گئی، گھوں گھوں کرتے پنکھے کو دیکھتی الٹی سیدھی سوچوں میں گھری رہی۔

یہاں تک کہ نیند آ گئی۔

عصر کے وقت اس کی آنکھ کھلی نماز پڑھ کر اس نے چائے بنائی۔

آمنہ بیگم کی طبیعت اسے زیادہ ٹھیک دکھائی نہ دی۔

''امی کیا ہوا۔ بی پی تو ٹھیک ہے ناں۔'' ذویا نے فوراً چیک کیا۔ جو خاصا زیادہ تھا۔

ایک تو آپ بھی نہ۔ سوچنے سے پرہیز نہیں کرتیں۔

آمنہ اس کی باتوں پر مسکرا کر بولیں۔

بھلا سوچے بغیر کون رہ سکتا ہے۔ وہ ساتھ ساتھ اپنا بازو سہلا رہی تھی۔

سوچیں ضرور۔ مگر اچھی اور خوشگوار سوچیں منفی نہیں مثبت۔'' ذویا ہمیشہ کی طرح انہیں تسلی آمیز انداز میں سمجھانے لگیں۔

چائے پی کر وہ برتن دھو کر استری کرنے کا سوچ رہی تھی کہ یکدم نیچے سے ثمرہ کی آواز آئی۔

ذویا او ذویا...... ذویا نے ماں کی طرف دیکھا اور سیڑھیوں کی طرف جانے لگی دل عجب بے بسی کے احساس میں گھرنے لگا تھا۔

نیچے آؤ امی بلا رہی ہیں۔ ثمرہ جو اس سے دو سال چھوٹی تھی اس کا تخاطب جملہ ہمیشہ تحکمانہ ہوتا تھا۔ جسے ذویا با مشکل ہضم کرتی تھی۔

"چلی جاؤ فاخرہ بھابی کو کوئی کام ہوگا کپڑے بعد میں استری کر لینا میں عصر کی نماز پڑھ لوں۔"

آمنہ بیگم نے اس کی سوچوں کو پڑھ کر بنا اس کا جواب سنے کہا اور وضو کرنے چل دیں ذویا نہ چاہتے ہوئے بھی دوپٹہ درست کرتی آہستہ آہستہ نیچے آگئی۔

ممانی لاؤنج میں ہی مل گئیں ذویا نے انہیں سلام کیا۔

اچھا ہوا تم آگئیں ایسا کرو صابرہ کے ساتھ مل کر ڈنر سیٹ کر دو آج عاصم کے سسرال والے آرہے ہیں کچن میں جاؤ میں تمہیں سب سمجھا دوں۔

جی ...... ذویا ہمیشہ کی طرح سعادت مندی سے کہتی ان کے ہمراہ کچن میں آ گئی۔ اور ان کی ہدایت پر چائینیز پلاؤ چکن منچورین ٹرائفل اور کباب تیار کرنے تھے نان بازار سے آنے تھے۔ فاخرہ اُسے سمجھا کر چلی گئی تھی۔

صابرہ کے ساتھ مل کر وہ کام میں جُت گئی۔

صابرہ نے پیاز کاٹا گوشت دھویا۔ وہ کام میں بزی تھی۔ اتنے میں ہادی چند شاپرز اٹھائے کچن میں آ گیا اور بولا۔

یہ لو بھئی باقی کا سامان۔

ذویا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی اتنی گرمی میں اُسے دیکھتے ہی ٹھنڈک بھرا سرور محسوس ہونے لگا۔

''ہوں! کیا بن رہا ہے وہ قریب آ کر پوچھنے لگا۔

ذویا آنچ دھیمی کر کے اُسے بتانے لگی صابرہ برتن لگوا رہی تھی۔ یار کبھی میری طرف بھی اسی توجہ سے دیکھ لیا کرو جسے اس دیگچی کو گھورے جا رہی ہو ہادی نے چڑ کر کہا تو ذویا کی ہنسی بکھر گئی۔

گڈ گرل ...... ہنستی رہا کرو...... ایک کپ چائے تو بنا دو صبح سے سر دکھ رہا ہے۔ اوپر سے اتنی گرمی میں امی نے بازار بھیجا۔

وہ کنپٹیاں دباتا وہیں کرسی پر بیٹھ گیا۔ ذویا نے پہلے ٹھنڈا گلاس پانی کا رکھا اس کے سامنے پھر چائے بنائی اور کپ تھما کر اُسے جانے کے عندیہ دیا۔

''جاتا ہوں...... وہ مسکراتا کپ تھامے اسے دیکھتا باہر چلا گیا۔

ذویا نے ایک گہری سانس لی اور ہاتھ تیز تیز چلانے لگی۔

تین گھنٹوں میں سارا کام نمٹ گیا ممانی دوبار چکر لگا گئی تھیں سب تسلی ہو گئی تو ذویا نے جانے کی اجازت طلب کی۔

''رکو...... کھانا کھا کر جانا۔'' بحالت مجبوری انہیں کہنا پڑا۔

نہیں ممانی جان بھوک نہیں ہے وہ جلدی سے کہتی ہوئی باہر آ گئی اور اوپر کی سمت جانے لگی۔ ماموں یونس ابھی تک نہیں آئے تھے ورنہ انہیں سلام کر آتی سیڑھیاں چڑھتی وہ اپنی سوچوں میں غرق اوپر آ گئی۔

آنسہ بیگم کروشیہ تھامے اپنے کام میں مگن تھیں۔ ذویا نے تھکن کے انداز میں ان کی گود میں سر رکھ دیا۔

تب وہ سمجھ گئی کہ ذویا کافی تھک ہوئی ہے۔

''میں اپنے کپڑے استری کر لوں پھر نماز...... آپ نے کھانا کھانا ہو تو آپ کو دے دوں؟ ذویا اٹھتے ہوئے بولی۔

''نہیں...... میں پہلے نماز پڑھ لوں...... پھر کھاتے ہیں وہ کروشیہ اور دھاگہ سمیٹ کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

☆☆☆

رات بستر پر لیٹی تو چھم سے ہادی آنکھوں میں آن بسا۔ کچھ ماضی کی یادیں بھی دامن سے لپٹنے لگیں۔

ذویا آمنہ اور صلاح الدین خوشگوار زندگی بسر کر رہے تھے ذویا کے بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جو صرف دو دن زندہ رہنے کے بعد فوت ہو گیا۔ اب ذویا ہی دونوں کی آنکھ کا تارا تھی ذویا چوتھی کلاس میں تھی جب صلاح الدین ایک ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے آمنہ کی دنیا اجڑ گئی ایسے میں بڑے بھائی یونس نے اکلوتی بہن کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس کی دل جوئی کی اور اسے اپنے بہت

بڑے گھر کا اوپر والا پورشن رہنے کے لیے دے دیا۔

آمنہ نے اپنا مکان کرائے پر چڑھا دیا۔ جو رقم صلاح الدین کے مرنے کے بعد ملی وہ بینک میں رکھوا دی یوں مہنگائی کے دور میں آمدنی کا سلسلہ چل نکلا یونس خود ان کی ضروریات کا خاص خیال رکھتے۔

آمنہ نے جوانی کے سارے موسم ذویا کے نام کر دیے۔

یونس اور فاخرہ کے تین بچے تھے۔ بڑا عاصم پھر ہادی اور ثمرہ۔

وقت کا پہیہ لمحوں اور دنوں کے چابک کھاتا آگے بڑھتا گیا بچے بچپن کی سرحد عبور کر کے کوانی کی ءوادی میں قدم رکھنے لگے۔

فاخرہ یوں تو اچھی تھی مگر حکم چلانا اس کا شیوہ تھا۔ ذویا اور آمنہ کو کبھی وہ دل سے مقام نہ دے سکیں تھیں جس کی وہ حق دار تھیں خود سے کم تر سمجھا کیوں وہ کھانے پینے میں مالدار گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہی بہت تھا کہ انہوں نے آمنہ اور ذویا کو اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا۔

آمنہ کم گو اور صلح جو خاتون تھی۔ خود سے کبھی موقع نہ دیتیں کہ لڑائی کی نوبت آئے کھانا پکانا رہائش اوپر تھی وہ اپنے کام سے کام رکھتی تھیں ضرورت پڑنے پر ہی نیچے جاتیں۔

عاصم بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے گیا ہوا تھا وہ ذویا سے سات سال بڑا تھا۔ ہادی ذویا سے چار سال اور ثمرہ دو سال چھوٹی تھی۔

ذویا نے بچپن سے اب تک ہادی کو اپنے لیے اچھا اور مخلص دوست سمجھا تھا آمنہ ذویا، کو بہت کم نیچے جانے دیتیں تھیں اور فاخرہ کے مزاج سے واقف تھیں ذویا کی اپنی ایک الگ دنیا تھی اور وہ اسی میں خوش تھی۔ آمنہ نے اُسے گھر داری خاص طور پر کھانا پکانے میں طاق رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ فاخرہ اس کا گاہے بگاہے فائدہ اٹھاتی رہتی تھی۔

ہادی آتے جاتے ذو معنی جملے بول دیتا ذویا بس مسکرانے پر اکتفا کرتی۔ مگر ہادی اس کے سامنے دل ہار بیٹھا تھا۔ اسے یہ نازک سی، ہمدرد، پیاری حسین گڑیا، جی جان سے عزیز تھی۔

ذویا نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہ کی مگر دل ہی دل میں اس کی پوجا کرتی تھی وہ تھا ہی چاہے جانے کے قابل اونچا لمبا وجیہ، سلجھا ہوا ایم بی اے کرنے کے بعد اسے بہت اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی تھی وہ بہت خوش تھا۔

ذویا بی ایس سی فائنل کے امتحانات دینے کی تیاریوں میں مصروف تھی چند ماہ قبل فاخرہ نے اپنی عزیز سہیلی نسرین کی بیٹی ماریہ سے عاصم کا رشتہ طے کر دیا تھا دونوں نے ایک دوسرے کو نیٹ پر دیکھا اور رضامندی دے دی۔

دھوم دھام سے منگنی ہوئی تھی ذویا نے بھی دل کھول کر لطف اٹھایا۔ یہیں پر ہادی نے اس بنی سنوری مورتی کو دوسری نظر سے دیکھا اور اپنی چاہت کا اظہار کر دیا۔ ذویا ایک حقیقت پسند لڑکی تھی۔ وہ خود سے بھی یہ بات چھپانا چاہتی تھی کجا کسی اور کو معلوم ہو۔‘‘

ورنہ ایک طوفان خیز قیامت کا سامنا ہوتا۔

☆......☆......☆

پیپرز کیا ختم ہوئے ایک بوجھ سر سے اترا۔ ذویا شام تک سو کر تھکن اتارتی رہی اگلے ہفتے ثمرہ کی سالگرہ تھی چاہتی تھی کہ اچھی سی خریداری کرے۔ اور ثمرہ کے لیے تحفہ بھی لے ثمرہ تھی تو نک چڑھی سی مگر اس کی پسند کے مطابق اُسے تحفہ دینا تھا۔

امی کل شاپنگ پر چلیں گے۔ رات کھانے پر وہ آمنہ بیگم کے ساتھ پروگرام ترتیب دینے لگی

ٹھیک ہے...... وہ چائے پیتے ہوئی بولیں۔

کچھ زیادہ پیسے رکھیے گا۔ ذویا برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔

ہاں...... میری جان مجھے پتا ہے وہ مسکرا کر بولیں۔

انہیں پتا تھا ذویا کبھی فضول خرچ نہ رہی تھی اس کا ارادہ تو یہی تھا کہ عاصم کی منگنی والا سوٹ پہن لے مگر آمنہ بیگم کو اچھا نہ لگا ایک ہی بیٹی تھی اس کی خواہشات بھی پوری نہ کرتیں۔

صبح ناشتے کے بعد وہ جانے کو تیار تھیں گیارہ بج گئے تھے مارکیٹ بھی کم وبیش اُسی وقت کھلتی تھی دو، تین گھنٹے کی خواری کے بعد اُسے اپنے لیے سوٹ پسند آ ہی گیا ساتھ میں جیولری اور جوتا بھی۔

ثمرہ کے لیے نفیس وقیمتی پرفیوم اور بریسلیٹ پیک کروا دیا آمنہ بیگم نے اپنی چپل خریدی اور وہ مارکیٹ سے باہر آ گئیں۔

ذویا بہت خوش تھی کہ اپنی پسند کی سب چیزیں خرید لیں۔

خوشی کو تلاش کیا جاتا ہے خوشی خود سے ہاتھ کہاں آتی ہے اپنے اندر چھپی کسی کونے میں گم ہوتی ہے اُسے برآمد کر کے اس کے ساتھ جشن منانے کا نام ہی اصل خوشی ہے۔

دن رات ایک جیسے انداز میں گزرے تھے پڑھائی، کام، سوچیں، اب وہ کچھ فراغت میں تھی۔ سو اپنے کیے تبدیلی چاہتی تھی سوئے اتفاق ثمرہ کی سالگرہ کی تقریب آ گئی۔

آمنہ بیگم تھیں کہ انہیں بس ہر دم اس کی شادی کی فکر ستاتی تھی۔ اس روز بھی یونس ماموں آئے تو آمنہ بیگم نے ذویا کا ذکر چھیڑ دیا۔ تو انہوں نے تسلی دی کہ اوپر والا جلد اور بہتر کرے گا۔

مگر آمنہ ایسی صورتحال میں گھری تھیں کہ خود سے کچھ نہ کر پا رہی تھیں اللہ کے بعد انہیں یونس بھائی کا ہی سہارا تھا۔

☆......☆......☆

سالگرہ سے ایک دن پہلے ذویا صبح سے شام تک نیچے مصروف رہی صفائی اپنی نگرانی میں کروائی سجاوٹ، ترتیب، اس کا ذوق بے حد اچھا لگا۔ لاؤنج کو بے حد خوبصورت انداز میں سجایا، باہر لان میں کھانے کا انتظام تھا۔ ہادی نے باہر کا کام سنبھالا ہوا تھا آتے جاتے وہیں پر کوئی ذومعنی فقرہ اچھال دیتا ذویا مسکرا کر رہ جاتی۔

اسے ہادی کے خلوص اور سچی محبت پر کوئی شک نہ تھا مگر حالات ایسے نہ تھے کہ وہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی ماموں، ممانی کو یہ موقع نہ دینا چاہتی تھی کہ اس کے بارے میں بری رائے قائم کریں جس سے آمنہ کو بھی ذہنی اذیت ملے۔ ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے۔

ہادی مخلص اور صاف گو نوجوان تھا۔ بچپن سے اب تک وہ ذویا کے ساتھ بہت اچھے برتاؤ کے ساتھ پیش آیا تھا خود ذویا اس سے مشورہ لیتی اسے ہادی پر اعتماد تھا مگر اس کے آگے سوچنا اس کے بس سے باہر تھا وہ کسی خوش فہمی کا شکار کیسے ہوتی جبکہ ممانی کی نظروں میں اس کی جو عزت و حیثیت تھی وہ اُسے داؤ پر لگانا نہیں چاہتی تھی۔ اُسے اپنی عزت نفس ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی

☆......☆......☆

سالگرہ کی تقریب شام میں تھی ذویا دن چڑھتے سوتی رہی گیارہ بجے آمنہ کے بار بار

یادداشت

بعض لوگوں کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے اور انہیں کل کی بات یاد نہیں رہتی۔ گزشتہ دنوں ایک انگریزی اخبار میں ناروے کی ایک خاتون کے بارے میں ایک ناقابلِ یقین خبر شائع ہوئی۔ یہ خاتون دلہن کا لباس پہنے بنی ٹھنی اپنے ہونے والے دولہا کا ہاتھ پکڑے ایک جج کی عدالت میں پیش ہوئی تاکہ سول میرج کی کارروائی پوری کراسکے جج کے حکم پر عدالت کے رجسٹرار نے سرسری طور پر اپنے ریکارڈ کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ خاتون تو پہلے ہی سے شادی شدہ ہے۔ جب یہ بات اسے یاد دلائی گئی تو اس نے بڑی بے نیازی کے ساتھ کہا اوہ شکریہ میں تو بھول گئی تھی۔ انکوائری کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس خاتون کا حافظہ واقعی کمزور ہے وہ بھول ہی بھول میں تین عدد شادیاں کرچکی ہے۔ ویسا تو کہا جاتا ہے کہ عورتیں اور ہاتھی کبھی نہیں بھولتے لیکن بندہ بشر ہے بار بار وقوع پذیر ہونے والے واقعے کی تفصیلات بے چاری خاتون کہاں تک یاد رکھتی۔ اس نے آسکر وائلڈ کی اس نصیحت کو گرہ میں باندھ رکھا تھا کہ کسی عورت کو مضبوط یادداشت نہیں رکھنی چاہیے۔ عورت میں یادداشت اس کے پھوہڑپن کا آغاز ہوتی ہے۔

(تحریر: ابنِ انشا: تصنیف کالم حسبِ منشاء) مرسلہ: شاہانہ احمد خان۔ کراچی

جگانے کے باوجود بھی وہ سستی سے اٹھی اور بستا چھوڑا۔

اٹھ جاؤ بھائی جان بلائیں گے تو کیا سوچیں گے ابھی تک سوئی ہوئی ہے۔

آمنہ بیگم نے اُسے ڈانٹ کر کہا تو وہ منہ بناتی واش روم میں چلی گئی۔

وہی ہوا ناشتے کے بعد وہ چائے کا آخری گھونٹ لے رہی تھی کہ اس کا بلاوا آگیا ذویا کیساتھ آمنہ کی بھی ہنسی نکل گئی۔

وہ ماں کو برتن نہ دھونے کا کہہ کر دوپٹہ درست کرتی سیڑھیاں اترنے لگی لاؤنج کی طرف جارہی تھی کہ صحن سے ہادی آتا دکھائی دیا۔

ذویا کو دیکھتے ہی دلفریب مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوگئی وہ پنک اور کافی رنگ کے لباس میں نے حد پیاری لگ رہی تھی۔ اس کے سامنے آکر کچھ ایسے تکا کہ اس کے آگے جانے کا راستہ بلاک ہوگیا۔

ہٹو...... مجھے ممانی نے بلایا ہے کہاں ہیں وہ؟ ذویا ازلی اعتماد سے بولی۔

ہائے ری قسمت۔ کبھی ممانی کے بیٹے کو بھی غور سے دیکھ لیا کرو ظالم حسینہ ہادی نے بے بسی سے کہا تو ذویا مسکرانے پر مجبور ہوگئی۔

تم بھی نہ بس۔ وہ اس کی سائیڈ سے نکلتے ہوئے ہنس کر آگے بڑھ گئی۔

ارے...... رُکو...... سنو ہادی بس پکارے گیا۔

وہ ان سنی کرتی ممانی کے پاس آگئی۔

فاخرہ ڈائنگ ٹیبل پر کافی سارا سامان بکھیرے بیٹھی تھیں۔

''آؤ...... آؤ...... ذویا' انہوں نے اس کے سلام کا جواب دینے سے پہلے ہی کام اس کے ذمے لگانا شروع کردیے۔

ذویا ہر بات کے جواب میں احترام سے سر جھکائے انہیں مطمئن کرتی رہی۔

مما تین بجے مجھے جانا ہے ساشا مجھے پک کر لے گی پارلر کے لیے۔

ثمرہ سیل فون گھماتی ماں کو بتاتے لگی۔ ذویا کو یکسر نظر انداز کر کے۔ ذویا، ماسی صابرہ، اور نادر کے ساتھ سامان سمیٹنے لگی بیکری کے آئٹمز، فروٹ، جوسز، وہ ترتیب سے سامان ڈیپ فریزر اور مناسب جگہوں پر رکھنے لگی دو گھنٹے بعد وہ فارغ تھی ممانی کو بتا کر اوپر آ گئی۔

ہادی ڈنر کی تیاریوں میں لگا تھا۔ گو سب کچھ ریڈی میڈ تھا مگر سنبھالنا تو اسے ہی تھا کچھ دیر سونے کے ارادے سے ذویا لیٹ گئی۔

عصر تک اس کی آنکھ کھلی چائے کے ساتھ دو چار بسکٹ کھائے اور پھر ذویا کپڑے استری کرنے لگی۔

شام تک مہمانوں کی آمد اور چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔

گاڑیوں کی آوازیں آنے لگیں۔

ذویا بالکنی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ بتیاں اور برقی قمقمے جل اٹھے تھے۔ برتنوں کی کھنکھناہٹ خوشبو ذویا کو سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

ذویا تیار ہو جاؤ آمنہ بیگم کی آواز پر وہ جیسے اپنے کسی خوشگوار خیال سے چونکی تھی اور بالکنی کا دروازہ بند کر کے ماں کے پاس آ گئی۔

جی امی ...... تیار ہوتی ہوں ..... کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

سیاہ کامدار لمبے فراک اور سفید چوڑی دار پاجامہ کے ہمراہ سفید اور کامدار خوبصورت آنچل، نفیس سی جیولری اور نازک سی سینڈل بالوں کو بل دے کر جوڑے کی شکل دے ڈالی ہلکا سا میک اپ مناسب لگ رہا تھا۔

خود کو خوشبوؤں میں ڈبو کر وہ مطمئن ہو گئی۔

آمنہ نے اسے پیار سے دیکھا اور اس کی نظر اتار دی معصومانہ حسن پوری آب تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔

آمنہ بھی تیار تھیں ذویا نے گفٹ والا بیگ تھاما اور ماں بیٹی نیچے والے سجائے حصے میں آ گئیں ذویا کو نجانے کیوں جھجک محسوس ہو رہی تھی ہمیشہ سادگی سے رہنے والی لڑکی آج بھرپور تیاریوں کے ساتھ تھی۔

لاؤنج میں یونس ماموں ممانی اور ثمرہ کے ننھیال والے بیٹھے تھے۔

آمنہ وہیں بیٹھ گئیں ذویا سب کو سلام کر کے ثمرہ کی طرف جانے لگی ثمرہ کا کمرہ اوپر تھا اس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا۔ ہادی یکدم سامنے آ گیا سیاہ ڈنر سوٹ میں اس کی وجاہت نمایاں ہو رہی تھی ایک منٹ ...... فٹافٹ اس نے موبائل نکالا اور ذویا کی دو چار تصویریں بنا ڈالیں۔

کیا ہے؟ ذویا کو قدرے ناگوار گذرا وہ خفا لہجے میں بولی۔

تصویریں ہیں تمہاری۔ ہادی قریب آ کر بولا۔ ذویا سٹپٹا گئی سنبھال کے رکھوں گا۔ دیکھتا رہوں گا۔ وہ گنگنایا۔

ذویا کو اس کی بوجھل آواز نے پلکیں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

اور ہادی اس کا یہ سوہنا روپ دیکھ کر جیسے جھوم اٹھا۔

ذویا بنا کچھ بولے ثمرہ کے کمرے میں آ گئی وہ پارلر سے واپس آ چکی تھی اور بہت پیاری لگ رہی تھی ذویا نے اُسے ساتھ لگا کر پیار کیا اور مبارک دے کر گفٹ دے دیا ثمرہ نے تھینک یو کہہ

کر گفٹ رکھ دیا اور دونوں لاؤنج میں آ گئیں کافی مہمان آ چکے تھے۔ ثمرہ سرخ رنگ کے جدید لباس میں بہت جچ رہی تھی اس کی خالہ زاہدہ اسے لپٹا کر خوب پیار کر رہی تھی۔ اویس بھی کن اکھیوں سے اُسے سراہ رہا تھا ذویا کو اویس ایک سلجھا ہوا لڑکا لگا، وہ اپنا بزنس کرتا تھا اس کا جھکاؤ ثمرہ کی طرف تھا ذویا نے واضح محسوس کیا۔

ذویا ماں کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھوڑی دیر بعد ہی ثمرہ کی سہیلیاں آنے لگیں خاص طور پر اس کی سہیلی سیماں اور اس کے ساتھ اس کی کزن ابرش جسے خاص طور پر ثمرہ نے بلایا تھا کہ فاخرہ اُسے دیکھ لے۔ ابرش بے حد حسین وجمیل اور نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والی مغروری لڑکی تھی اور ثمرہ اُسے بھابی بنانے کا سوچ بیٹھی تھی۔

فاخرہ بھی ابرش کو دیکھتی رہ گئی۔ جدید لباس پر دوپٹہ ندارد وہ سب کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی ثمرہ سب سے اس کا تعارف کروا رہی تھی ہادی نے بھی اس ماڈرن نمونے کو ناگواری سے دیکھا۔

اُسے تو سب میں ذویا منفرد اور نمایاں نظر آ رہی تھی پاکیزگی ونفاست کا پیکر۔ کیک کاٹا گیا۔ کولڈ ڈرنک سرو ہوئی، میوزک گانے، پھر کھانا رات گئے پارٹی ختم ہوئی۔ فاخرہ نے بہت پیار کرتے ہوئے ابرش کو رخصت کیا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابرش کو یہاں سے جانے ہی نہ دیتیں۔

اگلے کئی دن انہوں نے پلاننگ کی اور ثمرہ کے ساتھ ابرش کے ہاں جا پہنچیں ثمرہ بھی بے حد پر جوش تھی۔ رشتہ دینے کے بعد فاخرہ بے حد بے چین تھی کہ ابرش کی والدہ کا فون آ گیا وہ ہادی کو دیکھنے ان کے گھر آنا چاہتے ہیں مارے خوشی کے فاخرہ کے پاؤں زمین پر نہ لگ رہے تھے۔

اس رات انہوں نے پہلی بار یونس سے بات کی وہ تو جیسے بدک ہی اٹھے کہ باہر ہی باہر سارے معاملات حل کر لیے۔ ''افوہ! اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ بھئی میں ان کی طرف سے جواب آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اب مثبت جواب آیا ہے تو آپ کو بتا رہی ہوں۔

یونس بیوی کے مزاج سے واقف تھے۔ ان کا یہی ارادہ تھا کہ ذویا کو ہادی کی دلہن بنائیں گے۔ وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھے مگر یہاں تو معاملہ جیسے الٹ ہی ہو گیا۔ اب بات دل کی دل میں ہی رہ گئی۔

مجھے تو ابرش اتنی پیاری لگی ہے کہ کیا بتاؤں۔ وہ بے حد خوش تھیں۔

ہادی کو بتایا۔ یونس نے بجھے دل سے پوچھا۔ ابھی نہیں صبح بات کروں گی اور ہاں پلیز مینیو سیٹ کروائیں کہ کیا، کیا خاطر مدارت کیجائے ان کی۔

فاخرہ رات بھر خوشگوار سپنوں میں کھوئی رہیں۔

ناشتے پر انہوں نے یہ دھماکہ بھی کر دیا۔ ہادی پر۔

کیا وہ اُچھل ہی تو پڑا...... اور جیم والا ٹوسٹ واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

کیا مطلب کیا؟ بس شام میں جلدی آنا انہوں نے آٹھ بجے آنے کا کہا تھا۔

فاخرہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر خوشی سے اُسے حکم دیتی گئیں۔

ہادی نے بے بسی سے باپ کی طرف دیکھا وہ خلاف معمول بے حد خاموش تھے۔

کیا کہتا ہادی...... کیسے نام لیتا ذویا کا۔ کیوں کہ اسے بدنام کرتا۔

اسے یوں لگا جیسے اندر ہی اندر سارے چراغ ایک ایک کر کے بجھ رہے ہوں اپنی چاہت کا گلا گھونٹ کر فی الحال کا موشی اختیار کر لی۔ دکھتے دل کے ساتھ وہ بے دلی سے آفس چلا گیا۔

سارا دن بوجھل رہا۔ اپنی محبت کی ناکامی پر۔

جی چاہتا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

شام کو گھر آیا مقررہ وقت پر ابرش کے گھر والے آ گئے انہیں ہادی پسند آیا۔ مگر ہادی کو ابرش کے گھر والے ایک آنکھ نہ بھائے ماں کھلے گلے کے مختصر بلاؤز اور اسٹائلش ساڑھی باندھے کچھ زیادہ ہی ماڈرن نظر آ رہی تھی جب کہ باپ کی ہر بات میں امارت ٹپکتی نظر آ رہی تھی۔

کھانا کھا کر وہ انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دینے لگے۔

بس ڈیئر میں اب انگوٹھی پہنانے آؤں گی اپنی ابرش کو۔ فاخرہ کے اندر باہر سے خوشیاں پھوٹ رہی تھیں پتا نہیں انہیں کیا نظر آیا ان میں ان کے جانے کے بعد جیسے ہادی پھٹ پڑا۔

امی مجھ سے پوچھا تو ہوتا وہ بے بسی سے بولا۔

کیا مطلب میں تمہارا برا چاہوں گی۔

مجھے نہیں پسند یہ ماڈرن تہذیب کے نمونے، اس نے آخر کہہ دیا۔

وہ اس طرح بولا تو جیسے یونس کی جان آ گئی۔

اچھا...... کیا برائی ہے۔ فاخرہ تنک کر بولیں اور بحث چھڑ گئی۔

آپ بظاہر حسن پر مرمٹی ہیں جب کہ مجھے یہ سب ہرگز نہیں پسند ہے۔''

ہادی مسلسل انکار کر رہا تھا۔

آج کل یہی دور ہے کوئی پردے کی بولو پسند نہیں کرتا تمہیں آج ماں کی پسند بری لگ رہی ہے

کل جب وہ تمہاری زندگی میں آئے گی تو میرا فیصلہ درست معلوم ہوگا زمانے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ اللہ نے گھر بیٹھے اتنی حسین لڑکی دے دی، لوگ تو ڈھونڈتے رہ جاتے ہیں وہ اُسے ہر طریقے سے قائل کر رہی تھیں۔

ہادی بنا کچھ کہے اندر ہوتے ماتم کے شور سے گھبرا کر اپنے کمرے میں چلا آیا اس رات دو نفوس سسکتے رہے ایک یونس اور ایک ہادی۔

☆......☆......☆

اگلے ہفتے ہادی کی منگنی ہے۔ ثمرہ کی دوست سیماں کی کزن ابرش کے ساتھ۔ چھن سے کوئی چیز جیسے ٹوٹی تھی آمنہ بیگم کے اندر یہ سن کر اور ایسے ہی ذویا کے اندر...... بنا آواز...... اس نے کرچیوں کو اندر ہی سمیٹ لیا اور آنکھوں تک نہ آنے دیا۔

''بہت خوشی کی خبر ہے۔'' امی ذویا اشک دل مسکراتے ہوئے بولی۔

آمنہ بیگم نے غور سے اس کی طرف دیکھا جو لاپرواہی سے کھانے کے برتن سمیٹ رہی تھی یا پھر کمال کی اداکاری کر رہی تھی۔

ممانی تو بہت خوش ہوں گی ہے ناں وہ برتن دھوتے ہوئے اطمینان سے پوچھ رہی تھی آمنہ بیگم کا دل افسردہ ہو گیا۔

ہاں بہت خوش تھیں۔

ذویا اپنی سہیلی فروا کے ساتھ آج یونیورسٹی گئی ہوئی تھی کہ کلاسز کا پتا کر کے واپس آئی تو یہ دل خراش خبر سنی۔

دل تھا کہ تڑپ تڑپ کر دہائیاں دے رہا تھا۔ خود کو ٹٹولا تو ہادی براجمان دکھائی دیا۔ جواب کسی اور کا ہونے جا رہا تھا۔

دل کو یونہی سا رنج ہے ورنہ

تیرا میرا ساتھ ہی کیا تھا
رات ٹوٹے خوابوں کے ساتھ بین کرتے
گزرے عجیب موسم ہیں یہ دل کے موسم بھی
حالات بھی عجیب اور باتیں بھی عجیب۔

ابھی تو محبت کی ننھی سی کونپل پھوٹی تھی کہ تیز ہواؤں کی زد میں آ گئی شکر تھا کہ ہادی کے دکھائے ہوئے ہلکے سے خوابوں پر وہ ایمان نہ لائی ورنہ اس دل ناتواں کو سمجھانا کس قدر مشکل ہو جاتا۔

رات گئے گریہ وزاری کے بعد اُسے نیند آئی۔

صبح ہوئی تو بہت بہتر محسوس ہوا اداس ہوتی بھی کیوں ہادی نے کب اُسے کوئی خواب دکھائے تھے، جو وہ اس راہ پر چل پڑتی سو اپنی روٹین میں کام کرنے لگی مگر اندر ہی اندر کہیں خالی پن کا احساس پنہاں تھا اداسی نے دور تک پنجے گاڑ لیے تھے۔

اب اور کسی کے ساتھ ہے تو کیا دکھ
پہلے بھی کوئی ہمارا کب تھا

ہادی کافی دنوں سے دکھائی نہ دیا وہ اس سے چھپتا پھرتا تھا ذویا نیچے جاتی تو دکھائی نہ دیتا اوپر وہ بہت کم آتا تھا پہلے ذویا کبھی کبھی اور آمنہ بیگم بلا لیا کرتی تھیں۔ اس سے دوائیاں منگواتیں، ذویا اب خود ہی لے آتی ضرورت کی دوسری چیزوں کے ہمراہ۔

پھر ہادی کی منگنی کا دن بھی آ گیا ذویا کا دل گویا ڈوبا ہوتا جا رہا تھا۔

اس دن اس کی آنکھیں ہادی سے چار ہوئیں اُسے ہادی کی آنکھوں اور چہرے کی اداسی کے سائے دکھائی دیے۔ ذویا نے اُسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں نہ آنا چاہتی تھی۔

بے حد عالیشان گھر تھا ابرش کا۔ ماڈرن سوسائٹی جیسا۔

ذویا کو فاخرہ ممانی کی سوچ پر بہت افسوس ہونے لگا۔ کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ سب سے زیادہ حیرت اور صدمہ اس وقت ہوا جب ماڈرن تہذیب کا نمونہ ابرش ''ہائے'' کہتی جینز اور ریڈ ٹاپ میں ہادی کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی فاخرہ ہکا بکا رہ گئیں ان کا دیا ہوا سوٹ کہاں غائب تھا۔ کتنا خوبصورت بے حد قیمتی لباس لیا تھا انہوں نے ابرش کے لیے۔

ہادی کے چہرے پر تناؤ بڑھ گیا۔

دراصل ابرش اپنے اس خاص موقعے کو اپنی مرضی سے گزارنا چاہتی تھی اپنی پسند سے اور ہم نے کبھی اس پر پابندی نہیں لگائی فاخرہ کے استفار پر ابرش کی والدہ اپنے نیم عریاں کندھے اچکا کر بولیں تو فاخرہ پھیکی مسکراہٹ لیے چپ کی چپ رہ گئیں مگر اندر ہی اندر تلملا رہی تھیں۔

ہادی نے اس کو اور اس نے ہادی کو انگوٹھی پہنائی ابرش کی سہیلیوں اور کزن نے خوب ہلا گلا کیا ہادی پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

کہاں ذویا جیسا معصوم و پاکیزہ حسن اور کہاں ابرش

اور تو اور اس موقع کو پرکشش اور یادگار بنانے کے لیے ابرش نے اپنی کزنز کے ساتھ مل کر ڈانس بھی کرنا شروع کر دیا۔

عجیب بے ہنگم موسیقی بے شرمی۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا بے جوڑ رشتہ کیوں کر پنپ سکے گا۔ عاصم کے سسرال والے بھی ان کی چوائس پر حیران تھے۔

رات گئے یہ ہنگامہ اختتام ہوا۔

سب گھر آ گئے۔ فاخرہ جیسے عجیب سوچوں و خدشات کا شکار تھیں۔

مگر اظہار نہ کر پا رہی تھیں اظہار کرتیں تو قصور وار ٹھہرائی جاتیں ہادی گھر آ کر خوب ہڑبڑایا۔ یونس الگ اُسے باتیں سنا رہے تھے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ ایسے ہی وہموں کا شکار ہیں فاخرہ نے ایک بچکانہ تسلی دی۔

ہادی پاؤں پٹختا غصے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ بجائے آج رات وہ سب خوش ہوتے۔ الٹا پراگندہ لیے کرب میں مبتلا تھے۔

آخر انہیں ہم میں کیا نظر آیا۔ نہ ان جیسی دولت، نہ رہن سہن' ہادی کے اندر الجھنوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

☆......☆......☆

ذویا پہلے سے زیادہ مصروف ہو گئی تھی۔ ثمرہ کمپیوٹر کرنے چلی جاتی اور ذویا یونیورسٹی سے آ کر اپنے کاموں میں الجھ جاتی مگر رات کو عجب دکھ اسے جگائے رکھتا دونوں ایک دوسرے سے کتراتے پھرتے تھے۔

ذویا بہت کم نیچے جاتی تھی۔ امنہ بیگم کو اس کی شادی کی اب بہت زیادہ فکر رہنے لگی تھی وہ دعائیں اور وظیفوں پر زور دینے لگیں۔

اور ہادی کے لیے جیسے پریشانیوں کے در ہی کھل گئے۔

ابرش کے آئے دن سیر سپاٹوں ہوٹلنگ اور شاپنگ سے وہ تنگ آتا جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ آفس سے آتا ابرش کا تیار کردہ پروگرام شروع ہو جاتا۔ وہ حد درجہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگا تھا۔

ایک دو بار نہ جانے کے بہانے بھی کیے مگر وہ تھی کہ مان کے نہ دیتی بیزار ہو کر وہ فاخرہ کے آگے شکوہ کر بیٹھتا۔

بیٹا اسی طرح ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے ایک دوسرے کو سمجھنے اور جاننے کے لیے یہ وقت ہی مناسب ہوتا ہے۔

یوں ہادی منہ بنا کر جانے کو تیار ہو جاتا۔

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہونے کو تھا۔ اس کے بعد ابرش کے بھائی کے ایگزیم تھے سو اس کے ایگزیم کے بعد ان کی شادی ہونا تھی۔

ہادی کے اندر کوئی خوشی نہ پھوٹ رہی تھی الٹا ابرش اس کے لیے دردِ سر بنتی جا رہی تھی نہ اس کا فیشن اور نہ ہی اس کی دولت ہادی کو بھا رہے تھے عجب قسم کی کشمکش اور جنگ اس کے اندر جاری تھی۔ آنے والا وقت اسے کہیں سے بھی پرکشش دکھائی نہ دے رہا تھا۔

اس شام بھی ہادی اس کے ساتھ ایک ہوٹل میں ڈنر کر رہا تھا۔

ابرش کا لباس بے لباسی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔

حسن بجلیاں گرا رہا تھا۔ لوگ محفوظ ہو رہے تھے اور ہادی مجبور۔

وہ دبے دبے لفظوں میں ایک دو بار ابرش کو سمجھا چکا تھا۔ جس پر ابرش نے اسے دقیانوسی بوڑھا ذہن اور جانے کیا کیا خطاب دے ڈالے۔

وہ کھانا کھا رہے تھے کہ ہیلو کی آواز پر دونوں چونکے۔

جب ایک خوش پوش نوجوان ان کے قریب آ کر بولا۔ ابرش کا رنگ اسے دیکھتے ہی فق ہو گیا۔ وہ پہلو بدلنے لگی۔

کیسی ہو پنکی؟ وہ بے تکلفی سے ابرش سے مخاطب ہوا۔

ہادی ضبط کیے بیٹھا تھا۔ وہ ابرش کے ماحول سے واقف تھا۔

کون......کون......ہوتم ابرش ہکلائی۔

ہاں ......مسٹر کون ہو تم...... ہادی تمیز سے

کراتا ہوں تعارف پہلے آپ بتائیں آپ کون ہیں وہ ابرش کے اڑے حواسوں سے محفوظ ہوتا ذرا سا جھک کر ابرش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

میں ان کا فیانسی ہوں ...... ہادی اس کے سامنے کھڑے ہو کر بولا۔

اچھا......تو وارد ابرش کی جانب تمسخرانہ ہنسی ہنس کر دیکھتا ہوا بولا۔

اور میں...... میں ابرش کا سابقہ شوہر ہوں۔ عادل زبیر تین سال پہلے ہماری شادی ہوئی تھی اور ہماری چھ ماہ کی بیٹی تھی جو ابرش کی عدم توجہی کے باعث انتقال کر گئی اسی وجہ سے میں نے اسے طلاق دے دی۔ کیوں کہ اسے شمع محفل بننے کا شوق تھا اور ہماری بیٹی اس شوق کی بھینٹ چڑھ گئی میں مسقط چلا گیا اب آیا تو یہ نئے گل کھلا رہی ہے وہ طیش اور غصے میں آ کر بولے گیا۔

ابرش کی ایسی حالت کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

اور ہادی کے آس پاس دھماکے ہو رہے تھے۔

اتنا بڑا دھوکہ......ایسا فراڈ...... وہ غصے سے کھولتا ہوا ان دونوں کو وہیں چھوڑتا تیز ڈرائیونگ کرتا گھر آ گیا۔ فاخرہ یونس اور ثمرہ لاؤنج میں ہی تھے پر ہادی کے منہ میں جو آیا وہ بولتا ہی گیا۔ اک لاوا تھا وہ اگل رہا تھا فاخرہ منہ پر ہاتھ رکھے مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی ہادی باپ کے گلے لگ کر سسک اٹھا۔ وہ اُسے ساتھ لیے

نام

چوزہ (اپنی ماں سے) ماں انسان پیدا ہوتے ہی اپنا نام رکھ لیتے ہیں۔ ہم لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے۔

چوزے کی ماں: بیٹا اپنی برادری میں نام مرنے کے بعد رکھا جاتا ہے جیسا کہ چکن تکہ، چکن چلی، چکن ملائی یا چکن کڑھائی وغیرہ۔

☆☆☆..........☆☆☆

آج کی بات

عورت کا مرد کی زندگی میں اتنا دخل ہونا چاہیے۔

''جتنا پکوان میں نمک''

زیادہ نمک بھی زہر کی طرح ہو جاتا ہے۔

مرسلہ: فاطمہ سلیم۔ گلشن اقبال۔ کراچی۔

اس کے کمرے میں آ گئے۔ ہادی کے اندر باہر توڑ پھوڑ ہو رہی تھی پھر جانے کس لمحے ہادی کے منہ سے ذویا کا نام نکل آیا یونس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی اور اندر تک سکون وہ بس اس کی پیٹھ تھپکتے رہے۔

☆......☆......☆

رمضان المبارک کا محترم مہینہ اپنی ساعتوں میں نیکیوں کے ٹوکرے میں بھرے مسلمانوں پر لٹا رہا تھا آمنہ اور ذویا پیچھے ہونے والے سانحے سے قطعی بے خبر تھیں۔ ہادی کے لبوں پر اب ایک چپ لگی ہوئی تھی۔ فاخرہ خود کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ہادی سے کیا کہیں اس کے دل پہ گہری چوٹ پڑی تھی۔ ثمرہ کا سیماں سے خاصا جھگڑا ہوا۔ کچھ بھی تھا غلطی ان کی اپنی ہی تھی بنا چھان بین اور تحقیق کے حسن پر مر مٹے تھے۔

دس روزے خیر و عافیت سے گزر گئے فاخرہ ہادی کے لیے دن رات دعائیں کرتی کہ اسے سکون ملے۔

اس رات یونس نے انہیں صاف صاف باآور کرادیا کہ ایک بار فاخرہ نے اپنی مرضی و من مانی کرلی ہے اب وہ ذویا سے ہی ہادی کی شادی کریں گے۔ فاخرہ یہ سن کر کچھ نہ بول سکیں۔

تمہارا تو وہ حال ہے کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا۔ ایک بار دھوکہ کھالیا اب بار بار ہادی کو میں نے تجربہ گاہ نہیں بنانا۔ کبھی تم یونس نے حتمی فیصلہ دے دیا۔

اس تمام عرصے میں میرے بیٹے نے بجائے خوش ہونے کے اذیت کے دن گزارے ہیں میں اسے ساری زندگی تمہاری خواہشات کی بھینٹ چڑھنے نہیں دوں گا میں نے کہہ دیا کے عید کے بعد اس کی شادی کر رہا ہوں۔ عاصم کے آنے میں سال باقی ہے اس دوران تم ثمرہ کی بات پکی کرو۔ مجھے تمہارا بھانجا اویس ثمرہ کے لیے پسند ہے باقی تم بات کر لینا۔ اللہ بہتر کرے گا۔ انشاء اللہ۔

اور ہاں کل شام تیار رہنا۔ آمنہ کے پاس جا کر باقاعدہ رشتہ طلب کریں گے میں صبح جا کر اسے اس نئے تماشے سے آگاہ کرتا ہوں۔

یونس نے تمام فیصلے اپنے اختیار سے کرتے ہوئے اسے اطلاعات دیں اور اسے سو جانے کا کہا۔ لائٹ بند کر کے خود بھی کروٹ بدل لی۔ فاخرہ کو یوں لگا کہ جیسے اندر تک اطمینان نے اپنی جڑیں پھیلا دی ہوں اویس اسے بھی پسند تھا۔ زاہدہ اُسے ثمرہ کے لیے ایک بار کہہ چکی تھی مگر تب وہ خاموش رہیں اب چپ رہنے کا وقت نہ تھا۔

اور ذویا...... آج وہ اس پر بھی کھلی آنکھوں سے غور کر رہی تھیں۔

آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتری تو رشتوں کا تقدس واضح ہوا۔

اس کی جگہ عاجزی اور اطمینان نے لی تھی ہدایت کا راستہ مل گیا۔

وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کر رہی تھیں کہ صبح انہیں رشتوں کو استوار کرنا ہے رمضان المبارک کے بابرکت ماہ میں انہیں صحیح راستہ مل گیا۔

☆......☆......☆

پھر تو جیسے موسم نے کروٹ لی، سہانا موسم دل میں اترنے لگا۔

شام کو یونس ماموں فاخرہ اور ثمرہ آ گئے۔

ممانی نے اُسے دوپٹا اوڑھایا ماموں نے بہت سارے روپے ہتھیلی پر رکھے اور مٹھائی کھلائی اور ثمرہ نے بھی اسے پیار سے ساتھ لگایا۔

اب یہ ہماری امانت ہے فاخرہ اُسے پیار کرتے ہوئے بولیں آمنہ کے مارے شکر کے آنسو بہہ نکلے۔

یونس نے بہن کو گلے لگالیا ایک بار پھر سائبان بن گئے تھے وہ اپنی بہن کے۔ چاند رات کو باقاعدہ منگنی ہوگی۔ یونس نے کہا تو ذویا مارے شرم کے اندر چلی گئی۔

ہادی نے سنا تو جیسے شادی مرگ جیسی کیفیت طاری ہوگئی۔

اپنی خاموش و سچی محبت کی صداقت پر یقین آ گی وہ اسے یہ سب رمضان المبارک کے متبرک ماہ کا خاص انعام سمجھ رہا تھا۔

فاخرہ کے گلے لگ کر وہ مسکراتا رہا۔ فاخرہ کو یہی محسوس ہوا کہ ان کی دعا ہادی کے حق میں قبول

ہوگئی ہے کہ ایسے سکول ملے۔

عاصم بھائی نے اُسے خاص طور پر مبارک باد دی اور گفٹس بھجوائے ذویا تھی کہ سامنے نہ آ رہی تھی۔

گن گن کے بدلے نہ لیے تو میرا نام بھی ہادی نہیں۔

اپنی سوچ پر وہ خود ہی مسکرا اٹھا۔

زاہدہ تو جیسے پھولے نہ سما رہی تھیں۔ اویس بیرون ملک تھا اس کے آنے پر کوئی رسم کرنا تھی۔ ثمرہ بھی خوش تھی۔

ہر دوسرے تیسرے دن تراویح کے بعد ہادی کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ ثمرہ اور فاخرہ کو شاپنگ کرانا۔ بھیا یہ لیں، بھیا وہ لیں ثمرہ کی اپنی شاپنگ تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی ہادی بجائے تھکن محسوس کرنے کے تازہ دم ہو جاتا آخر کار انتیسواں روزہ بھی خیر و عافیت سے تمام ہوا۔

افطاری کے بعد لمحے ہی گزرے تھے کہ چاند، چاند کا دلفریب شور سماعتوں میں رس گھولنے لگا۔ شور غل، آتش بازی، ایک خوشی و انبساط کا سماں تھا ہر چہرے پر خوشی کا عکس نمایاں تھا۔

ذویا بھی چاند کو دیکھ کر دعائیں مانگنے لگی۔ دل کی مراد پوری ہو رہی تھی من چاہا ساتھی مل رہا تھا۔ آمنہ بیگم نے اُسے گلے لگا کر بے شمار دعائیں دیں۔

دونوں کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئی تھیں کہ سب لدے پھندے اوپر چلے۔

زاہدہ ان کے شوہر اور بیٹی ہما۔ عاصم کے سسرال میں سے بھی چند افراد تھے۔

گویا لاؤنج بھر گیا ذویا اپنے کمرے میں گھس گئی۔

ثمرہ اور فاخرہ وہیں آ گئیں۔

فاخرہ نے اُسے پیار کیا اور ثمرہ اور ہما کے ذمے لگایا کہ ذویا کو تیار کریں۔ کپڑوں اور باقی چیزوں کے بیگز انہیں تھمائے۔

پھر تو ثمرہ اور ہما کی مرضی چلی ذویا کے لاکھ منع کرنے پر بھی اسے دلہن بنا کے دم لیا اور تعریفی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

ہما بھی اس کی کھلے دل سے معترف ہو گئی آسمانی و گلابی کامدار سوٹ زیورات و خوشبوؤں میں لپٹی ذویا آج خود کو بدلی بدلی لگ رہی تھی۔

معصومانہ حسن پر سولہ سنگھار نے قیامت ڈھا دیا تھا۔

ثمرہ کی بچی ذویا نے اُسے مصنوعی ڈانٹا۔

ثمرہ اور ہما مسکراتی ہوئی اسے باہر لے گئیں لمبا سا گھونگھٹ ذویا نے خود ہی نکال لیا مارے شرم کے۔

اسے ہادی کے ساتھ بٹھا دیا گیا اور زاہدہ آنٹی نے اس کا دوپٹہ اونچا کر دیا۔ سب نے ماشاء اللہ کہہ کر تعریف کی ہادی اُسے ابھی تک دیکھ نہ پایا تھا دل تھا کہ بے چینی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔

اور ذویا کا دل تھا کہ پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا فاخرہ نے اسے انگوٹھی پہنائی آمنہ نے ہادی کو گھڑی پہنائی مٹھائی اور کولڈ ڈرنکس سے تواضع کی گئی مبارکبادیں سمیٹی گئیں۔

ارے ثمرہ چوڑیاں نہیں پہنائی ذویا کو۔

ممانی نے اس کے خالی بازو دیکھ کر افسوس سے کہا۔

مما وہ تو لینا ہی بھول گئی۔ ثمرہ مسکرا کر بولی۔

اب ایسا کریں بھائی آپ بھابی کو لے جائیں اور اپنی پسند کی چوڑیاں پہنا لائیں ہادی کو اس لمحے ثمرہ پر جی جان سے پیار آ گیا۔

اور ثمرہ کے مشورے پر ذویا کے پسینے چھوٹ گئے۔

ہاں بھئی ٹھیک ہے جاؤ بچو...... یونس خوش دلی سے بولے۔

ہادی تو جیسے منتظر ہی بیٹھا تھا۔

میں گاڑی نکالتا ہوں وہ ہنستے ہوئے بھاگا۔ یونس اس کی جلد بازی پر مسکرا دیے۔ ذویا نے اجازت طلب نظروں سے ماں کی طرف دیکھا جاؤ بیٹا اب تم ہادی کی امانت ہو ذویا بے بسی سے دیکھتی رہ گئی۔

ثمرہ اُسے نیچے لے آئی جہاں ہادی گاڑی میں بیٹھا تھا۔

تم بھی ساتھ چلو ناں ثمرہ ذویا نے گویا سہارا تلاش کرنا چاہا۔

ارے نہیں...... نہیں آپ لوگ جائیں میں کباب میں ہڈی کیوں بنوں ثمرہ نے ہنس کر کہا اور اُسے ہادی کے برابر میں بٹھا دیا۔

ذویا دھڑکتے دل کے ساتھ۔ بیچاری دوپٹہ سنبھالتی خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئی تھیں اسے اپنے چہرے پر ہادی کی نظروں کا ارتکاز واضح محسوس ہو رہا تھا۔ جو اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کیا ہے...... گاڑی چلاؤ...... ذویا نے جھنجھلا کر کہا۔

دیکھنے دو...... کب سے ترس رہا ہوں ہادی لوفرانہ انداز میں آنکھ مار کو بولا تو ذویا تلملا گئی۔

اپنی چیز دیکھ رہا ہوں ہادی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

اور تب...... جب ابرش۔ ذویا کا جملہ نامکمل رہ گیا۔ بس...... ہادی نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روکا۔ میں اپنی زندگی کا یہ سیاہ باب بند کر چکا ہوں ذویا۔

اب اس ٹاپک پر کبھی بات نہیں ہوگی۔ ''پلیز۔'' وہ قدرے تکلیف دہ لہجے میں بولا تو ذویا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ سوری...... سوری آئی ایم سوری۔

وہ انگلیاں مروڑتی نگاہیں جھکائے شرمندہ سی نظر آ رہی تھی۔

اوکے...... ہادی ساری کوفت وکلفت بھلا کر بولا۔ تمہیں پتا ہے تم میری دعاوں کا صلہ ہو میری خاموش محبت کا صلہ۔ ہادی کا لہجہ جذبوں سے چور تھا۔

ہاں...... میری بھی...... ذویا نے بھی اعتراف کرلیا۔

چاند رات مبارک ہو...... ملن مبارک ہو...... پیشگی مبارک ہو ایک دم ہادی نے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ لیا۔

ذویا نے اس کی پہلی جسارت کو کھلے دل سے قبول کرلیا آج زندگی اپنے پورے حسن کے ساتھ مکمل دکھائی دے رہی تھی۔

دو دل...... مل گئے تھے محبت کی دعاؤں کے بدلے، سچی محبت کو منزل مل گئی تھی۔

ہادی نے اس کی جانب خوبصورت نگاہ ڈالی اور سونگ آن کر دیا۔

آ رات بھر جائیں نہ گھر
جائیں نہ گھر آ رات بھر

ذویا نے مسکرا کر ہادی کی طرف دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ چاند رات کی ساری روشنیاں جیسے قلب و جان میں اتر رہی تھیں اس خوابناک لمحے میں ذویا نے دائمی خوشیوں کی دعائیں بہت دل سے مانگیں اور دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

☆☆......☆☆

افسانہ

حیاء بخاری

پہلی پہلی چاند رات

''بس سوچ کا فرق۔ اس بچے کے باپ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں، بس بچے پیدا کر کے ہی وہ ان پہ احسان کر کے بری ہو گئے اور ہمارے والدین کو تو پتا ہے شعور ہے کہ ہم اُن کے بچے اللہ کی طرف سے ایک تحفہ ہیں اور یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری......

عید نمبر کا خصوصی افسانہ، جو دلوں سے مکالمہ کرے گا

رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا۔ اتنی شدید گرمی کے باجود تمام اہل اسلام رحمتوں اور برکتوں کو سمیٹے مغفرت کی جانب قدم بڑھا رہے تھے۔ بھوک اور پیاس سے بے پرواہ صرف اور صرف اپنے رب کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کی کوششوں میں سرگرداں۔

آج بھی دن بے حد گرم تھا، مگر شام ہوتے ہی ٹھنڈی ہواؤں اور کالے بادلوں نے موسم بے حد خوشگوار کر دیا تھا۔ وہ ٹیرس پہ کھڑی اس خوبصورت سرمئی شام کا ہی حصہ لگ رہی تھی۔ تب ہی اس نے احتشام کی ہیوی بائیک کی چنگھاڑ سنی تھی۔ اس نے نیچے گلی میں نظریں دوڑائیں وہ بائیک اندر لا رہا تھا۔ ابھی تک اس کی نظر شاید علینہ پر نہیں پڑی تھی۔ وہ بنا ہاتھ ہلائے اندر چلا آیا۔

''دس......نو......آٹھ......سات چھ......وہ الٹی گنتی گننے لگی۔''

پانچ ...... چار ...... تین ...... دو...... ایک۔ پیچھے اس نے واضح پور پر سیڑھیوں پہ سے اس کے قدموں کی دھمک محسوس کی۔ مگر وہ مسکرا نہ سکی ہمیشہ کی طرح۔ دروازہ بجا۔

''آ جاؤ شامی۔'' اس نے فوراً ہی یہی جواب دیا۔

''ارے واہ تمہیں کیسے پتا میں آیا ہوں؟'' وہ حیران سا اندر آیا۔

''میں ٹیرس پہ ہوں۔ اس نے احتشام کے لیے آسانی کی۔ وہ سیدھا اسی کی طرف چلا آیا۔

''اوہ تو تم نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ ٹیرس کی گرل پہ اُسے ہاتھ جمائے دیکھ کر وہ پل بھر میں سمجھ گیا۔ میں جلدی میں تھا تو اس لیے ٹیرس کی طرف نظر ہی نہیں گئی۔ وہ گرل سے ٹیک لگا کر ٹھہرتے ہوئے بولا۔''

''ہوں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔ نظریں دور کہیں بادلوں پہ جمی تھیں۔

''تمہیں کیا ہوا ہے۔'' وہ بغور اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ شام کے سائے تھے یا وہ واقعی اداس تھی۔ وہ نہ جان سکا۔

''مجھے کیا ہونا ہے؟'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

''اس کا مطلب کچھ تو ہوا ہے۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''میڈم نے آج پھر مارننگ شو میں عید کی تیاریوں کی جھلک دیکھ لی ہے۔'' تبھی نگینہ وہاں آئی تھی اس کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا۔

اور اب ان کے دل میں حسرت رو رہی ہے کہ آخر یہ ان کی طرح ہر قسم کا لباس کیوں نہیں پہن سکتیں۔''

اس نے لیپ ٹاپ بیڈ پر رکھا اور ان کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

''مطلب۔'' احتشام ناسمجھی سے بولا۔

''مطلب یہ کہ ان کو بھی ہر دن کے لیے الگ اور قیمتی لباس اور وہ بھی جدید تراش خراش والا لباس چاہیے۔ جیسے کہ ٹائٹ جینز، سیلولیس شرٹس، دوپٹے اور قیمتی پتھروں والے عجیب غریب زیورات وغیرہ وغیرہ۔

نگینہ نے احتشام کو ساری تفصیل بتائی۔

وہ عجیب غریب زیورات نہیں ہوتے بلکہ آج کے دور کی ڈیمانڈ ہے جو تم جیسی اٹھارویں صدی کی روح رکھنے والی لڑکی کبھی نہیں سمجھ سکتی۔'' علینہ نے اُسے گھورا۔ وہ زبان چڑا گئی۔

''تم اپنی حد میں رہ کر بھی تو یہ سب انجوائے کرسکتی ہو۔'' احتشام نے حیرانگی سے اُسے دیکھا تھا جو اتنی چھوٹی سی بات کو لے کر اس قدر اُداس

تھی۔

''میری حد کا پتا تمہیں اچھی طرح ہے۔ دوپٹہ سر پر لو تو۔ آستین غلطی سے بھی چڑھا لو تو دادا، امی، بابا سب کو فکر لگ جاتی ہے۔ ذرا سا کھلا ٹراؤزر پہن لو تو دادی کہیں گی کسی درس میں ملانی لگ گئی ہو کیا؟ اس نے دادی کے لہجے کی نقل کی۔ اور تنگ پہن لو تو امی۔ ''یہ کب سلوا لیا کیوں سلوا لیا۔ کپڑا ایسے چپک کے ساتھ لگا ہے جیسے کچھ پہنا بھی ہے کہ نہیں حیاء ہی ختم ہوگئی ہے آج کل کی لڑکیوں کی اب کی بار اماں کی آواز نکال رہی تھی وہ۔

''تو تم کیا چاہتی ہو؟'' احتشام مسکرانے لگا۔

''میری خواہشات بہت تھوڑی سی تو ہیں۔ بس یہی کہ میرے عید کے کپڑے کسی برانڈڈ بوتیک کے ہوں۔ میری جیولری یہ عام آرٹیفیشل نہ ہو بلکہ کچھ مہنگی ہواتنی ہو کہ سب دیکھ کہ جل کر کوئلہ ہو جائیں۔ اور دوسرا میں بھی ٹی وی اداکاروں جیسی لگنا چاہتی ہوں۔ گلیمرس، پرکشش اور بے حد جاذب نظر۔'' اپنے خواب بتاتے ہوئے اس کی آنکھیں جگمگانے لگی تھیں۔

''تمہاری خواہشات واقعی کم ہیں مگر پتا ہے اصل بات کیا ہے؟'' احتشام نے کچھ بولنے کے لیے لب کھولتی نگینہ کو اشارہ کرتے ہوئے خود بولنا شروع کیا۔

''کیا'' وہ تجسس ہوئی۔

''اصل بات ہی یہی ہے کہ تم اپنے اصل کو نہیں پہچان رہی۔ یا پھر اگر پہچانتی بھی ہو تو اس سے انکار کر رہی ہو۔ اسے تسلیم کرو آسانی ہو جائے گی۔ احتشام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جو لوگ ٹی وی پر کام کرتے ہیں۔ ان کا اپنا ماحول ہوتا ہے وہ اُسی لحاظ سے بنے سنورے رہتے ہیں۔ نت نئے ہیئر اسٹائلز، میک اپ ڈریسز یہ سب ان کی مجبوری ہے اور یہ سب ایک طرح کی ان برانڈڈ کی بھی مشہوری ہوتی ہے۔ ورنہ عام زندگی میں وہ لوگ کس قدر سادگی پسند ہوتے ہیں تم اندازہ بھی نہیں کرسکتیں۔

''بالکل صحیح۔ یہی بات تو میں ان کو سمجھا رہی ہوں۔ نگینہ اس سے متفق تھی اور ہمارا ماحول، یقین کرو گی لوگ ایسے ہیں کہ جن کو وہ سب بھی پتا نہیں جو تم ہر بار فضول جان کر دھتکار دیتی ہو۔''

تب ہی احتشام کی سیل پہ بیپ ہوتی تھی۔

بابا کی کال ہے افطاری کا ٹائم ہوا چاہتا ہے۔ میں چلتا ہوں مگر ہاں پرسوں تم تیار رہنا کہیں لے کر چلوں گا۔'' اس نے مختصر بتایا۔

واؤ۔ مطلب چاند رات کو۔ شاپنگ بھی کرواؤ گے۔ اس کی توقع کے عین مطابق علیزہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

ہاں ہاں شاپنگ بھی کریں گے تم تیار رہنا وہ مسکرایا۔ اور باہر نکل گیا تھا۔

''کتنے اچھے ہیں یہ شامی بھائی نگینہ مسکرائی۔''

''ہاں اور اس معاملے میں، میں واقعی سب لڑکیوں سے خوش قسمت ہوں۔'' وہ بھی مسکرادی تھی۔

☆......☆......☆

توبہ ہے لڑکی۔ دیکھو تو الماری کی کیا حالت بنا دی ہے؟'' امی کمرے میں آئیں تو بیڈ، کرسیوں اور میز پر جگہ جگہ کپڑے بکھرے دیکھ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

صرف الماری کی نہیں امی، کمرے کی بھی نگینہ شرارت سے بولی۔

کچھ اپنی چھوٹی بہن سے سیکھ لو۔ کبھی جو اس کا بال تک کہیں گرا ہوا دیکھا ہے۔ امی نے اسے شرم دلائی۔

''تو میں کیا کروں امی۔ اس میں میرا کیا

قصور ہے۔ نگینہ کے بال آپ کی بالوں کی طرح مضبوط ہیں کبھی گرتے ہی نہیں اور میرے بال ابو اور دادو کی طرح اور کسی صحرا میں کھڑے درخت کے سوکھے پتوں کی طرح، بس ذرا سا ہلا دو اور یہ جھڑ جھڑ کے سارے پتے زمین پہ۔'' وہ ان کی مثال کو کہاں سے کہاں لے گئی۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کے رہ گئیں۔

''ماں۔'' کیوں اس کے ساتھ سر کھپاتی ہیں میں ابھی سنبھال دیتی ہوں سب۔ بس اسے فارغ ہو لینے دیں نگینہ نے پیار سے ماں کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے خدا کا شکر ہے کہ تجھ میں کچھ عقل تو ہے ورنہ اس لڑکی نے تو مجھے پاگل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' وہ خشمگین نگاہوں سے علینہ کو دیکھتی باہر نکل گئیں۔

''ویسے ڈھونڈ کیا رہی ہو؟'' اسے اب پرانے بریف کیس میں کپڑے کھنگالتا دیکھ کر نگینہ سے رہا نہیں گیا تو پوچھ ہی لیا۔

''کل مجھے احتشام ساتھ لے جا رہا ہے۔ تم جانتی تو ہو اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

''امی بابا سے اجازت لے لی۔''

''تم جانتی ہو شامی کو، امی بابا سے پوچھ کر ہی اس نے کہا ہوگا ورنہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا۔ پھر ہمارا باقاعدہ نکاح ہو چکا ہے وہ تلخ ہوئی۔''

''وہ ان کا بھتیجا ہے۔ پھر بھی ان کے مان کا خیال رکھتا ہے۔ تم بھی تو بیٹی ہو کر یہ عزت اور فخر دے سکتی ہو بابا اور ماں کو۔؟'' نگینہ نے کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھتے ہوئے تاسف بھرا لہجے میں کہا۔

''ہاں...... ضرور دے سکتی تھی اگر وہ بھی مجھے اتنا ہی پیار کرتے جس قدر وہ شامی کو کرتے ہیں۔''

''تم صرف بدگمان ہو امی بابا سے۔''

''وہم ہے تمہارا۔ اور سچ بتاؤں اگر یہی فرمائش میں کرتی ابو امی سے جو شامی نے کی تو مجھے صاف انکار کر دیا جاتا۔ وہ جانے کیوں ہر بات میں کوئی نہ کوئی ایسا پہلو تلاش لیتی تھی جو اس کے خلاف جاتا اور اسے ماں بابا کے خلاف کر دیتی۔

''مجھے تو رشک آتا ہے۔ سچ ڈراموں اور کہانیوں میں دیکھا ہے تم نے کس طرح ماں باپ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو عزت دیتے ہیں۔ ہر بات میں آزادی۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ جیسا ڈریس پہنیں جس سے دوستی رکھیں جہاں گھومیں اور اکثر ہیرو ہیروئن کس قدر ساتھ گھومتے ہیں ایک ساتھ تاکہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ وہ نہ جانے کس دیس میں کھوئی تھی۔

''وہ صرف خیالی باتیں ہوتی ہیں۔ صرف ہمیں دنیا کے بکھیڑوں سے نکلنے کے لیے ایک خوبصورت فینسی ورلڈ ورنہ یقین کرو خود ہی کردار تخلیق کرنے والی رائیٹرز جو اپنی کہانیوں میں اس قدر بہترین لوکیشن، ڈیشنگ ہیروز اور بنی سنوری ہیروئن کو دوسروں کی پلکوں کے خواب بنا دیتی ہیں۔ خود چند مربوں کے مکان میں الجھے الجھے بالوں اور بے ترتیب حلیے میں کسی موٹی توند اور بابا کی طرح گنجے سر والے شوہر کے لیے کھانا بنانے کی فکر میں ہلکان ہو رہی ہوتی ہیں۔ اسے خود ہنسی آ گئی جب کہ علینہ بھی اس کی منظر کشی پر ہنسنے لگی تھی۔

شکر ہے تمہارا موڈ تو اچھا ہوا۔ نگینہ نے شکر ادا کیا۔

''تم باتیں ہی اتنی پیاری کرتی ہو۔'' علینہ نے قریب آ کر اس کے گال چھوئے۔

''اچھا سنو۔'' علینہ جاتے جاتے مڑی۔

نگینہ نے ایک شاپر میں پڑا ڈریس نکال کر اس کے سامنے کیا۔

''یہ ڈریس کیسا رہے گا۔''
''لیکن یہ تو تمہارا عید کا ڈریس ہے نہ۔''
علینہ حیران ہوئی۔
تو نگینہ نے کندھے اچکائے۔
''تو کیا مطلب نگو۔ پرسوں عید ہے تم میری اترن پہنوگی۔''
''یہ صرف غرور ہے۔ ورنہ کئی لوگ تو عید پر بہن بھائیوں کی نہیں دوسرے لوگوں کی اترن پہنتے ہیں۔ ویسے بھی کہاں جانا ہوتا ہے یہ تو امی ہیں ہر دفعہ تمہارے اور میرے لیے کچھ نہ کچھ ضرور بنوا لیتی ہیں۔ وہ بے فکری سے بولی۔
شاکنگ پنک ڈریس تھا۔ جس پہ میرون کلر کی نگوں سے سجی نفیس سی لیس لگی تھی۔ ساتھ ہی میرون کلر کا دیدہ زیب بھاری کڑھائی والا دوپٹہ۔
''امی تمہارے لیے کتنے پیار سے کلر چوز کرتی ہیں ہمیشہ۔'' اس نے پھر منفی پہلو نکالا۔
''میری ماں یہ وہی ڈریس ہے جو تم نے رد کیا اور میں نے لے لیا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
''اوہ......اچھا......اچھا۔'' علینہ دانت نکال کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

آج آخری روزہ تھا اور افطار سے کچھ پہلے احتشام نے اُسے لینے آنا تھا۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اس نے بہت دل سے تلاوت کی اور پھر سادگی سے تیار ہو کر ٹیرس پہ ہی اس کا انتظار کرنے لگی، آج گرمی بھی کچھ کم تھی اور اس کا موڈ بھی موسم کی طرح بے حد اچھا ہو رہا تھا۔
صرف چند لمحوں بعد ہی اس نے دور سے احتشام کی ہیوی بائیک دیکھ لی اور اس کے لبوں پہ حسین مسکراہٹ مچلی۔ گھر تک پہنچتے پہنچتے وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ تب ہی ہاتھ ہلا گیا۔ اس نے المارى سے چادر نکالی اور خود کو اچھی طرح ڈھانپ کر باہر نکل آئی۔
''ارے لپ اسٹک بھی نہیں لگائی۔ نہ ہی کاجل لگایا۔ نگینہ سیڑھیوں پہ ٹکرا گئی۔
''رمضان ہے یار پھر باہر جا رہے ہیں۔'' وہ حیاء سے پلکیں جھکا گئی۔
''اوئے ہوئے نگینہ شریر ہوئی۔
''خیر ویسے تو آج تمہیں ضرورت بھی نہیں ہے عبادت اور محبت دونوں ہی مل کر نور بکھیر رہے ہیں جناب کے چہرے پر۔ کہ آج تو ہلال عید بھی شرما جائے۔''
''دفع ہو۔ اس کو دھکا دیتی وہ نیچے چلی آئی۔ جہاں شامی اس کا منتظر تھا۔
السلام وعلیکم۔'' اس نے ادب سے سلام کیا احتشام نے مسکرا کر جواب دیا۔
چلیں آنٹی اجازت ہے۔'' وہ مؤدبانہ لہجے میں اماں سے بولا۔
''ہاں بیٹا! اللہ خوش رکھے تم دونوں کو۔ انہوں نے دعا دی۔
اور بیٹا علینہ کا خیال رکھنا تم جانتے ہو یہ بالکل بھی سمجھدار نہیں۔ اور ہاں نگینہ کی طرح تم بھی اچھی طرح دھیان سے بیٹھنا یہ نہ ہو کہ بائیک سے نیچے گر جاؤ اور احتشام بیچارہ ڈھونڈتا رہے۔'' امی نے احتشام کے ساتھ ساتھ اُسے بھی ہدایت کی وہ منہ بنا گئی۔ اور پھر کچھ لمحوں بعد ہی وہ اس کے کندھوں کو تھامے بائیک پر بیٹھتی ہواؤں میں اڑنے لگی۔
''یار ذرا آہستہ پکڑو۔ پتھر کا نہیں ہوں میں۔ کچھ آگے جا کر ہی اس نے پیار سے ٹوکا۔ تو علینہ نے جھنپتے ہوئے گرفت ذرا ڈھیلی کی مگر ویسے ہی پکڑ کے بیٹھی رہی۔

''خوش ہو نہ اس نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر اس سے پوچھا۔

''بہت۔''

''آج میں تمہیں شہر سے باہر کچی آبادیوں میں لے کر جاؤں گا۔ جہاں کھیت، نہر، نالے دیکھ کر تم بہت خوش ہو جاؤ گی۔

''واؤ...... مجھے تو ویسے بھی نیچر سے بہت لگاؤ ہے۔ وہ چہکتی کچھ دیر بعد ہی وہ شہر کی پکی سڑک سے کچے راستے پہ مڑ گئے۔

''شامی روکو پلیز۔ اچانک ہی اس نے کہا تو شامی نے فوراً بائیک روک لی۔

''کیا ہوا۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔ مگر وہ جواب دیے بغیر ہی پیچھے کی جانب چل دی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

''سنو۔'' کوئی دس سالہ بچہ تھا۔ جو ہاتھوں میں غبارے تھامے سڑک کے کنارے ایک پکی جگہ پر بیٹھا تھا۔

''غبارے لینے ہیں بی بی۔'' عجیب سی خوشی دوڑی تھی اس کے چہرے پہ۔

''ہاں غبارے بھی لوں گی۔ اسے اس بچے کو منع کرنا اچھا نہیں لگا۔''

''پہلے یہ بتاؤ روزہ ہے۔'' اس کے سوال پہ وہ بچہ ہنس پڑا۔

''ہماری زندگی میں تو اکثر روزہ ہو جاتا ہے۔ باجی کبھی صبح تو کبھی شام آج بھی صبح سے ایک غبارہ تک نہیں بکا۔ اُدھر ماں دروازے کی طرف آنکھیں باندھے بیٹھی ہوگی یقین کرو کچھ بھی نہ کمانے کا اتنا غم نہیں ہوتا جو اس وقت اماں کی آنکھوں میں، ایک دم ہی امید کی جگہ خوف اور مایوسی کا رنگ دیکھ کر ہوتا ہے۔ کتنی گہری بات بول گیا تھا وہ دس سالہ بچہ۔

''بابا ہیں تمہارے۔'' وہ پوچھنے لگی۔

''ہاں جی ہیں۔''

''تو وہ کام کیوں نہیں کرتے۔''

''بابا تو کوئی کام نہیں کرتے باجی وہ تو بس ماں کو مارتے رہتے ہیں۔ جس وقت ان کو کھانا نہیں ملے۔''

''کیوں، کیوں نہیں کرتا کام تمہارا باپ ہے۔ تمہاری ذمہ داری اٹھانا اس کا فرض ہے۔ علینہ کو غصہ آنے لگا۔

''مگر بابا تو کہتا ہے ہم سب اماں کی اولاد ہیں اور اماں کہتی ہیں کہ ہم سب پر بابا کی خدمت فرض ہے۔'' وہ حیران رہ گئی تھی یہ کیسا باپ تھا یہ کیسی ماں تھی۔

''یہ لو بیٹا۔'' احتشام نے سو، سو کے دو تین نوٹ اسے تھمائے۔

''صاحب جی غبارے۔''

''نہیں ضرورت نہیں بیٹا کل عید ہے نہ تو یہ تمہاری عیدی ہے۔ اس نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔

''چلو علینہ۔'' وہ گم صم سی علینہ کا ہاتھ تھامے وہاں سے ہٹ گیا۔

نہر کنارے ٹھنڈے پانی میں پیر ہلاتے ہوئے بھی وہ اس بچے کی باتوں میں گم تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو۔''

''اس بچے کو سوچ کر حیران ہو رہی ہوں شامی۔ کتنا فرق ہے ہمارے اور ان کے ماں باپ میں۔''

''اسی کو تو سوچ کا فرق کہتے ہیں مائی ڈیئر۔''

''سوچ کا فرق۔''

''جی سوچ کا فرق۔ اس بچے کے باپ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں، بس بچے پیدا کر کے

ہی وہ ان پہ احسان کر کے بری ہو گئے اور ہمارے والدین کو تو پتا ہے شعور ہے کہ ہم اُن کے بچے اللہ کی طرف سے ایک تحفہ ہیں اور یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہیں۔ بس اسی لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت جان کر وہ جی جان سے ہماری نہ صرف جسمانی افزائش بلکہ اخلاقی تربیت کا بھی خیال رکھتے ہیں۔'' وہ خاموش رہی۔

''اب کیا سوچ رہی ہو۔'' وہ زچ ہوا۔''

''میں اب اپنی سوچ کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ ایک طرف معصوم بچے اپنے ماں باپ کا پیٹ پالنے کے لیے یوں گرمیوں میں سڑکوں پر رُلتے ہیں۔

صرف اس بات کے لیے کہ ان کے ماں باپ نے انہیں جنم دیا اس دنیا میں لائے اور ہم...... میں کیا کر رہی ہوں شامی میرے لیے اماں ابا کیا کچھ نہیں کرتے ہر وقت میری اور میرے مستقبل کی فکر، مجھے اچھے برے کی تمیز سکھانا میری خوراک، تعلیم اور لباس کی تمام تر ذمہ داری اٹھانا کبھی مجھے احساس تک نہ ہونے دینا کہ زندگی کتنی مشکل ہے۔''

''اب ہوئی نا اچھی علینہ والی بات۔'' وہ مسکرایا۔

''واقعی شامی تم سوچ نہیں سکتے آج مجھ پہ آگہی کا کون سا در کھلا ہے۔

''تم بدل رہی ہو علینہ۔''

''ہاں ...... میں بدل چکی ہوں شامی۔ بس ایک لمحے نے، ایک چھوٹے بچے نے میری سوچ بدل دی۔ اور...... وہ اس کی طرف مڑی۔

''اور شکر ہے تمہارا، کہ سبب تم ہی ہو۔'' اس کے چہرے پہ عجیب سا نور تھا۔

''چلو شاپنگ چلیں۔ شام قریب ہے۔''

''نہیں گھر چلیں گے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ کیوں۔''

''کیونکہ آج بہت کچھ لے لیا، چلو دیر نہ ہو جائے۔ چاند سب گھر والوں کے ساتھ ہی دیکھیں گے، اس نے تیزی سے شامی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔'' وہ کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆......☆......☆

چاند نظر آ گیا۔ سب بے حد خوش تھے۔ مبارکباد دے رہے تھے ایک دوسرے کو اور آج علینہ بھی بے حد خوش تھی۔

''لگتا ہے آج احتشام بھائی نے خوب مزے کروائے ہیں۔'' نگینہ نے چھت پر آتے ہی اُسے چھیڑا۔

''ہاں بہت زیادہ۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''لیکن تم کچھ لائیں تو نہیں یا چھپا کر رکھا ہے اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''جو کچھ بھی لائی ہوں آہستہ آہستہ تمہیں ظاہر ہونے لگے گا۔ مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اچھا چلو دیکھتے ہیں، ویسے آج مسکراہٹ زیادہ نہیں ہو رہی۔ نگینہ شریر ہوئی۔

''ہاں کیونکہ آج میں ان تہواروں اور رشتوں میں چھپی اصل خوشی جان گئی ہوں۔ یہ میری پہلی چاند رات سمجھو۔ اچھا میں اماں کے ساتھ کچھ کام نمٹا لوں، تم تب تک میرے لیے دعائیں مانگ لو۔ اس کے ماتھے پہ آئی لٹ کھینچ کر وہ ہنستی ہوئی نیچے دوڑ گئی۔ اور نگینہ حیران سی اسے دیکھتی رہ گئی۔ کہاں علینہ اور کہاں گھر کے کام۔

واقعی یہ تمہاری پہلی چاند رات ہے اور میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ ایسی ہی محبتوں بھری کئی چاند راتیں اپنے دامن میں سمیٹ لو۔ آمین۔'' وہ بھی مسکراتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆......☆☆

افسانہ

نبیلہ نازش راؤ

عید کا چاند دریچے میں

"اگر آج چاند رات ہوگئی تو رات بھر آؤٹنگ پر چلیں گے تم لوگ چوڑیاں وغیرہ پہن لینا اور ہاں اپنی مہندی وغیرہ جلدی لگا کر چھڑا دینا۔ پھر کہو گی میرے قریب مت آئیں، میرے مہندی لگی ہوئی ہے پورا ایک مہینہ ہوگیا ہے پابندیاں برداشت......

عید کی مناسبت سے لکھا گیا ایک خوبصورت افسانہ

"کیسی باتیں کر رہی ہیں امی جان آپ، میں فضول قسم کے رسم رواج کو نہیں مانتا۔ ان سے کہیں اپنے رسم رواج پر اپنے گھر میں عمل کریں۔ آنسہ عید یہیں اپنے سسرال میں کرے گی۔ ہم عید کی شام کو

ان کے گھر چلے جائیں گے۔ لیکن عید سے پہلے آنسہ کو وہاں نہیں بھیج سکتا۔
آنسہ کے سامنے اپنے غصے کا اظہار کرتے وقت یہ بھی بھول گیا کہ اپنے گھر والوں کے متعلق حارش کا بدتمیز سا لہجہ سن کر اسے برا لگنے لگا۔ جبکہ امی جان معاملے کی نزاکت کا احساس کر کے...... آنکھوں کے اشارے سے اُسے آنسہ کی موجودگی کا احساس دلا رہی تھیں۔
''بیٹا وہ بھی کیا کریں مجبور ہیں۔ ان کے یہاں کی یہ رسم ہے کہ شادی کے بعد پہلی مرتبہ آنے والا تہوار لڑکی تو اپنے میکے میں مناتی ہے خصوصاً عید کا چاند اپنے میکے میں دیکھ کر سارا دن اپنے گھر میں گزار کر رات کو اپنے دولہا کے ساتھ سسرال جاتی ہے۔''
''اونہہ! رات کو سسرال جاتی ہے۔ جب چاند رات اور عید کا سارا دن گزر گیا تو پھر رات کو بھیجنے کا کیا فائدہ، رات کو بھی اپنے پاس رکھیں۔
امی آپ خود سوچیں، یہ ظلم نہیں ہے۔ ابھی ہماری شادی کو صرف دو مہینے ہوئے ہیں، شادی کے چھبیس دن بعد تو رمضان آگئے تھے۔
نہ کہیں میں گھومنے جا سکا شروع میں تو دعوتوں کی وجہ سے آپ لوگوں نے جانے نہیں دیا۔ پھر رمضان آگئے اب کیا عید بھی میں اپنی دلہن کے ساتھ نہیں مناؤں۔
آپ بھی ان کو اپنی رسم بتا دیں کہ ہمارے ہاں لڑکی چاند رات اور عید اپنے سسرال میں کرتی ہے، اور شام کو میکے میں دعوت ہوتی ہے۔''
''میں نے اُن کو بتایا تھا بیٹا! لیکن وہ کہنے لگیں ہم مجبور ہیں۔
بیٹا ہمارے ہاں ایسا نہ ہو تو برا شگون سمجھا جاتا ہے اور پھر پورے خاندان میں الگ الگ باتیں بنیں گی۔ کہ آنسہ کی سسرال صحیح نہیں ہے۔ اسے عید تک کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔''
''اوہ! میں آپ عورتوں کی باتیں سن سن کر پاگل ہو جاؤں گا۔'' حارش نے جھلا کر کہا۔
''آنسہ تم بتاؤ تمہاری کیا مرضی ہے۔ تم عید یہاں کرنا چاہتی ہو یا اپنے میکے میں؟'' وہ خاموش کھڑی آنسہ کی طرف مڑا۔
''جو آپ کی مرضی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔ دو ماہ کے عرصے میں اس نے حارش کا غصہ پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور اس کے اتنے شدید غصے کو دیکھ کر وہ اندر ہی اندر کانپ رہی تھی۔
''میری مرضی کیا مطلب۔'' ''تمہاری کوئی مرضی نہیں تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شادی کے بعد پہلی عید سسرال میں کرو یا میکے میں۔'' اس کی جھلاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔
''نہیں۔'' ''میرا مطلب آپ جیسا چاہیں۔ میں یہیں رہوں گی۔ اس نے گھبرا کر کہا تو حارش نے سکون کا سانس لیا۔
''بس! جب ہم دونوں کی راضی نہیں ہیں تو ان کی امی اپنے رسم رواج پر کیسے عمل کر سکیں گی۔''
امی نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا وہ تو خود نہیں چاہ رہی تھیں کہ شادی کہ بعد پہلی عید بہو میکے میں منائے۔ ان کے گھر کی ساری رونق ہی عید پر چلی جائے۔
ان کی بیٹی سانیہ کو کس قدر شوق تھا۔ اپنی بھابی کے ساتھ عید منانے کا۔ سانی اکلوتی تھی، ہر عید، بقر عید نہ اسے مہندی لگانے کا مزہ آتا تھا نہ چوڑیاں پہننے میں اور نہ عید منانے میں مزا آتا تھا۔ تب وہ اُسے بہلاتیں تمہاری ماشاء اللہ دو دو بھابیاں آئیں گی۔ تم ان کے ساتھ عید منانا پھر وہ ہر عید اسی آس پر مناتی کہ شاید اگلی عید تک بھائی کی شادی ہو جائے

اور وہ عید اپنی بھابی کے ساتھ منائے اس مرتبہ وہ بہت خوش تھی کہ وہ عید اپنی بھابی کے ساتھ منائے گی۔ آنسہ کو انہوں نے ایک میلاد کی تقریب میں پسند کیا تھا۔ وہ ان کے خاندان کی نہیں تھی۔ اسی لیے ان کی رسم رواج ان سے مختلف تھے۔ وہ سادہ مزاج خاتون تھیں۔ انہیں علم تھا کہ غیروں میں شادی کی ہے تو پھر ان کے رسم رواج پر بھی عمل کرنا پڑے گا لیکن حارث تو برہم ہو گیا وہ تو شکر تھا کہ دونوں میاں بیوی نے خود ہی معاملہ طے کر لیا وہ مطمئن ہو گئیں کہ انہوں نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر لی ہے۔ حارس نے آنسہ کو شادی سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اُسے اپنی ماں کی پسند پر اعتبار تھا، اور اس کا یہ اعتبار صحیح ثابت ہوا۔ آنسہ اس کے تصورات سے زیادہ خوبصورت، سادہ مزاج اور خوش اخلاق نکلی، وہ شادی سے پہلے کی محبت کا قائل نہیں تھا۔ اس نے اپنے سارے جذبے اپنی ساری محبتیں اس ہستی کے لیے چھپا کر رکھی تھیں۔ جسے اس کی بیوی ہونے کا شرف حاصل ہوگا اسی لیے اس نے آنسہ پر اپنی ساری چاہتیں نچھاور کر دیں۔

''آنسہ جان! تم ناراض تو نہیں ہو۔ میں شاید غصے میں تمہاری امی کی شان میں گستاخی کر گیا ہوں۔''

''نہیں! میں نے مائنڈ نہیں کیا۔''

اس کا مطلب ہے میں نے مائنڈ کرنے والی کوئی بات ضرور کی ہے لیکن میرا خیال ہے۔ میں اپنے غصے میں حق بجانب تھا۔ ابھی ہم نے اپنی شادی کو بھرپور طریقے سے انجوائے بھی نہیں کیا۔ ہنی مون پر بھی نہیں جا سکے۔ فوراً رمضان آ گیا اور میں جو ذرا پیار سے تمہارے قریب آتا ہوں تو تم ''روزہ'' ہے کہتی ہوئی دور بھاگ جاتی ہو۔ حالانکہ اللہ میاں نے یہ بھی نہیں کہا کہ روزے میں ذوہر سے دس فٹ دور رہو۔''

حارث نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے قریب کرنا چاہا تو وہ ہنستی ہوئی دور ہٹ گئی۔

''میں پھر یہی کہوں گی حارث صاحب روزہ ہے دور رہیے۔ حارث نے اسے مصنوعی غصے سے گھورا۔

''ایک تو ہمارے بزرگوں کی شادی کی تاریخ غلط رکھ کر بہت ظلم کیا ہم پر۔ انہیں دیکھنا چاہیے تھا کہ شادی کہ فوراً بعد رمضان آ جائے گا روزے نئے دولہا دلہن کو دور رہنا پڑے گا۔

''مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے، آپ کے گھر میں پہلی مرتبہ روزہ رکھ رہی ہوں، اور پھر ہمارے شادی کے فوراً بعد عید آ رہی ہے اور عید یقیناً میری زندگی کی سب سے خوبصورت عید ہو گی۔''

''انشاء اللہ میں عید کی نماز پڑھ کر آ ؤں، تو مجھے تیار ملنا۔ پھر ہم عید ملیں گے۔ اور میں تمہیں ایک خوبصورت سا تحفہ دوں گا۔''

''تحفہ آپ دیں گے، آپ کی مرضی لیکن میں اپنی عیدی نہیں چھوڑوں گی، مجھے عیدی لینا بہت اچھا لگتا ہے میں ہر عید پر بھائیوں سے لڑ جھگڑ کر عیدی لیتی ہوں۔''

''ہاں یاد آیا۔ تم نے عید کی شاپنگ کر لی۔''

''نہیں! اتنے سارے نئے کپڑے رکھے ہیں ابھی بری اور جہیز کے۔''

''لیکن پھر بھی عید کا نیا سوٹ لینا تو بنتا ہے مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ امی نے تو مجھ سے کہا تھا کہ دلہن کو عید کی شاپنگ کرا دینا۔ بائیسواں روزہ ہے۔ اوہو بہت کم دن رہ گئے ہیں، پھر آج ہی رات چلو۔''

''ٹھیک ہے اب میں جاؤں۔ قرآن شریف پڑھنے میں دیر ہو رہی ہے۔''

''جاؤ عبادت کرنے سے کون روک سکتا ہے۔ میرے بدلے کی ساری عبادت بھی تم ہی کر رہی ہو اس مرتبہ۔''

وہ مسکراتی ہوئی قرآن شریف پڑھنے کے لیے اٹھ گئی اور حارث تکیے میں منہ چھپا کر لیٹ گیا۔

''بھابی آج افطاری میں کیا کیا بنا رہی ہیں آپ؟ کسٹرڈ، اور دہی بھلے، اور میرے فیورٹ کباب رول ہائے سچ آج روزہ بہت لگ رہا ہے۔''

بدر ابھی ابھی یونیورسٹی سے آیا تھا اور وہ لاؤنج میں قرآن شریف پڑھ رہی تھی۔ وہیں آ کر کارپٹ پر لمبا لمبا لیٹ گیا۔

''بھابی آپ کو کوئی نئی ڈش بنانے نہیں آتی جو ہمارے گھر میں کبھی نہیں بنی ہو ہم دوسرے خاندان کی بیٹی کو اسی لیے تو بہو بنا کر لائے ہیں کہ روز روز نئی ڈشز کھانے کو ملیں۔ بچپن سے اپنے گھر کے کھانے کھا کھا کر بور ہو گئے ہیں۔

''آپ کو روزے میں کھانے پینے کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سوجھتی؟''

کشن پر بیٹھی سانیہ اپنی دوستوں کو عید میسج سینڈ کر رہی تھی جو آج اُسے ہر حال میں سب کو سینڈ کرنے تھے ایک اس نے اپنی پیاری بھابی کے نام میسج لکھ کر سینڈ کیا جو وہ چپکے سے چاند رات کو ان کے کمرے میں رکھتی۔

''تم اپنا کام کرو۔ پھر وہی ہر سال کی طرح فضول خرچی کر رہی ہو۔ مہنگے مہنگے کارڈز خرید رہی ہو شو مار رہی ہو اپنے دوستوں کے سامنے۔

''یہ بھی محبت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ ہر چیز کو روپے پیسے سے مت تولا کریں آپ۔''

آنسہ ان کی بحث سن کر مسکرا رہی تھی۔ وہ بھی اپنے بھائیوں سے ایسے جھگڑتی تھی۔ اس نے قرآن بند کر کے چوما، اور پھر احتیاط سے جزدان میں لپیٹنے لگی۔

''ہوں تو تمہیں آج کوئی نئی ڈش چاہیے۔ کیا پکاؤں کوئی سویٹ ڈش یا......''

''خوب چٹ پٹی ڈش ہو۔'' بدر کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔

''بس اب اپنا روزہ مکروہ مت کرو پکا دوں گی۔ کچھ یہ بتاؤ شام کو شاپنگ پر چل رہے ہو تم دونوں۔''

''آپ ہمیں شاپنگ کروائیں گی۔''

''جی نہیں آپ کے بھائی مجھے شاپنگ کروائیں گے اور ہو سکتا ہے اس بہانے تم دونوں کو بھی کچھ دلوا دیں۔'' اس نے چھیڑا۔

''بھائی جائیں گے تو پھر میں نہیں جاؤں گا ۔لڑکیوں کو دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملے گا حالانکہ شام کو تو روزہ نہیں ہو گا۔

''جی! تو اللہ میاں نے یہ نہیں کہا کہ جب روزہ نہ ہو تو خوب گناہ کرو۔''

''میرا تو کل اپنے دوستوں کے ساتھ پروگرام ہے۔'' ''تانکہ جھانکی کا۔'' سانیہ بیچ میں بول اٹھی۔

''جی نہیں شاپنگ کا۔''

سانیہ! تم تو چلنا میرے ساتھ اکیلے میں کچھ سمجھ نہیں آئے گا۔''

''نہیں بھابی اچھا نہیں لگے گا بھائی کہیں گے کباب میں ہڈی بن کر آ گئی۔''

''نہیں کہیں گے۔ تمہارے بھائی ایسے نہیں ہیں۔''

''پھر بھی، فرسٹ ٹائم تو آپ اکیلے چلے جائیں، پھر چاند رات کو ہم سب ساتھ مل کر جائیں گے چوڑیاں پہننے۔''

''اپنے ساتھ مجھے بھی چوڑیاں پہنا رہی ہو ہم، سب سے تمہارا یہی مطلب نکلتا ہے لیکن مجھے بزدل بننے کا کوئی شوق نہیں۔''

''تو تم چوڑیاں نہیں پہننا۔ تمہیں ہم کڑے دلا دیں گے۔'' آنسہ نے بھی اسے چھیڑا۔

''ارے! آپ سے تو میں خوب تگڑی عیدی

لوں گا۔ یہ سانیہ کی بچی تو بھابی سے عیدی مانگ لیتی تھی۔ مجھے بھائی دیتے بھی تو میں نہیں لیتا تھا۔ کچھ شرم سی آتی تھی بھائی سے۔ لیکن میں نے سوچ رکھا تھا کہ پچھلی ساری عیدیوں کی کسر اپنی بھابی سے عیدی لے کر نکالوں گی۔

''ہاں کیوں نہیں ایسی عیدی دوں گی۔ دل خوش ہو جائے گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''بھابی بیٹھیں ناں کہاں جا رہی ہیں۔''

ذرا افطاری کی تیاری کر لوں۔ تمہارے لیے کوئی نئی ڈش بناؤں۔ پھر عصر کے بعد بہت کم وقت بچتا ہے آج کل۔'' وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔

☆......☆......☆

حارش نے اُسے ہر چیز اپنی پسند کی دلائی۔ خوبصورت پیچ کلر کی ساڑھی، میچنگ شوز، پرس وغیرہ۔ آنسہ نے سانیہ کے لیے ایک خوبصورت سوٹ اور بدر کے لیے پرفیوم اور شرٹ خریدی، عید پر گفٹ دینے کے لیے۔

''میرا تحفہ تو خریدا نہیں تم نے؟'' حارش نے مصنوعی خفگی سے اُسے گھورا۔

''آپ کا تحفہ تو عید پر میں خود ہوں گی ناں۔''

اس کی بات سن کر حارش کے لبوں پر دل آویز مسکراہٹ آ گئی۔ واقعی اس عید کے لیے سب سے بڑا تحفہ خود آنسہ ہی کی موجودگی تھا۔ آنسہ کا پروگرام دراصل کچھ اور تھا اس نے سوچا تھا کہ وہ حارش کے لیے گفٹ بدر سے منگوا لے گی۔ اور پھر سرپرائز کے طور پر چاند رات کو بیڈ پر اس کے تکیے کے پاس گفٹ رکھ دے گی۔ جسے دیکھ کر وہ خوش ہو جائے گا واپسی میں آئسکریم کھاتے ہوئے تقریباً بارہ بجے گھر پہنچے۔ تب ہی اُس کی امی کا فون آ گیا۔

''عید سے دو دن پہلے پانچ کلو برفی لے کر آ جانا۔ شادی کے بعد پہلا تہوار ہمارے ہاں میکے میں گزرتا ہے۔ عید کا چاند ہمارے ہاں دیکھنا اور پھر عید کر کے سسرال چلی جانا۔''

آنسہ کو پتا تھا کہ ان کے یہاں ایسا ہی ہوتا ہے، اس کی دو بڑی شادی شدہ بہنوں نے بھی اسی رسم پر عمل کیا تھا۔ لیکن ان کی بات دوسری تھی۔ وہ دونوں اپنے ہی خاندان میں بیاہی تھیں۔ ان کے شوہروں کو بچپن سے ہی علم تھا اس لیے وہ ذہنی طور تیار تھے۔ لیکن ان کے خاندان میں ایسی کسی رسم کا تصور تک نہیں پایا جاتا۔ اسی لیے تو وہ کسی طور اسے ماننے کو تیار نہیں ہو رہے تھے۔

آنسہ نے اپنی امی کو یہی سمجھایا اور ان سے کہا، خود اس کا دل بھی نہیں چاہ رہا وہاں آنے کا۔ وہ عید یہیں اپنے سسرال میں کرے گی۔

امی تو اس کی اس بات پر بہت خفا ہوئیں۔

انہوں نے کہا، اگر ایسا نہ ہو تو بہت بڑا شگون سمجھا جاتا ہے اور پھر خاندان والے باتیں بنائیں گے۔ میں نے پہلے ہی سب کی مخالفت لے کر تمہاری شادی غیر خاندان میں کی اب میں مزید باتیں نہیں سننا چاہتی۔

''امی آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ حارش کسی بھی طرح اس بات پر رضامند نہیں ہو رہے ہیں۔

کیا فائدہ، میں اپنے شوہر کی ناراضگی مول لے کر میکے آؤں۔''

''تم اسے پیار محبت سے سمجھ سکتی ہو۔ حارش بہت اچھا لڑکا ہے سمجھ جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ تم خود یہاں نہیں آنا چاہتیں۔

امی نے ناراض ہو کر خوف فون بند کر دیا۔ وہ پریشان ہو گئی وہ شوہر اور ماں کے درمیان میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ لیکن اب اس نے ساری زندگی شوہر کے ساتھ ہی گزارنی تھی۔ اسی لیے اُسے شوہر کی مرضی پر چلنا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ نہیں

جائے گی۔

☆......☆......☆

''آج شاید چاند ہو جائے، اس مرتبہ انتیس کا چاند ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ حارث نے صبح آفس جاتے ہوئے کہا۔

''اگر آج چاند رات ہوگئی تو رات بھر آؤٹنگ پر چلیں گے تم لوگ چوڑیاں وغیرہ پہن لینا اور ہاں اپنی مہندی وغیرہ جلدی لگا کر چھڑا دینا۔ پھر کہو گی میرے قریب مت آئیں، میرے مہندی لگی ہوئی ہے پورا ایک مہینہ ہو گیا ہے پابندیاں برداشت کرتے ہوئے۔''

حارث کی آنکھوں میں شوخیاں ہی شوخیاں تھیں۔

''جی! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں سرے سے مہندی ہی نہیں لگاتی۔ لیکن امی جان یعنی میری پیاری ساس جی نے حکم دیا کہ ہاتھوں کے ساتھ ساتھ دونوں پیروں پر بھی مہندی لگانا دلہن کے مہندی لگے سرخ پیر بہت اچھے لگتے ہیں، اور تم ابھی دلہن ہو اور آپ کو تو پتا ہی ہے پیروں کی مہندی تو پھر ساری رات لگانی پڑتی ہے۔''

آنسہ کے لہجے میں شرارت اور چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

''ہاں ہاں۔ کوئی بات نہیں، تم لگا لینا پیروں پر بھی مہندی اور پھر اپنا حشر دیکھ لینا یارا، بلکہ اپنا کیا بیڈ روم کا۔''

''حارث نے اسے کچھ یاد دلانا چاہا یاد تو اُسے بہت اچھی طرح تھا۔ اس کی شادی کو ابھی پندرہ دن ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کی مہندی بالکل ہلکی ہو گئی تھی تو سانیہ نے اس کے دونوں ہاتھوں میں مہندی سے خوبصورت ڈیزائن اور دونوں پیروں کے تلوں میں اچھی طرح مہندی لگا دی تھی۔ رات کو حارث کمرے میں آیا تو وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ پیروں میں مہندی ابھی گیلی تھی۔ حارث بنا کسی اعتراض کے اس سے پیار بھری باتیں کرنے لگا۔

''سنیں، پانی پلا دیں۔ میرے پیروں میں مہندی لگی ہے نا۔''

آنسہ نے پانی مانگا تو اُس نے چپ چاپ پلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''سنیے، میرا تکیہ درست کر دیجیے میرے ہاتھوں کی مہندی بھی ابھی گیلی ہے۔''

حارث نے تکیہ بھی صحیح کر دیا۔

پھر پتا نہیں کچھ بات کرتے کرتے حارث نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو وہ تقریباً اچھل کر دور ہوگئی۔

''میری مہندی خراب ہو جائے گی۔''

''مہندی تو اب خراب ہو گی یار۔''

حارث جھلا گیا، کچھ مذاق، کچھ جھلاہٹ اور کچھ پیار میں اس کی نئی بیڈ شیٹ سے اس کے ہاتھوں اور پیروں کی مہندی صاف کر دی، وہ چیختی رہ گئی لیکن حارث نے ایک نہ سنی۔ اس مہندی کی وجہ سے تم مجھ سے دور ہو رہی ہو نا میں تمہارے دور ہونے کی وجہ ہی ختم کر دیتا ہوں۔''

اسے اپنی مہندی خراب ہونے سے زیادہ اپنی بیڈ شیٹ خراب ہونے کا افسوس تھا۔

''میں نے اپنی پسند سے خریدی تھی، یہ بیڈ شیٹ۔''

''کوئی بات نہیں، بالکل ایسی دوسری دلا دوں گا۔ بس اب تم فوراً ہاتھ پیر دھو کر آؤ۔''

وہ منہ بناتی ہوئی واش روم میں گھس گئی تھی۔

''دوبارہ اپنی بیڈ شیٹ خراب کرنی ہے تو شوق سے مہندی لگانا۔''

اس نے بڑے مزے سے شانے اچکائے تو وہ اسے......گھور کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

آفس سے واپسی پر حارث صدر روڈ نکل گیا۔ کئی جیولری شاپ دیکھنے کے باوجود اس نے بالآخر ایک نازک سا خوبصورت سا نیکلس سیٹ پسند کیا۔ وہ عید کا تحفہ آج چاندرات کو ہی آنسہ کو دینا چاہتا تھا۔ اسے عید سے زیادہ چاندرات پسند تھی بازار میں اُسے دیر ہو گئی تھی، افطار سے چند منٹ قبل وہ گھر میں داخل ہوا۔ آنسہ نظر نہیں آئی۔ شاید کچن میں ہو وہ کپڑے تبدیل کر کے اور وضو کر کے ٹیبل پر آ گیا روزہ کھلنے ہی والا تھا سانیہ ٹیبل پر شربت رکھ رہی تھی۔

اذان کی آواز سنتے ہی حارث نے منہ میں کھجور رکھی۔

''آنسہ کہاں رہ گئی روزہ افطار ہو رہا ہے۔''

امی اس وقت بتانا نہیں چاہ رہی تھیں، لیکن انہیں بتانا پڑا۔

''کیا میری اجازت کے بغیر چلی گئی وہ؟ میرے منع کرنے کے باوجود۔''

اُس نے غصے سے کرسی ایک طرف دھکیلی اور مزید کچھ کھائے پیے بغیر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا امی اُسے آواز دیتی رہ گئیں۔

''روزہ تو افطار کر لو بیٹا!'' لیکن اس نے ایک نہ سنی۔

''امی اس وقت نہیں بتاتیں آپ۔''

''تو پھر کیا جھوٹ بولتی میں خود بتانا نہیں چاہ رہی تھی مجبوراً بتانا پڑا۔

''آپ بھابی کی امی کو منع کر دیں کہ ہمارے ہاں یہ رسم ہے کہ بہو اپنے سسرال میں عید کرتی ہے۔''

''بیٹا مجھے بحث کرنا اچھا نہیں لگتا ہے اور وہ بہت پریشان ہو کر آئی تھیں کہہ رہی تھیں

اور وہ بھی بہت پریشان ہو کر آئی تھیں کہہ رہی تھیں کہ خاندان والے مجھے باتیں سنائیں گے۔ آنسہ کی شادی بھی میں نے سب کی مخالفت مول کر کر کی ہے اب بتاؤ پھر میں کیا کرتی۔''

''بھابی بے چاری کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا جانے کا۔ روتی ہوئی گئی ہیں۔''

حارث کے اس طرح اٹھ جانے سے کسی کا بھی کھانے پینے میں دل نہیں چاہ رہا تھا۔ سب مغرب کی نماز کے لیے اٹھ گئے۔ نماز کے بعد سانیہ چائے اور کچھ پینے کی چیزیں لے کر کمرے میں گئی کتنی دیر تک دروازہ بجاتی رہی لیکن اس نے غصے میں دروازہ ہی نہیں کھولا۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ٹی وی پر عید کا چاند ہونے کا اعلان ہوا تھوڑی دیر میں ہی آنسہ کا فون آ گیا۔

''ہیلو سانیہ چاند مبارک ہو۔''

''آپ کو بھی بھابی۔''

''حارث کہاں ہے، ان کو بلانا۔''

بھائی کا موڈ تو بہت سخت آف ہے۔ روزہ افطار کرتے وقت صرف کھجور منہ میں رکھی تھی اور آپ کا پوچھا ہے اور جب انہیں پتا چلا کہ آپ چلی گئی ہیں تو بس سیدھے اپنے کمرے میں گئے اور جب سے دروازہ بند کیے بیٹھے ہیں۔ کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔''

''تم انہیں جا کر بتاؤ کہ میرا فون آیا ہے۔''

''اچھا میں بتاتی ہوں۔''

سانیہ نے حارث کے کمرے کا دروازہ بجا کر بتایا کہ بھابی کا فون آیا ہے اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا تو وہ خوش ہو گئی۔

''اس سے کہو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں جو عورت میرا حکم نہیں مان سکتی وہ میری بیوی کہلانے کے لائق نہیں۔

اس نے جلالی لہجے میں کہا، اور اس کے قریب سے نکلتا ہوا باہر چلا گیا، سانیہ واپس آئی، اور فون پر بتایا کہ بھائی نے یہ کہا ہے۔

''تم ہی بتاؤ میں کیا کروں میں تو ماں اور شوہر کے درمیان میں پسند گئی ہوں۔ تمہیں پتا ہے نا میں بالکل جانا نہیں چاہ رہی تھی لیکن امی مجھے زبردستی لے کر آئی ہیں۔'' آنسہ رونے لگی۔

''بھابی آپ پلیز روئیں نہیں۔ کل عید کا دن ہے بھائی کا موڈ کل تک ٹھیک ہو جائے گا۔

عید کے دن تو سب ناراضگیاں دور ہو جاتی ہیں۔

بھائی کل رات آپ کو لینے آئیں گے تو آپ کا موڈ بالکل ٹھیک ہوگا۔

''انشاء اللہ۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ خوب اچھی سی مہندی لگائیں اور کل عید دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔''

''ضرور اچھا خدا حافظ۔''

آنسہ نے دل گرفتہ سی ہو کر فون بند کیا کیا کیا نہیں سوچا تھا ان دونوں نے آج کی رات کے متعلق کہ چاند رات کو وہ ایسے منائیں گے۔ بازار جائیں گے ایک دوسرے کو تحفے دیں گے، اور اپنی چاند رات کو بہت سی یادگار باتوں سے حسین سے حسین تر بنائیں گے۔ لیکن سب کچھ بکھر گیا۔ کچھ بھی نہ ہو سکا۔ اور اس کے من کا میت الگ ناراض ہو گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ بس کسی بھی طرح اسی وقت اسی لمحے امید کے پاس پہنچ جائے اور اس کے شانے پر سر رکھ کر اسے پیار سے منالے اس کے سینے میں منہ چھپا لے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ناراضگی بھول کر اس کے گرد اپنی بانہوں کے گھیرا ڈال لے لیکن کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا، اور کچھ بھی نہ ہوا۔

☆......☆......☆

آج عید کا دن تھا۔ امی اس سے کب سے کہہ رہی تھیں کہ اٹھ نہا دھو کر عید کے کپڑے پہن لے لیکن وہ منہ سر لپیٹے بیڈ پر پڑی تھی۔ کس کے لیے تیار ہوتی۔ کس کے لیے سجتی، سنوارتی اسے دیکھنے والا، اسے سراہنے والا تو یہاں موجود ہی نہیں تھا۔ امی نے بالآخر اسے کمرے میں آ کر ڈانٹا کہ عید کے دن اس طرح پڑے رہنا بری بات ہے۔ کوئی ملنے جلنے والا آ جائے تو کیا کہے گا تب وہ مجبوراً اٹھی، نہا دھو کر کپڑے وغیرہ بدل کر بیٹھ گئی سانیہ کا فون آیا۔ وہ اُسے عید مبارک دے رہی تھی۔

اس نے بھی کافی دیر بات کی اسے ہنساتا رہا۔ تب جا کر اس کا موڈ کچھ بہتر ہوا۔ رشتے دار، پڑوسی، عید ملنے آ رہے تھے وہ بھی مہمانوں کو اٹینڈ کر رہی تھی۔

دوپہر کو وہ ایک دو گھنٹے کے لیے سوگئی تھی۔ شام کو وہ بہت فریش اٹھی اسے خوشی اس بات کی بھی تھی کہ حارث اور باقی سب گھر والے آئیں گے۔ آج ان سب کی دعوت ہے اس نے اپنا نیا عید کے لیے بنایا ہوا امی کی طرف سے نیوی بلیو سوٹ نکالا اور رکھ دیا۔ اصولاً اُسے یہ سوٹ پہننا چاہیے تھا کہ ان کے ہاں یہی رسم ہوتی ہے، لیکن ان رسموں سے اُسے نفرت ہوگئی تھی۔ اُس نے اپنی پیچ سیاڑھی نکالی۔ جو حارث نے اُسے پسند سے دلائی تھی۔ پیچ ساڑھی پہنی، بہت خوبصورت میک اپ کیا پھر آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لیا آج وہ واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ پرفیوم اسپرے کر کے وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئی۔

نو بج گئے تھے، وہ لوگ آنے والے ہوں گے۔ آج دونوں بڑی بہنوں کی بھی دعوت تھی۔ ایک ایک کر کے وہ دونوں بھی آ گئی بھابی بھی کام ختم کر کے تیار ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ دونوں بہنوں اور بھابی کے بچے شور مچا

رہے تھے۔اس سے عیدی مانگ رہے تھے۔

''خالہ جان! اب آپ بھی تو عیدی دیں کیوں کہ اب آپ کی بھی شادی ہوگئی ہے۔''

ہاں ابھی دوں گی چاند! آپ کے انکل تو آجائیں۔''

اس نے بچوں کو بہلایا ساڑھے نو بج چکے تھے وہ لوگ ابھی تک نہیں آئے تھے، بھابی کہنے لگیں۔

آنسہ سے فون کر کے معلوم کرو، ابھی تک کیوں نہیں آئے کھانا لگانا ہے باقی کے مہمانوں کو بھوک لگ رہی ہے۔''

''اچھا۔'' اس نے اٹھ کر فون ملایا دوسری طرف حارث ہی تھا وہ خوش ہوگئی۔

''ہیلو! آپ لوگ ابھی تک نہیں آئے یہاں سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''سب کے ساتھ تم بھی انتظار کرتی رہو گی ہمیشہ۔ مجھے ایسی بیوی نہیں چاہیے جو اپنے شوہر کی ذرا سی خواہش پر عمل نہیں کر سکتی اس کے حکم کی پابند نہیں ہو سکتی۔''

''حارث آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں خود اپنی مرضی سے کب آئی ہوں۔ امی زبردستی لے کر آئی ہیں وہ کہہ رہی تھیں شادی کے بعد پہلی عید کا چاند میکے میں دیکھتے ہیں، اور پہلی عید میکے میں مناتے ہیں، اچھا شگون ہوتا ہے۔

''تو ٹھیک ہے، اپنی امی سے کہو کہ دیکھ لیں شگون اچھا ہوتا ہے یا برا۔ میں تمہیں لینے نہیں آؤں گا اس طرح تمہاری امی کو پتا چل جائے گا تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کا شگون کتنا اچھا رہا۔ حارث نے سختی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کا تو سر چکرانے لگا وہ سر پکڑ کر کرسی پر گر سی گئی۔

''کیا ہوا؟'' بھابی اور باجی تیزی سے اس کی طرف آئیں اس نے انہیں بتایا کہ حارث کیا کہہ رہے تھے۔

حارث نے ذرا سی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا، بات اتنی بڑی تو نہیں تھی جتنی بڑی بنا رہے ہیں نمبر کیا ہے تمہارا مجھے بتاؤ میں بات کرتی ہوں۔''

آپی نے بگڑ کر کہا اس نے انہیں نمبر بتایا آپی نے فون کیا دوسری طرف اس کی ساس تھیں۔ وہ خود پریشان تھیں۔ معذرت کر رہی تھیں حارث کے رویے کی۔

''میں نے بہت سمجھایا حارث کو لیکن وہ کسی طرح بھی آنے پر راضی نہیں ہو رہا ہے اگر آپ لوگ کہیں تو اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ دلہن کو لینے کے لیے آجاؤں۔''

''نہیں ہم آنسہ کو ایسے نہیں بھیجیں گے۔ حارث آئیں گے تو بھیجیں گے ورنہ نہیں۔'' آپی بھی غصے کی تیز تھیں اکڑ کر فون بند کر دیا۔ آنسہ رونے لگی۔

''آپ نے کیوں منع کر دیا انہیں میں امی کے ساتھ چلی جاتی۔ آپ سب مل کر میرا گھر برباد کر رہے ہیں کیا ہوتے ہیں یہ شگون اور یہ رسمیں۔ بہت اچھی رسم ہے یہ کہ بیٹی میکے میں پہلی عید کر کے اتنا اچھا شگون ہے کہ کل سے رو رہی ہوں۔ شادیوں کے بعد بیٹیاں اپنے سسرال میں خوش رہتی ہیں میکے میں نہیں اتنی اچھی عید مناتی میں اپنے سسرال میں اس قدر خوش ہوتی ہیں۔ آپ لوگوں نے میری ساری خوشیاں برباد کر دیں۔ اپنی رسموں کو سینے سے لگائے بیٹھے رہیں گے، ہم ساری زندگی چاہے ان رسموں کی وجہ سے ہم برباد ہو جائیں۔ کس حدیث میں لکھا ہے کہ پہلی عید میکے میں کرنی ہے چاہے۔ ہم لوگ قرآن و حدیث کے احکام پر تو اتنی سختی سے عمل نہیں کرتے جتنی سختی سے رسم و رواج کرتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر جانا ہے ابھی اسی وقت۔ آپ لوگ اپنی اپنی ناکوں کو لے کر بیٹھ جائیں کہ جب وہ لینے نہیں آئے تو تم کیوں خود ہی بے عزت ہو کر جا رہی ہو، لیکن میں اگر بے عزت ہو کر اپنے سسرال

میں خوش رہ سکتی ہوں تو مجھے بے عزت ہونا منظور ہے، لیکن میں ابھی ہر قیمت پر اپنے گھر جاؤں گی۔

وہ چیخ چیخ کر تھک گئی تو خاموشی سے رونے لگی۔

''آنسہ ٹھیک کہہ رہی ہے ہمارے ہاں زیادہ تر مسائل ان رسموں رواج کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں جنہیں ہماری خواتین نے ایک تہوار بنایا ہوا ہے اگر یہ نہ ہوا تو یہ ہو جائے گا۔ یہ ہمارے کمزور عقائد ہیں جن کی وجہ سے ہم ایسا سوچتے ہیں آنسہ چلو بیٹا! میں تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔''

بھائی جان نے قریب آ کر پیار سے اس کا سر تھپتھپایا۔ وہ فوراً آنسو پونچھتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

''کھانا تو کھانے دو۔'' امی جو بڑی دیر سے خاموشی سے کھڑی تھیں بول اٹھیں۔

''نہیں یہ کھانا بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے گی۔'' بھائی جان نے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ ان کے ساتھ آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی ان کے گھر کے قریب جا کر رکی ہی تھی۔ حارش کی گاڑی گیٹ سے نکلی جسے حارش ڈرائیو کر رہا تھا اور پیچھے امی اور سانیہ بیٹھی تھیں۔

''کہاں جا رہی ہیں؟ اپنی بہو کو ساتھ لے کر جایئے۔''

بھائی جان نے انہیں دیکھ کر آواز لگائی، ''اپنی بہو کو ہی لینے جا رہے تھے۔'' امی انہیں دیکھ کر گاڑی سے اتر آئیں سانیہ اور حارش بھی اتر آئے۔

''حارش کی وجہ سے آج مجھے بہت شرمندہ ہونا پڑا ابھی بھی میں نے اُسے بہت سمجھایا کہ اگر آج ہم اُسے لینے نہیں گئے تو یہ ایک گھمبیر مسئلہ بن جائے گا پھر انا کی بات آ جاتی ہے اور یوں گھر برباد ہو جاتا ہے اور اتنا خوبصورت دن ہم اپنی بہو کے بغیر گزارنا بھی نہیں چاہ رہے تھے۔''

وہ انہیں لے کر اندر آئیں۔ بھائی جان تھوڑی دیر بیٹھ کر سویٹ کھا کر چلے گئے۔

''بھائی آپ کے بغیر عید بالکل پھیکی لگ رہی تھی۔''

سانیہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''صرف تمہیں لگ رہی ہو گی۔''

اس نے حارش کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

حارش نے بے اختیار اس کی مقدم آنکھوں کی جانب دیکھا اور دھیمے سے مسکرایا۔

لیکن آنسہ نے خفگی سے منہ پھیر لیا۔ کافی دیر تک گھر والوں کی خوشگوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں اس نے سانیہ اور حارش کو عیدیاں دیں لیکن حارش کی خفگی برقرار تھی۔ رات گئے جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو حارش سامنے ہی بیڈ پر دونوں ہاتھ سر پر پیچھے باندھے لیٹا تھا۔ وہ وارڈ روب سے کپڑے نکال کر کپڑے بدلنے جا رہی تھی کہ حارش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے کھینچ لیا وہ اس کے قریب بیڈ پر گر سی گئی۔

''ابھی تو میں نے تمہیں اچھی طرح دیکھا بھی نہیں۔

''عید مبارک ہو یہ تمہارا عید کا تحفہ۔''

اس نے نیکلس اس کی گردن میں پہنانا چاہا وہ ایک دم رو پڑی۔

''آپ کو پتا ہے حارش کتنی اذیت سے گزرا ہے میرا عید کا دن، اس کی آواز آنسوؤں سے بوجھل تھی۔ اور مجھ سے نہیں پوچھو گی تمہارے بغیر میں نے یہ دن کیسے گزارا وہ بے حد پیار سے اسے نیکلس پہناتے ہوئے بولا۔ نہیں پوچھوں گی اس کا لہجہ ہنوز روٹھا ہوا تھا۔ حارش بے ساختہ ہنس دیا، اور اس کے کانوں میں جیسے سرگوشی سی کی۔ ''عید مبارک'' اس بار آنسہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔ آپ کو بھی بہت عید مبارک۔ اس نے حارش کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی ساری اداسی اور خفگی کو بھلا کر بہت جذب سے کہا تھا۔ اور جیسے عید کا دن اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ اس رات میں سمٹ آیا تھا۔

☆☆......☆☆

اندرون ملک =/890 روپے

ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب ہے

زرسالانہ

ملک	زرسالانہ	ملک	زرسالانہ
کویت	55امریکی ڈالرز	ایران	55امریکی ڈالرز
سعودی عرب	55امریکی ڈالرز	سری لنکا	55امریکی ڈالرز
یو اے ای	55امریکی ڈالرز	جاپان	55امریکی ڈالرز
مصر	55امریکی ڈالرز	لیبیا	55امریکی ڈالرز
یونان	55امریکی ڈالرز	ڈنمارک	55امریکی ڈالرز
فرانس	55امریکی ڈالرز	جرمنی	55امریکی ڈالرز
برطانیہ	55امریکی ڈالرز	ہالینڈ	55امریکی ڈالرز
ناروے	55امریکی ڈالرز	پولینڈ	55امریکی ڈالرز
امریکہ	65امریکی ڈالرز	کینیڈا	65امریکی ڈالرز
افریقہ	65امریکی ڈالرز	آسٹریلیا	65امریکی ڈالرز

آج ہی رابطہ کیجیے II C-88۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون نمبر: 35893122 - 021-35893121

ناولٹ

نزہت جبیں ضیاء

عید سرپرائز

اس روز موسم بہت پیارا ہو رہا تھا۔ کالج بھی آف تھا۔ مجھے اس کا صبح میسج ملا۔ میم! اگر آپ فری ہیں تو میں آ جاؤں کہیں گھومنے چلیں گے؟'' ہاں ضرور میں نے رپلائی دیا یوں تو ہمارے درمیان میسجنگ ہوتی رہتی تھی۔ رات کو سونے سے پہلے میرا اور اس کا ہم دونوں......

یک طرفہ محبت کے رنگ لیے ایک ناولٹ

آخری روزہ کھول کر میں چاند کو دیکھنے چھت پر آ گئی۔ گہما گہمی اور رونقیں عروج پر تھیں کیوں کہ چاند نظر آ گیا تھا۔ لوگ بھرپور طریقے سے خوشیاں منا رہے تھے۔ تیاریاں بھی ہو رہی تھیں۔ لیکن ...... میں ...... تھی جس کے لیے نہ تو چاند رات کی اہمیت تھی نہ عید کا کوئی مزا۔ نہ کوئی اہتمام اور نہ ہی کوئی تیاری۔ یہ سب تو وہاں ہوتا ہے جہاں گھر میں لوگ ہوں ایک دوسرے کے لیے تیاریاں کی جائیں۔ اہتمام کیا جائے لیکن مجھے تو عادت تھی۔ نہ جانے کتنی عیدیں میں نے یونہی اکیلی گزاری تھیں۔ لوگ عید بقر پر خوشیاں مناتے ہیں لیکن میں اور زیادہ اداس ہو جاتی ہوں۔ لوگ عید پر چھٹیاں لے کر اپنی فیملیز میں جاتے ہیں تا کہ ان کے ساتھ مل کر یہ خوشی منا سکیں۔ لیکن ...... میرے اپنے...... تو اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ جنہیں نہ عید کی اہمیت کا اندازہ تھا اور نہ ہی میری تنہائی کا خیال...... بہت اُداس اور مخمل تھی میں نمراز نے بھی کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔ اداسی حد سے بڑھی تو نیچے چلی آئی۔ اور ٹی وی کھول دیا یونہی بے دھیانی میں ریموٹ کے بٹن دباتی رہی احمد بابا میری کیفیت کو جانتے تھے۔ وہ اپنا کام جلد نپٹا کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ زیادہ تر میوزک چینلز تھے۔ بے ہنگم اور بے تکے موسیقی۔ پھر ایک چینل پر دیکھے بھالے آرٹسٹ نظر آئے تو میں نے ریموٹ رکھ دیا کوئی ڈرامہ لگا ہوا تھا۔ کچھ کچھ مجھ جیسی عورت کی کہانی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے انٹرس ہوا میں نے ڈرامہ دیکھنا شروع کیا۔ اس سے پہلے میں اپنی نیند کی دوا لے چکی تھی کیوں کہ مجھے پتا تھا آج مجھے نیند دوا بغیر نہیں آئے گی۔

افوہ! ڈرامہ تو عجیب موڑ پر آ گیا تھا۔ مجھے بوریت ہونے لگی۔ توبہ ......توبہ...... مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ ساتھ ساتھ دوا کا اثر بھی ہونے لگا تھا۔ میری آنکھیں نیند سے بوجھل

ہونے لگیں تھیں۔

جس شخص سے ہمارا دل کا رشتہ قائم ہو جائے جو بظاہر غیر ہو لیکن پھر بھی ہمیں اپنوں سے زیادہ عزیز ہو۔ جس کا نام سے ہر دن کا آغاز ہوا۔

اور جس کے ساتھ باتیں کرتے کرتے نیند کی وادیوں میں کھو جائیں، جس کے ساتھ زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل شیئر کیے جائیں، جو طویل فاصلے ہونے کے باوجود بھی دل کے قریب ہوں۔ ذہنی طور پر اس قدر پاس ہوں کہ بالکل قریب رہنے والوں سے بھی زیادہ نزدیک محسوس کیے جائیں۔

اچانک...... بالکل اچانک ہی ایسا رگ جان سے زیادہ قریب رہنے والا شخص ہماری زندگی سے نکل جائے...... بنا کچھ کہے، بے وجہ اچانک تو سانسیں جیسے تھمنے لگتیں ہیں، اس وقت کیا حالت ہوتی ہے......؟ یہ بھلا مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے کیوں کہ آج کل میں بھی ایسے حالات سے دو چار تھی۔ یہی کچھ میرے ساتھ ہوا تھا۔

یہی صورت حال کا سامنا مجھے کرنا پڑ رہا تھا۔

گو کہ کسی کے چھوڑ جانے سے کوئی مر نہیں جاتا...... زندگی تو گزر جاتی ہے...... کیسے گزرتی ہے......؟ یہ احساس بہت تکلیف دہ اور جان لیوا ہوتا ہے...... ایک خلاء، ایک کمی، ادھورے پن کا احساس بہت تکلیف دہ ہوتا ہے، بہت اذیت ناک ہوتا ہے وہ وقت......

اپنے عزیزوں کو اپنے پیاروں کو منوں مٹی تلے دبا کر ہمیں صبر آ جاتا ہے......لیکن جو جیتے جی یوں بچھڑ جاتے ہیں...... ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھتے......سارے ناطے، سارے رشتے بنا کسی وجہ کے ختم کر ڈالتے ہیں تو صبر...... کیسے صبر آ سکتا ہے......اور آج کل میں انہی حادثات کا شکار تھی۔ ایک بے چینی، اور بے قراری میرے روم روم میں اتر آئی تھی۔ میرے اندر عجیب سی اضطرابی کیفیت سموگئی تھی...... ہر میسج کی ٹون پر میں دیوانوں کی طرح اپنے سیل کی اسکرین دیکھتی اور میری بے قراری کو قرار نہ آتا کیونکہ جس نام کو میری آنکھیں تلاش کرتیں وہ تو نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔...... جس کی آواز کو میرے کان ترس رہے تھے۔ وہ نہ جانے کہاں کھوگئی تھی......؟"

میں جس کیفیت کا شکار تھی بیان کرتی بھی تو کس سے کرتی......؟ کون تھا جس سے کہتی؟ کہ میں کیوں ڈپریشن کا شکار ہوں......؟ میرے وجود میں بے چینیاں کیوں بھرگئی ہیں۔ میں راتوں کو رو رو کر کسے یاد کرتی ہوں کس کے لیے دعائیں کرتی ہوں......؟ کس کی حفاظت کے لیے رو رو کر منتیں مانگتی ہوں......؟ کیسی تڑپ ہے......؟ کیسی بے سکونی......؟ اور کس لیے......؟

میں مسز عاتکہ فاروق احمد جو کہ شہر کے بہترین کالج کی ہر دل عزیز لیکچرر ہوں...... لوگ میری بے پناہ عزت کرتے ہیں...... میرے لیے ستائشی کلمات کہتے ہیں...... میرے شوہر فاروق احمد کامیاب اور مصروف بزنس مین تھے۔ ہمارا اکلوتا بیٹا شاہان احمد جو پڑھائی کی غرض سے لندن گیا تھا اور وہاں شاہانہ زندگی گزار رہا تھا۔ فاروق احمد تو بزنس کے حوالے سے زیادہ تر اندرون ملک ٹورز پر ہوتے تھے اور پیچھے میں اکیلی رہ جاتی۔ گھر کے اور کالج کے اُمور نپٹا کر مکمل فارغ رہتی۔ تنہاء اور بوریت کا شکار...... جب فاروق احمد یہاں ہوتے میں کوشش کرتی کہ مستقل ان کے ساتھ رہوں۔ لیکن فاروق گھر پر ہوتے تو ان کے بزنس مسائل اور بزنس کے متعلق فون کالز پر بزی رہتے...... اور میں وہی ان کا منہ تکتی رہتی کہ کب

فری ہوں تو ہم بات کر لیں، یا کھانا کھا لیں میرے لیے بھی فاروق کے پاس بہت کم ٹائم ہوتا۔

میں نے اردو میں ماسٹرز کیا تھا یہی میرا پسندیدہ مضمون تھا اور آج کل زیادہ تر بچے سب سے زیادہ اردو میں ہی کمزور تھے۔ ان کے لیے تمام سبجیکٹ پڑھنا آسان تھے۔ بہ نسبت اردو کے۔ میں نے فری پیریڈ میں خاص طور پر بچوں کو اپنے روم میں بلا کر ایکسٹرا کلاس دینی شروع کر دی۔ ویسے بھی میرا بی ہیور دوستانہ تھا۔ میں اسٹوڈنٹ کی موسٹ فیورٹ ٹیچر تھی۔ کم عمری میں پڑھائی مکمل کر کے جاب کرنے لگی۔ خوب صورت تو نہیں تھی، مگر اسمارٹ اور جاذب نظر تھی اور اپنی عمر سے بھی کافی کم دکھائی دیتی تھی۔

اس روز موسم خاصا خطرناک تھا۔ بادل خوب گھر گھر کے آئے تھے۔ آج میرا کالج جانا بھی ضروری تھا۔ اس لیے میں اپنی گاڑی لے کر اللہ کا نام لے کر نکل آئی۔ ابھی کچھ دور ہی گئی تھی کہ تیز بارش اسٹارٹ ہو گئی اور کالج کے قریب ہی میری گاڑی بند ہو گئی اور لاکھ کوشش کے بعد بھی اسٹارٹ نہیں ہوئی۔

السلام وعلیکم! آواز پر میں نے چونک کر سر اٹھایا سامنے دبلے پتلے اسمارٹ سے نوجوان کو دیکھا جس کے کاندھے پر بیگ لٹک رہا تھا۔

وعلیکم السلام۔

میم! میں بھی اسی کالج میں پڑھتا ہوں۔ نیو

اسٹوڈنٹ ہوں۔ نمراز نام ہے میرا آپ اتر آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ بارش میں بھیگتے ہوئے ہاتھوں کا چھجہ بنائے وہ مجھ سے مخاطب تھا۔

اوکے میں نے اس وقت اتر جانا ہی مناسب سمجھا۔

جی تھینک یو میم! وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ میم آپ فکر مت کریں۔ میں آپ کی گاڑی ٹھیک کروا دوں گا۔ میں اترنے لگی تو اس نے کہا۔

تھینکس میرے لہجے میں ممنونیت تھی۔

پلیز میم! شرمندہ تو نہ کریں۔ اس نے لجاجت سے کہا۔ یہ تھی نمراز کی اور میری پہلی ملاقات۔

نمراز پڑھائی میں ویک بھی تھا۔ ریگولر بھی نہیں رہتا تھا اس کی آنکھوں میں عجیب سی اُداسی تھی۔ وہ سب سے الگ تھلگ رہتا۔ نہ کلاس میں اور اسٹوڈنٹس کی طرح ہلا گلا کرتا نہ شرارتیں کرتا کلاس میں بھی غائب دماغ رہتا مجھے وہ اچھا لگتا تھا۔ معصوم اور چپ رہنے والا۔ ایک دن لیکچر کے دوران میں نے اس سے کوئی سوال پوچھ لیا تو وہ چونکا اور بری طرح گڑبڑا گیا۔

نمراز کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟ اس کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے میں نے اُسے غور سے دیکھ کر سوال کیا۔

یس...... یس میم! آئی ایم اوکے۔ وہ سر جھکا کر بولا...... اس لمحے اس کے چہرے پر اداسی اور آنکھوں میں نمی تھی۔ میں واضح طور پر دیکھ چکی تھی۔ اوکے! پیریڈ آف ہونے کے بعد آپ میرے کمرے میں آیئے میں نے کہا اوکے میم! کہہ کر وہ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ میرے روم میں میرے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔

نمراز! اگر تمہاری ساتھ کوئی پرابلم یا پریشانی ہے تو تو میرے ساتھ شیئر کر سکتے ہو میں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

''نو...... نو...... میم! ایسا کچھ نہیں...... اس کا لہجہ اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا کیوں کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا......

تمہارے بی ہیور سے تو ایسا محسوس کیا ہے میں نے۔ دیکھو نمراز! ٹیچر اور اسٹوڈنٹ کا رشتہ ماں اور بچے کی طرح ہوتا ہے اور ایک ماں کی طرح ٹیچر بھی اپنے اسٹوڈنٹ کی آنکھوں میں اس کی کیفیت پڑھ لیتا ہے اور مجھے لگا کہ تمہیں کوئی پرابلم ہے بہرحال اگر تم نہیں کہہ رہے ہو تو یقیناً ٹھیک ہی کہہ رہے ہوگے ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو۔ ہاں اگر تم کسی قسم کی ہیلپ لینا چاہتے ہو تو میں حاضر ہوں، چاہے وہ پڑھائی سے متعلق ہو یا مورل اسپورٹ میں ہر طرح کی ہیلپ کروں گی، جو میرے بس میں ہوگی۔'' میری بات ابھی نامکمل تھی کہ میں نے دیکھا اس کے آنسو ٹپ ٹپ متواتر اس کی گود میں گر رہے ہیں۔

ارے...... ارے...... کیا ہوا نمراز؟ کیا تمہیں میری کوئی بات بری لگ گئی تم کو؟ میں نے جلدی سے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے بولی۔ اگر کچھ برا لگا ہو تو سوری۔

پلیز میم! ایسا مت کہیں...... سوری مت بولیں پلیز وہ تڑپ کر جلدی سے بولا آج کتنے عرصے بعد...... کسی نے میری آنکھوں میں چھپے درد کو محسوس کیا ہے میرے اندر اداسی، ویرانی اور بے چینی کو سمجھا ہے میرے دکھ کو جانا ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے معصومیت سے

کہا۔

اچھا پانی پی کر ریلیکس ہو جاؤ پہلے۔ میں نے اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑا دیا۔ مجھے اس معصوم سے لڑکے پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔ ایک جوان لڑکے کو روتے دیکھ کر میرا دل پسیج گیا۔ ویسے بھی میں فطرتاً بہت سوفٹ ہوں اور پھر اپنے پیارے اسٹوڈنٹ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتی تھی۔

میم !اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں کل آپ سے ملوں...... اس وقت میری طبعیت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے انکساری سے مجھ سے پوچھا۔ ضرور تم ریسٹ کرو بلکہ گھر چلے جاؤ، میں نے مشورہ دیا......

گھر کون سا گھر...... اس نے دکھ سے میری طرف دیکھا...... گھر کے نام پر پھر ایک بار اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی...... وہ جا چکا تھا اور بس میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ اتنے پیارے سے بچے کو پتا نہیں کیا کیا مسائل درپیش ہیں کتنا دکھی ہے اور ٹوٹا ہوا تھا وہ کون سے دکھ تھے جس سے وہ یوں اُداس رہا کرتا تھا حالانکہ اس کے کپڑے بہترین ہوتے تھے اور مہنگا ترین سیل فون ہوتا اپنی گاڑی میں کالج آتا جاتا مگر...... کمی تھی تو کہاں تھی؟ کیا تھا اس کی زندگی میں......؟ میں سارا وقت الجھی رہی اور دوسرے دن فاروق کو دبئی جانا تھا۔ صبح صبح کی فلائٹ تھی وہ چلے گئے اور میں کالج آ گئی۔ نمراز کو دیکھ کر میں مطمئن ہو گئی۔ میرا دل بھی اس سے مل کر اس سے باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا تاکہ اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر سکوں۔

فری پیریڈ میں اپنے روم میں آئی تو تھوڑی دیر بعد نمراز بھی آ گیا۔

ہاں یہاں بیٹھو! آرام سے پانی پیو اور بالکل ریلیکس ہو کر مجھ سے بات کرو۔ میں نے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا پھیکی اور بے جان مسکراہٹ۔ کچھ دیر بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ میم! آپ وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے میرے درد کو محسوس کیا ہے۔ آپ نے غیر اور انجان ہو کر بھی میرے دکھ کو سمجھا ہے۔ ورنہ...... ورنہ یہاں تو خونی رشتے اور اپنے سگے پرائے ہو چکے ہیں نہ بات کرنے کی فرصت ہے نہ حال پوچھنے کی۔ آپ نے مجھے اپنا سمجھا آپ مجھے اپنی سی لگیں وہ پیار اور خلوص جو میں نے کبھی اپنی ماں یا بہن کے لہجے میں نہ دیکھا مجھے آپ میں نظر آیا ہے۔ میم! لوگ مجھے بہت خوش قسمت سمجھتے ہیں کیوں کہ بظاہر میرے پاس گاڑی ہے، بہترین کپڑے ہیں، مہنگے مہنگے سیل فون یوز کرتا ہوں، میرے والٹ میں ہزاروں روپے ہوتے ہیں مگر...... مگر...... میم...... مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... مجھے سچے ہمدرد اور پُرخلوص، پیار کرنے والے رشتے کی ضرورت ہے جو میری خوشی میں خوش ہوں اور میرے دکھ سکھ کو محسوس کریں جن سے میں اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں شیئر کر سکوں اپنے مسائل بتاؤں، اپنی خواہشات کا اظہار کر سکوں، اپنی ضدیں پوری کرواؤں...... جو میری ہر تکلیف پر تڑپ جائیں مجھے ایسے رشتوں کی ضرورت ہے مگر...... مگر'' اس کا لہجہ بھیگنے لگا تھا۔ میں بڑی محویت سے اسے بولتا دیکھ رہی تھی اس کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔ وہ کچھ لمحوں کے لیے رُکا۔

تمہاری فیملی میں کون کون ہے......؟ میں نے سوال کیا۔

''فیملی...... ھنہ...... فیملی...... میم میری فیملی کب ہے......؟ میرا گھر کون سا ہے......؟ جہاں

میں رہتا ہوں وہ تو ایک سرائے ہے۔ جہاں پر لوگ آتے ہیں۔ اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، کچھ وقت گزارتے ہیں اور...... پھر نکل جاتے ہیں۔ اجنبیوں کی طرح جیسے ایک دوسرے سے کوئی واسطہ ہو نہ رابطہ نہ بات چیت...... کہنے کو تو میری مما، پاپا، بڑا بھائی دو بڑی بہنیں ہیں مگر...... مگر صرف نام کی حد تک...... میرے پاپا شہر کے مشہور بزنس مین ہیں اور مما ان کی لائف پارٹنر بس نام کی...... میری مما بہت حسین ہیں اور میرے پاپا جو معمولی شکل کے ہیں۔ انہوں نے مما پر ہمیشہ شک کیا ہے کیوں کہ پاپا کو یہ ڈر ہے کہ مما اگر کسی مرد سے بات بھی کرلی ہیں تو کہیں اس سے کوئی افیئر تو نہیں، اسی چپقلش میں ہم بہن بھائی بڑے ہو گئے، میرے بڑے بھائی مجھ سے 13 سال بڑے ہیں اور میری بہنیں 10 سال بڑی ہیں اس لیے وہ مجھ سے بہت پہلے ہی بڑے ہو گئے، جب میں نے ہوش سنبھالا تو ان لوگوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ میری پیدائش کے بعد مما اور پاپا میں جھگڑے اتنے بڑھ گئے کہ پاپا نے مما کو طلاق دے دی اور مما کی نظروں میں اس کے لیے قصور وار میں تھا۔ اس لیے ان کی محبت سے محروم ہو کر میں نوکروں کے رحم وکرم پر پلنے لگا۔ میرے لیے روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی پاپا ہر ماہ معقول رقم میرے لیے بھیج دیا کرتے تھے میں بچپن سے ایسا ہی ہوں۔ عام بچوں سے بالکل مختلف، نہ کوئی فرمائش، نہ ضد اور نہ ہی کوئی خواہش جو ملا کھا لیا اور جو ملا پہن لیا، جہاں چاہا مما نے ایڈمیشن کروا دیا، ہمارے گھر کا ماحول میں نے مکدر ہی دیکھا ہے۔ بہنوں نے اپنی اپنی پسند سے شادیاں کی اور بیرون ملک چلی گئیں۔ بھائی کی شادی کو لے کر خوب ہنگامے ہوئے خوب پھڈے ہوئے کیوں

کہ مما اپنی مرضی کی بہو لانا چاہتی تھی اور پاپا بھائی کی شادی کہیں اور کرنا چاہتے تھے دونوں آپس میں الجھتے ہی رہے اور بھائی نے خاموشی سے شادی کرلی اور دبئی چلے گئے۔ وہاں جا کر مما کو اپنی شادی کے بارے میں بتایا اب وہ مکمل طور پر بیوی اور بچوں کے ہو چکے ہیں۔ کبھی کبھار بھولے بھٹکے سے کال آجاتی ہے مما کی اپنی ذاتی مصروفیات ہیں۔ جن میں نہ میرا ذکر ہے نہ میری ضرورت ان کے پاس میرے لیے چند منٹ بھی نہیں ہیں کہ میرے پاس بیٹھ کر میرا حال پوچھیں، میری پڑھائی کے بارے میں کوئی سوال کریں، عمر کے اس حصے میں آکر میں بہت ٹوٹ گیا ہوں، میم بہت اکیلا ہو گیا ہوں آج جاج کی ہر لڑکی مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہے۔ مجھ سے بات کرنے کو میرا سیل فون نمبر لینے کو میرے آگے پیچھے پھرتی ہے۔ میری دولت سے میری پرسنالٹی سے مرعوب ہوتی ہیں مگر...... مگر مجھے کسی پر بھی بھروسہ نہیں ہے گو کہ میں محبت کے لیے ترستا ہوں مگر یہ مجھے ساری لڑکیاں فراڈ لگتی ہیں۔ جنہیں مجھ سے زیادہ میرے اسٹیٹس میں دلچسپی ہے۔ میں بہت اکیلا ہو گیا ہوں کسی مخلص کا کاندھا نہیں کہ جس پر میں سر رکھ کر اپنے دکھ سکھ بیان کرسکوں...... جس سے میں اپنے دن بھر کی چھوٹی چھوٹی غیر اہم باتیں شیئر کرسکوں...... کاش...... کاش...... میری ماں غریب ہوتی، میرا باپ کسی مل میں مزدور کا کام کرتا، میرا بھائی کسی دکان پر مکینک ہوتا اور میری بہنیں گھر میں کپڑوں کی سلائیاں کر کر کے اپنا جہیز خود تیار کرتی۔ لیکن ہم سب ایک ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے صبح ساتھ جاگ کر نماز پڑھتے ایک دوسرے کے دکھ سکھ کہے بنا سمجھتے۔ میرے پاس

لمبی چوڑی گاڑی کے بجائے ایک پرانی گھسی پٹی موٹر سائیکل ہوتی میرے والٹ میں ہزاروں روپوں کے بجائے 10 روپے ہوتے مگر وہ محبتیں ہوتیں جو خونی رشتوں میں ہوتی ہیں میں بہت اکتا گیا ہوں ۔ کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر کہیں دور نکل جاؤں خودکشی کرلوں......

''پلیز...... پلیز نمراز......'' میں نے ہولے سے اس کے سسکتے ہوئے وجود کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالا ایسا نہیں کہتے میرا بچہ۔'' میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے ، واقعی وہ کتنا اکیلا تھا آج کے بعد تم اکیلے نہیں ہو میں ہوں ناں...... مجھ سے ہر بات بلا جھجک کہہ دیا کرو وہ باتیں جو تم کرنا چاہتے ہو۔ چھوٹی اور بے مقصد باتیں جو تم نے اپنے دل میں چھپا رکھی ہیں ۔ وہ تمام باتیں مجھ سے شیئر کیا کرو۔ اور آج کے بعد تم کوئی ایسی بات نہیں کرو گے اور نہ ہی کوئی الٹی سیدھی باتیں سوچو گے۔ وعدہ کرو مجھ سے' میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

انشاء اللہ تعالیٰ آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا تھینک یو سو مچ میم......'' اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ یکلخت اس کے چہرے پر مایوسی ختم ہو چکی تھی اور اعتماد ، بھروسہ اور یقین کی چمک نے مجھے مطمئن کر دیا تھا جب وہ میرے کمرے سے نکلا تو اس کی چال میں اعتماد تھا، میرے لبوں پر جان دار مسکراہٹ آ گئی ۔ چند منٹ پہلے والے اور ابھی والے نمراز میں واضح فرق نمایاں تھا۔

پھر میرے سیل میں اس کا نمبر اور اس کے سیل میں میرا نمبر منتقل ہو گیا۔ ویسے تو میں اسٹوڈنٹس کو اپنا نمبر بہت کم دیتی تھی مگر نمراز کی بات الگ تھی۔ مجھے اس سے دلی ہمدردی ہو گئی تھی ۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہم دونوں ہی تنہا تھے ۔ میں بھی فاروق اور شاہان کے ہوتے ہوئے تنہا تھی اور ٹائم پاس کرنے کے لیے مختلف بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی۔ نوکروں کے باوجود گھر کے کاموں میں دل چسپی لیتی اپنے کپڑے خود ڈیزائن کرتی لان کی دیکھ بھال کرتی مگر ان سب چیزوں کے باوجود بھی کبھی خود کو بہت اکیلا محسوس کرتی خاص طور پر جب ہماری ویڈنگ اینورسری ہوتی شاہان کی ، فاروق یا میری برتھ ڈے ہوتی مجھے تو کوئی بھی وش نہ کرتا لیکن میں ضرور ان دونوں کو وش کرتی میرا دل چاہتا کہ میں ایسی خوشیوں کو سلیبریٹ کروں کم از کم کال کر کے ہی وش کروں تو فاروق عام سے لہجے میں جواب دیتے کوئی والہانہ پن نہ ہوتا۔

بعض اوقات کہہ دیتے تھے کہ میں ابھی بزی ہوں بعد میں بات کروں گا اور یہ بعد یہ ڈیٹ 30 گھنٹوں سے ہو کر کبھی کبھی 3-3 دن تک جاری رہتا میں منتظر ہی رہ جاتی ۔ اسی طرح شاہان کو برتھ ڈے وش کرتی ''تھینکس مام'' ٹیک کیئر پھر بات ہوگی۔'' بس یہی مخصوص جملے ادا کر کے وہ کال بند کر لیتا اور میں موبائل کو تکتی رہ جاتی میں جو بہت سوفٹ نیچر کی۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو یاد رکھنے والی، چھوٹے چھوٹے سے مسائل پر پریشان ہو جانے والی تھی۔ یہ سب مجھ سے برداشت کرنا پڑتا تو مجھے بھی جھنجھلاہٹ ہو جاتی میں بھی دکھی ہو جاتی اور خود کو غیر اہم فضول سمجھنے لگتی مجھے کبھی کبھی رونا آ جاتا۔

لیکن اب نمراز میرے ساتھ ہوتا اس کی اور میری زندگی خاصی ملتی جلتی تھی۔ تب ہی ہم دونوں میں کافی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی وہ کبھی کبھی میرے گھر بھی آ جاتا۔ رفتہ رفتہ ہم دونوں کو ایک

دوسرے سے متعلق ہر بات پتا چل گئی۔ ڈیٹ آف برتھ، پسند ناپسند، کھانے میں کیا کیا پسند ہے، کلر کون سا پسند ہے؟ مووی، گانے، ڈریس ہر بات سے واقف ہوگئے تھے۔ میں اُسے اپنے بچے کی طرح ٹریٹ کرتی، اس کا دل سے خیال رکھتی اس کے لیے میرے دل بہت سوفٹنس تھی۔ سردیاں آئیں تو میں نے اُسے ڈھیروں ہدایت دیں، وہ سوئیٹر پہن کر نہ آتا تو میں اسے ڈانٹتی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتی۔ یہ کھاؤ، یہ پیو، ایسا کرو، ویسا نہ کرو سب اس کی بھلائی اور بہتری کے لیے ہی سوچتی رہتی جب میں اس پر غصہ کرتی تو اس کے چہرے پر انجانی سی خوشی ہوتی وہ سر جھکا کر میرے سامنے کھڑا ہو جاتا اتنا معصوم انداز...... اس لمحے وہ مجھے معصوم بچہ لگتا بہت پیارا۔ جب وہ کسی بات پر کھلکھلا کر ہنستا تو اس کے موتیوں جیسے چمکتے دانت اور معصوم سی بے ساختہ ہنسی پر میری آنکھیں نم ہو جاتیں اس میں بہت مثبت تبدیلی آچکی تھی۔ اس کی باتوں میں اعتماد پیدا ہوگیا تھا اور مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی، ہم دونوں ایک دوسرے کی کمپنی میں مطمئن تھے۔

اس روز موسم بہت پیارا ہو رہا تھا۔ کالج بھی آف تھا۔ مجھے اس کا صبح میسج ملا۔ میم! اگر آپ فری ہیں تو میں آجاؤں کہیں گھومنے چلیں گے؟''

ہاں ضرور میں نے ریپلائی دیا یوں تو ہمارے درمیان میسجنگ ہوتی رہتی تھی۔ رات کو سونے سے پہلے میرا اور اس کا ہم دونوں کا آخری ''گڈ نائٹ'' کا میسج ایک دوسرے کے لیے ہوتا تو صبح اٹھ کر بھی گڈ مارننگ کا پہلا میسج ہوتا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد وہ چلا آیا۔

بہت فریش اور چارمنگ لگ رہے ہو......؟

میں نے اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھ کر کہا بلیو جینز اور نیوی بلیو شرٹ میں وہ نکھرا نکھرا واقعی بہت پیارا لگ رہا تھا۔ تھینکس! اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ ڈیشنگ چارمنگ لیڈی...... اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے جواباً کہا سی گرین ٹراؤزر، وائٹ اور سی گرین لانگ شرٹ او ہم رنگ دوپٹے میں تھی ابھی ابھی نہا کر فریش ہوئی تھی۔

''اچھا......؟'' میں نے مزاحیہ انداز میں پوچھا ''آف کورس'' وہ پر اعتماد لہجے میں بولا تو میں مسکرا دی، اس روز ہم پہلی بار باہر گھومنے گئے تھے۔ نمراز بہت خوش تھا۔ بچوں کی طرح ایک ایک لمحہ انجوائے کر رہا تھا۔ اس نے شاپنگ کی مجھے بھی جینز اور ٹی شرٹ پسند تھے۔ اس نے ڈھیر ساری ٹی شرٹس خریدیں اور میرے لیے بھی ایک بلیک ایمبرائڈی والا سوٹ پسند کیا اسے بلیک کلر پسند تھا۔ ارے پاگل ہو گئے ہو کیا......؟ میں نے غصے سے کہا۔

کیوں بھئی؟ میں آپ کو گفٹ نہیں دے سکتا کیا......؟ مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے......؟ اُس نے معصومیت سے سوال کیا۔

بات حق کی نہیں ہے پاگل۔

بس یہ کچھ اچھا نہیں لگتا، میں نے اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے کہا۔

کیوں......؟ اچھا کیوں نہیں لگتا......؟ اس نے پوچھا۔

اس لیے کہ تم چھوٹے ہو اور...... پھر کون سا وقت ہے گفٹ دینے کا...... بے وقت کیسا گفٹ......؟

بے وقت کہاں ہے یار وہ خفگی سے بولا...... نیکسٹ ویک آپ کی برتھ ڈے آنے والی ہے

آپ بھی لکھاری بن سکتے ہیں!!
آیئے! دوشیزہ کے قلم قبیلے میں شامل ہو جایئے
یہ کارواں آپ کو خوش آمدید کہتا ہے...... خود کو منوایئے اپنے قلم سے......!
اگر آپ کا مشاہدہ اچھا ہے۔
اگر آپ کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔
سفر کرتے ہوئے آس پاس کے مناظر آپ کو یاد رہتے ہیں۔
شاعری آپ کو اچھی لگتی ہے۔
تو پھر قلم اٹھایئے اور کسی عنوان کو کہانی یا افسانے
میں ڈھالنے کی صلاحیت کو آزمایئے۔
ماہنامہ دوشیزہ آپ کی تحریروں کو، آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔
ہوسکتا ہے عنقریب منعقد ہونے والی دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ
تقریب میں آپ بھی ایوارڈ حاصل کریں۔
تحریر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:
88-C II ۔فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی
ای میل: pearlpublications@hotmail.com
January 2015
February 2015

ناں......اس کی بات پر میں چونک گئی۔
واقعی میری برتھ ڈے آنے والی تھی ......مگر اب تو ایسا کچھ یاد ہی نہیں رکھتی تھی۔ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں میری زندگی سے آہستہ آہستہ نکلتی جارہی تھیں۔ اب تو عید پر بھی فاروق اور شایان سے بات نہ ہوتی ان لوگوں کو فرصت ہی نہیں تھی۔ نمراز کو یاد تھا۔ میری آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ میں لاجواب ہوکر اُسے دیکھنے لگی۔ مجھے رونا آ گیا۔ یہ سوچ کر کہ کوئی تو ہے جسے میری خوشیاں عزیز ہیں جسے میرا احساس ہے۔
پلیز پلیز میم! روئیے گا نہیں آپ نے مجھے ہمت اور حوصلہ دیا سمجھایا سکھایا اور آج دیکھیں میں الحمدللہ کتنا مضبوط اور پراعتماد ہو گیا ہوں اور آپ...... اگر آپ اس طرح کمزور پڑ جائیں گی، تو میرا کیا ہوگا یار......؟ وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔ آنکھوں میں سچائی، خلوص اور چہرے پر بے پناہ اعتماد لیے اب بولیں گفٹ لیں گی یا نہیں ......؟ جھک کر شوخ لہجے میں سوال کیا۔
نمراز مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا تم میرے بچے کی طرح ہو
پلیز بس یہ فارمیلٹی چھوڑیں آپ...... آپ میری واحد دوست ہو، سب سے اچھی سب سے قریب انکار مت کیجیے گا۔ جلدی سے بتائیے کون سا کلر پسند کروں......؟
جو تمہیں پسند ہے، میں نے ہار مانتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تو بلیک پسند ہے۔
اوکے تو میں نے کہا تو وہ بچوں کی طرح خوش ہو گیا 'تھینک یو سوچ' میں اس کی معصوم ہنسی میں کھو گئی۔ کتنا خوش لگ رہا تھا۔ وہ شاپ کیپر کو پیسے دے رہا تھا اور میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔
میری برتھ ڈے اتفاق سے اتوار کو تھی۔ میں نے اُسے بلوا لیا وہ آیا بلیک ٹی شرٹ اور پینٹ میں وہ بہت پیارا لگ رہا تھا ایک منٹ! میں نے اسے روکا اور سر پر دوپٹہ اوڑھ کر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر پھونک ماردی۔
یہ کیا......؟ وہ حیرانی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
آج تم بہت پیارے لگ رہے ہو کہیں میری نظر نہ لگ جائے اس لیے۔ آیت الکرسی کا دم کر دیا ہے میں نے وضاحت دی......
اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے میم......؟
اس نے ایک نظر ڈال کر کہا قسم سے آج تو 25 سال کی لگ رہی ہیں۔ بہت سوٹ کر رہا ہے یہ کلر آپ پر۔ ھش! میں نے اُسے گھور کر دیکھا 25 سال کی کہنے پر...... وہ ہنس دیا۔ ویسے میں نے فرسٹ ٹائم آپ کو بلیک کپڑوں میں دیکھا ہے وہ بولا۔
ہاں کیوں کہ مجھے بلیک کلر پسند نہیں تھا۔ میں نے کہا۔
پسند نہیں تھا مطلب......؟ وہ کچھ نا سمجھتے ہوئے بولا مطلب پہلے پسند نہیں تھا مگر اب پسند ہے۔ میں نے سادگی سے اعتراف کیا۔ واؤ یار! اس نے ساری ستائشی نظروں سے مجھے دیکھا۔ سو بچ میں کتنا لکی ہوں میں جو خود کو بدقسمت سمجھتا تھا مگر آج بہت پراؤڈ فیل کرتا ہوں آپ میرے ساتھ ہو، پر خلوص: سچی اور دل کے قریب ہو۔ میری سچی دوست میرا سچا......!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا کیا ہوا......؟ میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا کچھ نہیں آئیں چلیں کیک تو کاٹ لیں شاید وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر سنبھل کر جلدی سے بات بدل ڈالی......آج نجانے کتنے سالوں میں، میں نے برتھ ڈے منائی تھی۔ بہت اچھا لگ رہا تھا مگر پھر بھی منتظر تھی کہ

شاید فاروق یا شاہان کی کال آجائے...... میری بے چینی شاید نمراز نے محسوس کر لی تھی...... کم آن میم! میں ہوں ناں آپ کے ساتھ چلیں انجوائے کریں۔''

اُف! وہ چھوٹا سا بچہ کتنی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ تم بہت پیارے ہو نمراز اللہ پاک تمہیں بہت ساری خوشیاں دے میں نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ ''سیم ٹو یو میم'' ''میں خوش ہوں اور رہوں گا اگر تم میرے ساتھ رہو'' تم میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ سر جھکا کر کینڈل جلانے لگا، آج نمراز کی باتیں مجھے عجیب سی لگی تھیں۔ میں نے سر جھٹکا اُس کے ساتھ وقت اچھا گزر رہا تھا۔ وہ بھی بہت خوش تھا۔ کبھی کبھی نوکر مجھے عجیب نظروں سے دیکھتے لیکن میں نظر انداز کر دیتی کیوں کہ میں چالیس سال کی عورت تھی اور وہ 24 سال کا بچہ......''

میں اُسے اپنا بچہ ہی سمجھتی تھی۔ وہ بھی میری بہت عزت کرتا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان دوستانہ ماحول تھا۔ اس کا اور اسے میرا ساتھ تحفظ کا احساس دلاتا تھا۔ اس روز میں نماز وغیرہ پڑھ کر کافی لیٹ سونے کے لیے بستر پر لیٹی تو اس کی کال آگئی۔ بات سنو اس نے میرے ہیلو کہنے پر ایک دم ہی کچھ عجیب انداز میں کہا تھا۔

کیا ہوا...... میں نے پوچھا نہ سلام نہ دعا پہلے سلام کرو۔ میں نے تھوڑے تیز لہجے میں اسے ٹوکا۔

اوہو، سوری! السلام وعلیکم!

''ہوں گڈ! اب بولو کیا بات ہے؟ میں نے کہا۔'' میم! مجھے تیز بخار ہو گیا ہے۔ میں ہاسپٹل میں ہوں۔ اس نے کہا۔

ارے کیسے کب؟ ابھی تو ٹھیک تھے تم......؟ کس کے ساتھ ہو......؟ کون سے ہاسپٹل میں......؟ میں نے گھبرا کر بے شمار سوالات کر ڈالے۔

نوکر کے ساتھ ہوں۔ اس نے ہاسپٹل کا بھی نام بتا دیا اوکے میں آتی ہوں میں نے کہا ارے نہیں اس وقت نہ آئیں اس نے منع کیا نہیں...... نہیں میں بھی نوکر کے ساتھ آتی ہوں میرا دل بے چین ہو گیا تھا۔ ایسے جیسے کسی اپنے کے لیے تڑپ ہو۔ میں نے فوراً چادر اوڑھی اور احمد بابا کو اپنے ساتھ لے کر ہاسپٹل کے لیے گاڑی نکالی......

اسے واقعی تیز ٹمپریچر تھا۔ ڈاکٹرز نے دوا اور انجیکشن دے دیا تھا اور جب کچھ دیر بعد اس کا بخار کچھ کم ہوا اور وہ گھر کے لیے نکلا تب ہی میں بھی واپس آئی، ساری رات مجھے نیند نہیں آئی مجھے نمراز کا خیال ستاتا رہا۔ صبح نماز کے لیے اٹھی تو موبائل میں نمراز کا میسج دیکھ کر جان میں جان آئی اس کا بخار اتر چکا تھا۔ موسم بدل رہا تھا۔ میں نے اُسے ڈھیر ساری ہدایات اور احتیاطی تدابیر بتائیں اور ہمیشہ کی طرح اس نے اوکے باس کہہ کر قہقہہ لگایا۔

ایگزامز بھی شروع ہونے والے تھے۔ اس لیے میں نے اس پر سختی کی تھی کہ ایگزامز میں صرف پڑھائی پر توجہ دینی ہے اور اس نے میری بات پر عمل کرتے ہوئے پڑھائی میں خود کو مصروف کر لیا اور میں بھی مطمئن ہو گئی۔

اللہ اللہ کر کے لاسٹ پیپر ہوا اور وہ اُسی شام کو اچانک گھر آ گیا السلام وعلیکم فریش فریش وہ اچھا لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔ یہ کیا......؟ میں نے پوچھا بازار سے گزر رہا تھا۔ اچھا لگا تو آپ کے لیے لے لیا۔ اب کون سی برتھ ڈے ہے جو میں یہ لوں......؟ میں نے تند تیز

لہجے میں کہا۔

''اچھا آئندہ نہیں دوں گا۔ اب تو لے لو اس نے عجیب انداز میں قدرے جھک کر کہا۔ تو میں گڑبڑا گئی۔ اور خاموشی سے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لے لیا۔ ''تھینک یو باس'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو گیا اور میں اس کو خوش دیکھ کر خوش ہو گئی۔

رات کو میں نے نمراز کا دیا ہوا پیکٹ کھولا بہت خوبصورت اور بیش و قیمت پرس تھا اتنا مہنگا پرس وہ بے موقع مجھے کچھ اچھا نہیں لگا مگر اس کی معصومیت پر مجھے ہمیشہ ترس آ جاتا تھا۔ میں نے سوچا چلو نیو بیگ میں سامان شفٹ کر دوں، یہ سوچ کر پرس کھولا تو اندر ایک انو الپ تھا۔

یہ کیا......؟ میں نے جلدی سے بند لفافہ پھاڑ کر دیکھا۔ افوہ! اندر سے ایک کاغذ نکلا اور اس پر جو کچھ لکھا تھا۔ وہ میرا دماغ گھما دینے کے لیے کافی تھا۔ ایک ایک لفظ تازیانے کی طرح میرے وجود پر برس رہا تھا میرا خون کھولنے لگا تھا۔ میرے ہوش و حواس ختم ہونے لگے تھے۔ میرا سارا وجود جیسے زلزلوں کی زد میں تھا لکھا تھا۔

ڈیئر فرینڈ

ایک بات جو کئی بار تم سے کہنا چاہی، مگر......

مگر...... ہر بار میری ہمت جواب دے گئی، تب ہی میں نے کاغذ قلم کا سہارا لیا کہ نہ جانے مجھے سامنے دیکھ کر تمہارا کیا ری ایکشن ہو، کہیں تم مجھے تھپڑ نہ مار دو، کہیں گھر سے نہ نکال دو، لیکن سچ، کہوں میں نے خود کو بہت سمجھایا۔ بہت دلائل دیے۔

مگر کمبخت دل میرے ہاتھوں نکلتا چلا گیا، مجھے معلوم ہے تم یہ پڑھ کر بہت ناراض ہو گی...... مجھ سے بات نہیں کرو گی۔ لیکن کئی دنوں سے میں اپنے دل و دماغ سے جنگ کرتا رہا۔ یہی سوچ سوچ کر لاسٹ ویک میری طبیعت خراب ہو گئی...... میں نے خود کو بہت روکا، بہت سمجھایا، رات رات بھر دل اور دماغ سے لڑتا رہا لیکن کسی نے بھی میرا ساتھ نہ دیا اور میں ہار گیا۔ میں بہت مجبور ہو گیا اور...... میں...... میں...... تم کو پسند کرنے لگا ہوں......شاید...... مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔

افوہ! میں نے اپنا سر تھام لیا...... دل کر رہا تھا کہ نمراز کا گلا گھونٹ دوں اس نے میری ہمدردی، خلوص، اور بھروسے کو کس بری طرح کچل ڈالا تھا...... کیا سوچ کر اس نے یہ بکواس کی میں نے اُسی وقت اُسے کال کی۔

''کیا سمجھتے ہو خود کو...... کیا سوچ کر تم نے یہ بکواس کی ہے......؟ میرا بس چلے تو ابھی تمہارا گلا دبا دوں۔

السلام وعلیکم! اس نے درمیان سے میری بات کاٹی آپ ہی نے تو بتایا ہے پہلے سلام کرو۔ اس کی بات پر میں ایک لمحے کو گڑبڑا سی گئی، مگر فوراً ہی سنبھل گئی وعلیکم السلام! تم پاگل ہو گئے ہو کیا......؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ بک بک کرنے کی؟ میرا اور اپنا رشتہ دیکھا ہے تم نے......؟ عمر دیکھی ہے میری ......؟ ایڈیٹ نا معقول، بدتمیز انسان، اتنے جوتے لگاؤں گی، ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کچھ سنا دوں۔ آپ چاہیں مجھے مار دیں، میرا گلہ دبا دیں مگر سچ تو یہ ہے کہ میں آپ سے......

''بکواس بند کرو، ایک لفظ بھی بولا تو منہ توڑ دوں گی تمہارا۔'' میں نے اس کی بات درمیان میں کاٹی...... ''بہت پیارا رشتہ ہے۔ ہمارے درمیان میں نے کہا۔'' جی ہے۔ لیکن کیا کہیں یہ

لکھا ہے کہ ٹیچر سے پیار نہ کرو۔'' اس کی بات پر میرا دماغ مزید گھوم گیا۔ ''شرم نہیں آتی تمہیں ایسی بیہودگی کرتے ہوئے میں تمہیں بیٹے کی طرح سمجھتی ہوں، میری تمہاری عمروں میں اتنا فرق ہے، میں تمہاری ماؤں جیسی ہوں اس کے باوجود تم یہ بکواس۔

''ہاں ...... ہاں مجھے سب پتا ہے میں سب جانتا ہوں اور مجھے آپ نے ہی آگاہی دی ہے، صحیح اور اچھے برے کی پہچان میں نے آپ سے سیکھی ہے اور ...... اور ...... اب جب میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں کیا اچھا ہے کیا برا ہے یہ جان چکا ہوں تو آپ کو کیوں اعتراض ہے......؟ اس کا لہجہ بدستور مطمئن تھا ...... نمراز ...... تم حد سے بڑھ رہے ہو۔'' میری ہمتیں جواب دینے لگی تھیں...... وہ تو ہر بات مجھ پر ہی ڈال رہا تھا۔

میری ہمدردی، میرے خلوص، میری کیئرنس میں ایک ماں کی اور ایک بہن اور ایک سچے دوست کی جھلک تھی لیکن تم نے ...... تم نے ...... کتنے غلط معنی نکال لیے لعنت ہے تم پر اور تمہاری گھٹیا سوچ پر، یہ کہہ کر میں نے کال کاٹ دی، غم و غصے سے میری کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں۔ میرا بی پی شوٹ کرنے لگا تھا۔

سچ کہتے ہیں بڑے بوڑھے اپنے سگے بھائی باپ اور بیٹے کے علاوہ کسی مرد سے اگر کوئی عورت ایسے ہی کسی رشتے کی توقع کرے تو یہ اس کی نادانی ہوتی ہے سوائے بربادی اور رسوائی کے دامن میں کچھ اور نہیں بچتا۔ پتا نہیں میری ہمدردی اور مامتا کو اس نے اتنے غلط مطلب میں کیسے لے لیا تھا شاید اس میں کہیں میری بھی غلطی تھی۔ شاید اس میں کہیں میری بھی غلطی تھی۔ بیٹے اور شوہر کی بے اعتنائی اور بے رخی اور اپنی تنہائی اور بے بسی کا حل میں نے اس کی محبت میں ڈھونڈ لیا تھا۔ یہ جانے یہ سوچے بغیر کہ وہ ایک نامحرم ہے۔ عمر میں چاہے مجھ سے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو ہے تو وہ ایک جوان لڑکا۔ میں بے اختیار دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ تب ہی موبائل کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ دل سہم سا گیا کہ نمراز دوبارہ کال تو نہیں کر رہا ہے لیکن اسکرین پر فاروق کا نام جگمگا تا دیکھ کر جیسے دل کو ایک عجیب سی تقویت کا احساس ہوا۔

''ہیلو فاروق'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہیلو عاتکہ کیسی ہو۔''

فاروق کے پوچھنے کی دیر تھی کہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ فاروق بے طرح گھبرا گئے۔ میں روتے ہوئے انہیں بار بار بس واپس آنے کا کہہ رہی تھی۔

''اوہو بھی میں نے اسی لیے فون کیا ہے۔ میں اور شاہان تمہیں سرپرائز دینے جارہے تھے۔ ہم دونوں اس وقت کراچی آنے کے لیے ایئر پورٹ پہنچ چکے ہیں۔ انشاء اللہ چاند رات تمہارے ساتھ ہی منانے کا پروگرام ہے۔ اور میں نے سوچا کہ عید کرنے کے بعد تمہیں اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گا۔ بس بہت کر لی تم نے جاب واب۔

''سچ فاروق'' میں نے روتے ہوئے بچوں کی سی معصومیت سے پوچھا تو وہ ہنس دیے۔

''بالکل سچ'' کیسا لگا تمہیں عید سرپرائز۔ انہوں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''آپ کو معلوم نہیں فاروق یہ سرپرائز جیسے مجھے ایک نئی زندگی دے گیا ہے۔''

میری بھرائی ہوئی آواز میں اس بار بڑا خوبصورت سا سکون بھی چھپا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر رات کو نو بجے ہم باپ بیٹے پہنچ رہے ہیں۔تم ایئر پورٹ پر آؤ گی نا۔''

''بالکل آؤں گی، فاروق آج میں بھرپور طریقے سے چاندرات منانا چاہتی ہوں۔ پتا نہیں شاہان ہمارے ساتھ چاندرات کی رونقیں دیکھنے چلے گا یا نہیں۔''

میرے لہجے میں مایوسی محسوس کرتے ہوئے فاروق نے فوراً ہی سیل فون شاہان کو تھما دیا۔اس کی آواز پھر ایک بار مجھے رُلا گئی۔

''افوہ مما! اتنا ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگ آرہے ہیں نہ۔ اور میں چاند رات آپ کی مرضی کے مطابق مناؤں گا۔اب خوش؟

''بہت زیادہ خوش میری جان۔ میں بلا وجہ ہی ہنس دی تھی۔ آنسوؤں میں بھیگی اس ہنسی کو شاہان نے حیرت سے سنا ہوگا، پھر وہ اپنا فلائٹ نمبر لکھوانے لگا۔ جسے میں مسکراتے ہوئے نوٹ کر رہی تھی۔فون بند کرنے کے بعد چند لمحے تو جیسے تو ایک ناقابل یقین کیفیت میں بیٹھی رہی۔ آنے والی دو فونز کالز نے جیسے مجھے کبھی دھوپ کبھی چھاؤں جیسی کیفیت میں لا کھڑا کیا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر میں نے نمراز کو کال ملائی۔

''ہیلو نمراز نے پہلی ہی بیل پر فون اٹھا لیا۔ کتنی بے تابی تھی۔اس کے لہجے میں۔

''نمراز آج شام کی فلائٹ سے میرا بیٹا اور شوہر عید منانے میرے پاس آرہے ہیں اور فاروق کا ارادہ مجھے واپسی پر ساتھ لے جانے کا ہے۔ میں نے بہت ٹھہرے ٹھہرے ہوئے انداز میں جیسے اُسے اطلاع دی۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہیں۔''اس کا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا تھا۔

''نمراز میں نے انہیں نہیں بلایا یہ عید پر سرپرائز انہوں نے مجھے خود دیا ہے اور یہ سرپرائز میری زندگی کی ایک سچی حقیقت ہے جس میں میری ساری خوشیاں چھپی ہیں۔نمراز میرا شاہان بہت پیارا بیٹا ہے۔ میں نے ہمیشہ تم میں اس کو ڈھونڈا ہے لیکن تم نے تو...... میں رو پڑی۔''

''سوری میم! لیکن کچھ جذبے بے اختیار ہوتے ہیں۔ بہرحال آج کے بعد آپ کبھی میری صورت نہیں دیکھیں گی۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔'' وہ بہت بجھے ہوئے لہجے میں مجھ سے معذرت کر رہا تھا۔

''نہیں، نہیں نمراز شاید میں تم سے زیادہ قصور وار ہوں۔ میں نے اتنی مشکلوں سے تم کو جوڑا ہے اگر تم پھر سے ٹوٹ گئے، تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ پلیز نمراز میری محبت میری ریاضت کو ایسے ضائع مت ہونے دو۔ خدا کی قسم تم مجھے شاہان کی طرح عزیز ہو۔ میں جیسے اس کے سامنے گڑگڑائی تھی۔

''آپ فکر نہ کریں۔آپ کی محبت، آپ کا میرے لیے اتنا کیئرنگ ہونا مجھے اندر سے اتنا اسٹرانگ بنا گیا ہے کہ اب اس نمراز کو کوئی نہیں توڑ سکے گا۔ انشاء اللہ زندگی کے ہر مرحلے کو میں اب آپ کے ساتھ بیتے ہونے دنوں کے سہارے بہت آرام سے عبور کرلوں گا۔

لیکن پلیز ہم اب کبھی نہیں ملیں گے، اس کے لیے اصرار مت کیجیے گا۔نمراز فون بند کر چکا تھا۔ اور میں نم آنکھوں سے سوچ رہی تھی کہ فاروق اور شاہان کا یہ خوبصورت سرپرائز کاش مجھے بہت پہلے مل جاتا تو میں اپنی خوشیوں کو بنا کسی خلش کے تو منا سکتی۔

☆☆......☆☆

اِس رمضان میں

ابھی وہ یہ سب کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ باہر رمضان کا چاند نظر آنے کا شور اٹھنے لگا۔اس کے قدم کچن میں اپنی ماما کی طرف اٹھ رہے تھے دو تین چٹنیاں افطاری کے لیے ضرور بنانا سیکھنی تھیں ساتھ ہی سحری کے اہتمام کے لیے بھی کچھ آسان......

محبت کی دھیمی دھیمی آنچ لیے، ایک فسانۂ خاص

'ہنی بیٹا اٹھ بھی جاؤ اب بہت سو چکیں۔ دیکھو مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔ سب تمہارا کب سے پوچھ رہے ہیں اور تمہارے بابا تو پریشان ہونے لگے ہیں۔تمہارے اس طرح سونے سے تمہیں پتا بھی ہے کہ وہ تمہیں لے کر بہت جلد پریشان ہو جاتے ہیں۔ میں انہیں بتا بتا کر تھک گئی ہوں کہ آپ کی شہزادی اپنا آخری پیپر دے کر آرام سے سو رہی ہے اور سونے سے پہلے تاکید کر کے سوئی ہے کہ اُسے اٹھایا نا جائے مگر وہ سنتے ہی کہاں ہیں۔'' جب ان کی بات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ درشت لہجے میں بولتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''ہنی! بس اب اٹھو میں کھانا لگانے لگی ہوں اب مجھے دوبارہ نہ آنا پڑے۔ سمجھیں!؟''

''جی ماما!''

ہانیا سعید اپنے گھر کی اکلوتی اور لاڈلی اولاد تھی۔ ہنی سے بڑے دو بھائی تھے اور دونوں ہی شادی شدہ تھے۔ بیویاں دونوں ہی کی اچھی عادتوں کی مالک تھیں۔ جیسے ہنی کے ماما، بابا اور دونوں بھائی ہنی سے بہت پیار کرتے تھے ایسے ہی یہ دونوں بھی ہنی سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ہنی کی چھوٹی سے چھوٹی بات ان سب کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اس کے منہ سے نکلی بات فوراً پوری ہو جاتی تھی۔ اور جس بات کو وہ منع کر دیتی وہ حرف آخر ہو جاتا تھا۔ مگر ان سب میں ایک ماما ہی تھیں۔ جو ہانیا کو سمجھاتی تھیں کہ اب تم بچی نہیں ہو بڑی ہو گئی ہو کل کو پرائے گھر بھی جانا ہے۔ کچھ تو عقل کے ناخن لو۔ اپنی عادتیں بدل لو ورنہ بہت پریشانی ہوگی۔ ہمیں ڈر ہے تم ہماری ناک ہی نہ کٹوا دینا۔''

اور ہانیا کو ماما کی یہی باتیں بہت بری لگتی تھیں۔ مگر بابا اُسے ہمیشہ ماما کی ڈانٹ سے بچا لیتے تھے۔

آنکھیں ملتی ہانیا کو یاد آیا کہ ماما کھانے کا کہہ کر گئی تھیں اگر وہ اب بھی نہ اٹھی تو ماما پھر آ جائیں گی اور پھر میری خیر نہیں یہ سوچ کر اُسے مجبوراً اٹھنا پڑا۔

ہانیا کو دیکھ کر بابا اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے

تھے۔ ''ارے میرا بیٹا آ گیا۔''

''کیا بابا آپ بھی نا میں آ تو رہی تھی۔ آپ کیوں کھڑے ہو گئے؟'' وہ تھوڑی شرمندہ سی ہو گئی۔

سب چائے پی رہے تھے اور وہ کھانے میں لگ گئی بہت مزے کا بنا ہوا تھا۔ کھانا پیٹ بھر کھانے کے اس نے بھی چائے پینا شروع کر دی۔

ابھی چائے کا دور چل ہی رہا تھا کہ ہنی کے بڑے پاپا، بڑی مما اور عادی بھی آ گئے۔ ان کے آنے سے اور بھی رونق ہو رہی تھی۔ سب اپنی اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے تو عماد عرف عادی اور ہنی ایک ساتھ اٹھ کر باہر لان میں آ گئے اور اپنی باتوں میں لگ گئے۔ عموماً بات تو صرف ہنی کرتی تھی اور عادی سنتا تھا اور آج بھی ہمیشہ کی طرح وہی بولے جا رہی تھی۔ اپنے کالج کی باتیں، اپنے دوستوں کے قصے چاہے وہ باتیں عادی کے مطلب کی ہوں یا نہیں وہ پھر بھی سنتا تھا کیوں وہ ہنی سے محبت کرتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ایسے ہی بولتی رہے اور وہ سنتا رہے اور یہ محبت کی آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی تھی۔

ہنی بھی عادی سے بے پناہ پیار کرتی تھی مگر اظہار محبت دونوں میں سے کسی نے نہ کیا تھا۔ بھلا عشق اور مشک کبھی چھپ سکتے ہیں۔ ان کے بڑے ان کی اس خاموش محبت کو جان چکے تھے۔ تب ہی تو باہمی مشاورت سے دونوں کے بڑوں نے پچھلے ہفتے خاموشی سے ان کا رشتہ بھی پکا کر دیا تھا۔ اور آج عادی کے پاپا اپنے چھوٹے بھائی سے شادی کی تاریخ لینے کے سلسلے میں ہی آئے تھے۔ یہ سب عادی سے باتوں کے دوران ہنی کو معلوم ہوا۔

سلطان احمد کے دو ہی بیٹے تھے۔ اسد احمد اور سعید احمد۔ ان دنوں بھائیوں میں بہت گہری دوستی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر کوئی بھی کام نہ کرتے تھے بات یہ تھی کہ ان کا اس دنیا میں ایک دوسرے کے سوا کوئی نہیں تھا۔ والدہ ان کے بچپن

میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ والد صاحب غصے کے بہت سخت تھے۔ اس لیے وہ دونوں ہی ایک دوسرے کہ دکھ درد کے ساتھی بن گئے۔ ایسا بھی نا تھا کہ والد صاحب ان دونوں سے محبت نہیں کرتے تھے وہ تو ان سے بہت محبت کرتے تھے مگر ان کی محبت کا انداز دنیا سے مختلف تھا کھل کے کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ جس کے سبب باپ کا خوف دل میں بسا کر دونوں بھائی ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔

سلطان احمد نے اپنی ہی زندگی میں اپنے دونوں بیٹوں کے لیے گھر الگ الگ بنوانے کے ساتھ کاروبار بھی الگ کروا دیے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کہ دونوں بیٹے اپنی اپنی زندگی میں خوش و خرم رہیں اور ان کی محبت اور ایکتا میں کبھی کوئی کمی نا آئے۔ سلطان احمد ایک ذہین آدمی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بیویوں کے آنے کے بعد کیا کیا مسائل جنم لیتے ہیں۔ اپنی اسی سوچ کے پیش نظر انہوں نے یہ قدم بیٹوں کی شادی سے پہلے ہی اٹھا لیا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ سلطان احمد نے اچھا ہی کیا تھا۔ آج جو محبت ان دونوں گھرانوں میں تھی شاید وہ ایک ساتھ رہنے میں نہ ہوتی۔

’’ہنی بیٹا یہ لو منہ میٹھا کرو۔ تم دونوں کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی ہے۔‘‘ دو مہینے بعد کی مجھے تو ابھی سے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے اتنی ڈھیر ساری تیارتیاں کرنی ہیں اور وقت کتنا کم ہے۔‘‘ بڑی بھابی جو خوشی سے NonStop بولے جا رہی تھیں اس بات سے بے خبر تھیں کہ اس خبر نے ہنی اور عادی کے چہرے پر بھی خوشیوں کے ہزاروں رنگ بکھیر دیے ہیں۔

عادی ہنی کو بہت محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جو ہر بات سے بے بات چہکتی رہتی تھی۔ اس کے چہرے پر حیا کے بہت خوبصورت رنگ بکھیرتے نظر آ رہے تھے۔ عادی نے اس شرماتی ہوئی ہنی کو پہلی بار دیکھا تھا اسے آج وہ اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہنی عادی کی ان شرارتی نظروں سے بچنے کے لیے گھر کے اندر جانے لگی تھی کہ بابا اور بڑے پاپا دونوں ہی باہر آ گئے ان کی نظر ہانیا پر پڑی تو دونوں اس کی طرف چلے آئے۔ بڑے پاپا نے ہانیا کو گلے لگایا اور سعید صاحب سے مخاطب ہو کر بولے۔

سعید آج تو ہم جا رہے ہیں مگر بہت جلد ہی ہانیہ کو لینے آئیں گے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔‘‘ ہانیا شرما کر فوراً اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆......☆

’’ہانیا اب تم بڑی ہو گئی ہو کچھ ہی دنوں میں بیاہ کر سسرال چلی جاؤ گی، خدارا اب تو گھرداری سیکھ لو ہماری ناک ہی نا کٹوا دینا۔‘‘

’’مما کیا ہے آپ تو میرے پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں۔ مجھے کونسا کولکتہ جانا ہے؟ بس ایک گلی چھوڑ کر بڑے پاپا کے گھر ہی تو جاؤں گی۔ وہ گھر کون سا غیر ہے۔ بالکل میرے گھر جیسا ہی تو ہے اور وہاں بڑے پاپا، بڑی مما، اور عادی کے لیے علاوہ ہے ہی کون جو مجھے پریشان ہونا پڑے گا۔ جیسے یہاں رہتی ہوں ویسے وہاں بھی رہوں گی مجھے کوئی شوق نہیں ہے سیکھنے سکھانے کا۔‘‘

’’ہانیا میں کہتی ہوں سدھر جاؤ بیٹا! ورنہ پچھتاؤ گی ایک دن۔‘‘

’’کیا ہے مما۔‘‘ کہتی ہانیا کو اپنے بچاؤ کی ایک ہی صورت نظر آئی کہ اپنے کمرے میں پناہ تلاش کی جائے۔

ماما کی آوازیں اب بھی برابر آ رہی تھیں یا اللہ کیا بنے گا اس لڑکی کا؟‘‘ میں تو تھک گئی ہوں اسے سمجھا سمجھا کر۔ میرے اللہ تو ہی اس لڑکی کو عقل دے دے۔

ایسے ہی ماما کی ڈانٹ سنتے شاپنگ کرتے دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔

☆......☆......☆

عادی اپنے کمرے میں کمپیوٹر میں مصروف تھا

کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔

''اوہ!'' پاپا کا فون ہے شاید وہ آج پھر دیر سے آئیں گے۔''

''ہیلو! بولنے پر معلوم ہوا پاپا کا موبائل کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے انجان شخص نے بتایا جن صاحب کا یہ فون ہے ان صاحب کا کسی خاتون کے ساتھ ایکسڈنٹ ہو گیا ہے آپ جلدی جناح اسپتال پہنچ جائیں۔

عادی کے ہاتھ سے موبائل زمین پر گر گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنے حواس پہ قابو پا کر سعید چاچا کو تمام صورت حال سے آگاہ کر کے خود اسپتال پہنچ گیا۔

اسپتال آ کر معلوم ہوا ایکسڈنٹ ایک بڑے ٹرالر سے ٹکرانے کے باعث ہوا ہے۔ ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ اس کی مما دنیا سے منہ موڑ گئیں تھی اور پاپا شدید چوٹوں کے سبب I.C.U میں تھے۔

سعید احمد جب اسپتال پہنچا، عادی کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کی تو دنیا ہی ختم ہو چکی تھی۔ باپ موت کے منہ میں تھا اور ماں موت کی وادی میں جا چکی تھی۔ ایسے میں اپنا ہوش ہوتا بھی تو کیسے؟ بس اسے اتنا پتا تھا کہ وہ رو رہا ہے۔ بے حساب اور بے شمار آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

سعید احمد جو ہر وقت اپنے آپ کو مینٹین کیے رکھتے تھے۔ اس وقت بھاوج کی موت اور بھائی کی حالت پر بکھر گئے تھے۔ انہیں اپنے بڑے بھائی سے شدید محبت تھی اور آج وہی بھائی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ اسد احمد ہوش میں آ گئے اور اپنے بیٹے سے ملنا چاہتے ہیں۔''

عادی ان کے پاس گیا تو انہوں نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی، وہ عادی سے کچھ کہنا چاہ رہے تھے مگر تکلیف کی شدت سے زبان ان کی کام نہیں کر رہی تھی۔ عادی کو محسوس ہو رہا تھا وہ اپنی ساری قوتیں یکجا کر کے گویا ہوئے تھے۔

''عادی بیٹا تم سے یہ سب کبھی نہ کہتا جو آج اس حادثے کے بعد کہنا پڑ رہا ہے وہ پھر رک گئے۔

کیا بات ہے پاپا! عادی نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیے۔

میں کچھ عرصے سے بہت پریشان تھا۔ کمپنی خسارے میں جا رہی تھی۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتا نقصان کا سامنا کرنا پڑتا یوں کہہ لو کہ میرا برا وقت چل رہا تھا۔ اپنی پریشانی میں مجھے بینک سے کچھ قرض لینا پڑ گیا۔ میرا خیال تھا کہ ایک غیر ملکی کمپنی سے جو بڑا کنٹریکٹ مجھے ملنے والا ہے وہ اگر مل گیا تو قرضہ آسانی سے اتار دوں گا اور کمپنی بھی اپنی سابقہ پوزیشن پر واپس آ جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا مجھے یہ کنٹریکٹ نہیں مل سکا۔ پچھلے کئی دنوں سے میں شدید پریشان تھا یہ ایکسیڈنٹ بھی انہی سوچوں میں گم ہونے کے سبب ہوا ہے۔ میرے بیٹے مجھے معاف کر دینا میں نے تمہارے اور ہنی کی خوشیوں کے لیے بہت کچھ سوچا تھا مگر کچھ کر نہ سکا۔ تمہارے لیے اپنے پیچھے ڈھیروں پریشانیاں چھوڑ کر جا رہے ہوں۔ ان کی سانس مستقل پھولے جا رہی تھی مگر وہ بولے جا رہے تھے۔ جیسے ان کو معلوم ہو کہ یہ ان کی آخری گفتگو ہے اپنے بیٹے سے۔

''عادی بیٹا ہنی کا بہت خیال رکھنا وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ میری آخری بات مان لو بیٹا جس گھر میں ہم رہتے ہیں اس گھر کو بیچ کر تم بینک کا قرض اتار دینا میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد تمہیں اور ہنی کو کوئی پریشانی ہو میرے لاکر میں ایک فلیٹ کی فائل پڑی ہے کبھی اچھے وقتوں میں لے رکھا تھا۔ شاید وہ تمہارے سر چھپانے کے کام آ سکے۔ وہ اور بھی کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ان کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔

عادی ڈاکٹر کو بلانے گیا تھا مگر اس کے باہر

جاتے ہی اسد احمد کی سانس ہمیشہ کے لیے ٹوٹ چکی تھی۔ کہتے ہیں کہ کوئی بہت چاہنے والا سامنے ہوتو مرنے والے کا دم مشکل سے نکلتا ہے۔ شاید یہاں بھی ایسا ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

اسد احمد کی موت نے سعید احمد کو زیادہ تکلیف دی تھی۔ مگر عادی کے ماں باپ دونوں ہی دنیا چھوڑ گئے تھے۔ سعید احمد کی طرح عادی بھی ہوش گنوائے بیٹھا تھا۔ سعید احمد کے دونوں بیٹوں نے مل کر اپنے تایا اور تائی کی تدفین کا بندوبست کیا۔ عادی اگر ہوش میں ہوتا تو یہ کام یقیناً اُسے ہی کرنے پڑتے دونوں گھروں میں ویرانی نے ڈیرے ڈال لیے تھے۔ زندگی بہت مشکل ہوگئی تھی۔

عادی پہلے بھی کم بولتا تھا مگر اب تو اس نے چپ سادھ لی تھی۔ اس کے ذہن میں اپنے پاپا کی وہ باتیں نقش ہو چکی تھیں۔ جو انہوں نے مرنے سے پہلے کہی تھیں۔

آہستہ آہستہ زندگی واپس اپنے ڈگر پہ آنے لگی وقت کا کام ہے گزرنا تو وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ اپنے پاپا کی آخری وصیت کے مطابق عادی اپنا گھر فروخت کر کے فلیٹ میں شفٹ ہو گیا۔ پاپا کا قرض اتار کر کمپنی کی باگ دوڑ سنبھال چکا تھا۔ کمپنی بہت حد تک اب ٹھیک ہو چکی تھی یہ سب کرنے میں اُسے آٹھ مہینے لگے تھے۔

☆......☆......☆

سعید احمد کی طبیعت اب بہت خراب رہنے لگی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ ہانیا کی شادی جلد از جلد کروا دی جائے۔ ایک تو انہیں اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں تھا اور دوسری طرف عادی کی فکر بھی لگی رہتی تھی۔ عادی کا اکیلا پن انہیں بہت ستاتا تھا انہوں نے بہت چاہا کہ عادی انہی کہ ساتھ ان کے گھر میں رہے مگر وہ نا مانا۔ اس کا یہی کہنا تھا وہ ان سے ملنے آتا رہے گا۔ مگر ان کے ساتھ نہیں رہے گا۔ وہ جانتے تھے کہ عادی ایک خوددار باپ کا خوددار بیٹا ہے مگر اس کی فکر انہیں پریشان کر رہی تھی کہ ہنی اور عادی کی شادی جلد از جلد کر دی جائے اب یہی ان کی خواہش بھی تھی۔

ایک دن عادی سعید احمد سے ملنے آیا تو دوران گفتگو اپنی شادی پر آمادگی ظاہر کر دی۔ سعید احمد اپنی بیٹی کی تمام تیاریاں مکمل کیے بیٹھے تھے تو دیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک ہفتے بعد تاریخ مقرر کر دی گئی اور وہ دن بھی آن پہنچا جس کی تمنا ہر بیٹی کے باپ کو ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

ہانیا دلہن بنی تو لگا چاند زمین پر اتر آیا ہے'' بہت خوبصورت کا لفظ تھوڑا لگ رہا تھا۔ اس کی شان میں۔ عادی کی نظر ہٹتی ہی نہیں تھی۔ پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ ایسی مسکراہٹ اس کے چہرے پر مدتوں بعد آئی تھی۔ آج مما، پاپا کی کمی بھی شدت سے محسوس ہو رہی تھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اس خوشی کے موقع پر ان دو عظیم ہستیوں کو بھول جائے، جس کی وہ اکلوتی اولاد ہے۔ اس کی شادی کا کتنا ارمان تھا انہیں مگر موت نے مہلت نہیں دی۔ وہ جانتا تھا کہ جانے والے واپس نہیں آتے، مگر دل میں یاد اور لبوں پر دعا کی صورت ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

انہی سوچوں میں گھرے رخصتی کا وقت قریب آ گیا۔ سب ہی لوگوں نے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ انہیں رخصت کیا تھا۔

☆......☆......☆

اپنے بیڈ روم میں خوبصورت سے بیڈ پر بیٹھی وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ بیڈ پر گلاب کے پھولوں سے خوبصورت چھت بنائی گئی تھی۔ ساتھ ہی پورا بیڈ بھی گلابوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ خوشبو سے روح تک معطر ہو گئی تھی۔ مدھم روشنی نے کمرے کو مزید رومانٹیک بنا دیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے تو عادی کے سا

تھ اس کمرے میں آئی تھی۔ جواب اس کا بھی تھا۔

عادی نے نے جب اس کا گھونگھٹ اٹھا کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تو لگا زمانہ رُک گیا ہے۔ گولڈ کی خوبصورت سی چین بطور سلامی میں ہانیا کے گلے میں ڈالتے ہوئے اس نے تاکید کی تھی کہ وہ اسے ہمیشہ پہن کر رکھے اُسے اچھا لگے گا۔ آج عادی بہت کھل کر اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ وہ ہنی سے کتنی محبت کرتا ہے اور اس کے دل میں ہنی کی کیا اہمیت ہے آج خلاف توقع عادی بول رہا تھا اور ہنی بس سن رہی تھی۔

کہتے والہانہ انداز میں وہ اپنے جذبوں کا اظہار کر رہا تھا وہ اُسے احساس دلا رہا تھا کہ وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے۔ ہنی کی جتنی تعریفیں آج عادی نے کی تھیں آج سے پہلے کبھی نہ کی تھیں۔ عادی کی اتنی محبت پا کر خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بہت خوش نصیب تصور کر رہی تھی کہ اُسے دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرنے والا شخص مل گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس رات کی صبح بہت ہی خوبصورت ہوئی تھی۔ ہانیا کی زندگی کی سب سے خوبصورت صبح۔ عادی ہنی کے برابر میں سویا ہوا تھا اور اس کا ہاتھ ہنی کے سر کے نیچے تھا۔ رات عادی نے ہنی کے سر کے نیچے اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا جو صبح ہونے پر بھی ہانی کے سر کے نیچے ہی دبا ہوا تھا۔

ہنی کو تھوڑی شرمندگی ہوئی کہ اس کے ہاتھ میں درد نہ ہو گیا ہو، وہ یہی سوچتی ہوئی عادی کے پاس سے اٹھنے لگی، تو عادی جو بظاہر بہت گہری نیند سو رہا تھا یک دم اٹھ گیا اور ہنی کو اپنے برابر کھینچ لیا۔

''تم میرے پاس سے جب جب جانے کی کوشش کرو گی میں تمہیں ایسے ہی روک لیا کروں گا۔ میں تمہیں اپنے پاس سے کبھی بھی کہیں نہیں جانے دوں گا سمجھیں تم!'' عادی کی زبان سے بہت محبت سے کہے گئے اس جملے پر ہنی شرم سے سرخ ہو گئی تھی۔ وہ ہنی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پھر سے مخاطب ہوا تھا۔

''ہنی! کیا ہے یار! تم کل سے کچھ بول ہی نہیں رہیں۔ میں ہی بولے جا رہا ہوں۔ تم بھی تو کچھ بولو۔''

''کیا بولوں؟ آپ نے میری بولتی بند کر دی ہے۔''

''کیوں شریف آدمی پر الزام لگا رہی ہو!'' اس جملے پر دونوں ہی ہنس دیے تھے۔

ناشتے کا سامان عادی باہر سے لے آیا تھا، دونوں نے مل کر ناشتا کیا لنچ اور ڈنر کا اہتمام ہنی کے گھر پر تھا۔ یہ پہلا دن تھا ان کی ازدواجی زندگی کا۔ پھر اس کے بعد کافی دن ایسے ہی ہنستے مسکراتے گزر گئے۔

☆......☆......☆

عادی اپنی کمپنی جانے لگا تھا مگر ہنی کے پاس مصروف رہنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ گھرداری سے اب بھی دور دور تک اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ایسے میں عادی جب گھر واپس آتا تو گھر بالکل بکھرا ہوا ہوتا۔ دو چار دن اگنور کرنے کے بعد عادی کو پوچھنا ہی پڑ گیا۔

ہنی کیا بات ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

''جی! بس وہ تھوڑی سستی ہو رہی تھی۔ کام میں دل نہیں لگ رہا تھا اس لیے آج صفائی بھی نہیں ہو سکی۔''

''اچھا! چلو کوئی بات نہیں تم آرام کر لو، میں صفائی کر دیتا ہوں۔'' محبت میں کہا گیا یہ جملہ اتنا بھاری پڑا کہ اب یہ روز کا معمول بن گیا۔ اب عادی کو غصہ آنے لگا تھا کہ تھکے ہارے گھر واپس لوٹو تو گھر کے سارے کام بھی خود ہی کرو۔ اب بات بگڑنے لگی تھی۔

اصل بات یہ تھی کہ ہنی نے شروع سے ہی گھر کا کوئی کام نہیں کیا تھا۔ پہلے ماں اس کے نخرے اٹھاتی پھر بھابھیوں کے آنے کے بعد وہ اور بھی لاپرواہ ہو گئی۔ مگر جو کبھی اُسے ماما نے سمجھانا چاہا تو کبھی بابا نے، تو کبھی بھائی بھاوجوں نے انہیں یہ کہہ کر روک لیا کہ ابھی بچی ہے سمجھ جائے گی۔ بابا کی تو وہ جان تھی اور ماما سے بچنے کے لیے انہی کا سہارا لیا کرتی

تھی۔اسی بے جا لاڈ پیار کی وجہ سے اس کی زندگی میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔شروع شروع میں تو عادی نے بھی اُسے کام میں ہاتھ لگانے نہ دیا تھا۔صفائی وہ خود کر لیتا تھا اور کھانا تینوں ٹائم باہر سے آتا تھا یہ سب پہلے پہل تو اچھا لگا مگر انہی باتوں کو لے کر اب ازدواجی زندگی میں بگاڑ آنے لگا تھا۔

عادی نے بہت کوشش کی کہ ہنی کو پیار سے سمجھایا جائے مگر اس کی کوشش کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔شاید گھر داری میں وہ دلچسپی لینا ہی نہیں چاہتی تھی۔ پھر عادی نے اس پر تھوڑی سختی شروع کر دی۔ اس کو الجھا اور خفا خفا سا دیکھ کر ہنی کو مجبوراً گھر کی طرف دھیان دینا پڑا۔وہ عادی کے آنے سے پہلے گھر کو صاف کر لیتی چاہے اوپر اوپر سے۔کھانا بنانے میں وہ اب بھی ناواقف تھی لامحالہ کھانا بنانے کی کوشش بھی کرتی مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔

عادی کی ناراضگی بھی بجا تھی۔وہ مختلف اقسام کی چٹنیوں کا بہت شوقین تھا اور اس کا ماننا تھا کہ سل پر پسی ہوئی ہر چیز گلینڈر اور چوپر کے مقابلے میں زیادہ ٹیسٹی ہوتی ہے۔ ماں اس کے لیے ہمیشہ ہی سل کا استعمال کرتی تھی اور خاص طور پر رمضان میں ان چٹنیوں کا مزہ دوبالا ہو جاتا تھا۔

مگر اس بارے میں اب صرف سوچا ہی جا سکتا تھا۔اس کی اس خواہش کو پورا کرنا کم از کم ہنی کے بس میں تو نہیں تھا۔

عادی کو ہنی کی عادتوں کا شادی سے پہلے بھی علم تھا مگر وہ سمجھتا تھا کہ ہنی اس کی محبت میں سب کچھ سیکھ لے گی۔عادی کی سوچ ہمیشہ یہی رہی کہ مما اور چچی جس طرح مزے مزے کے کھانے بناتی ہیں، اسی طرح وہ مل کر ہنی کو بھی سکھا دیں گی۔مگر یہ اُس کی بھول تھی ہنی کچھ سیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

عورت اگر کچھ سیکھنا یا کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔عورت کے ارادے اگر مضبوط ہو جائیں تو دنیا کی کوئی بھی طاقت اُسے ناکام نہیں کر سکتی چوپر اور گلینڈر جیسی چیزوں سے ہم بہت ہی کم کام لیتے ہیں میں اور تمہاری چچی نے ہمیشہ مسالے سل پر ہی پیسے ہیں۔اس طرح کھانوں کا ذائقہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ہم نے مشینوں کو کبھی مجبوری نہیں بننے دیا۔مما کی یہ باتیں ہنی کو کون سمجھاتا...... یہ سوچ کر عادی خود ہی چپ ہو گیا۔

☆......☆......☆

آج چھٹی کا دن تھا اور عادی گھر پر ہی موجود تھا۔ہنی دو دن سے عادی سے ناراض تھی اور وہ اس سے بات بھی نہیں کر رہی تھی دوسری طرف عادی اُسے منانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا یہی بات ہنی کو بہت غصہ دلا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ عادی پہلے کی ہی طرح اسے آج بھی منائے۔ چاہے غلطی اس کی اپنی ہی کیوں نہ ہو......مگر عادی نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ اُسے ٹھیک کر کے ہی دم لے گا۔وہ اُسے ایک اچھی بیوی اور ایک ذمہ دار عورت بنا کر ہی چھوڑے گا۔دونوں کی یہی سوچیں رہیں، ایک دوسرے سے بات کرنے سے روکے ہوئے تھیں۔

پورا ایک ہفتہ گزر گیا تھا دونوں کو ایک دوسرے سے بات کیے ہوئے عادی بہت پریشان تھا وہ چاہتا تھا کہ ہنی اپنی عادتیں بدل لے مگر وہ عادی کی بات ماننے کے بجائے اپنی ممی کے گھر چلی گئی۔اُسے اس بات کا غصہ تھا کہ وہ اُسے منا کیوں نہیں رہا۔

پورے 5 دن ہو گئے تھے ہنی کو اپنی ماں کے گھر گئے ہوئے مگر عادی نہیں آیا تھا۔ اس نے کوئی Call کرنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا جتنی شدت سے محبت عادی ہنی سے کرتا تھا، اتنی ہی شدید محبت ہنی کو بھی عادی سے تھی۔ وہ اس کے بغیر ایک لمحہ بھی سکون سے رہ نہیں پا رہی تھی مگر صرف اس ضد میں کہ عادی اُسے لینے آئے، واپس نہیں جا رہی تھی۔

عادی اس کے بغیر ناخوش تھا۔اپنا ہی گھر کاٹنے

کو دوڑتا تھا اُسے۔ مگر ضد کا وہ بھی پکا تھا۔ اس نے سوچ لیا کہ جب تک ہنی خود کو بدل نہیں لیتی وہ اُسے ہرگز لینے نہیں جائے گا۔

☆......☆☆......☆☆

چھٹے دن جب ہنی بستر پر سونے لیٹی تو اُسے عادی کا مضبوط ہاتھ یاد آ گیا۔ جب سے شادی ہوئی تھی وہ عادی کے ہاتھ پر سر رکھ کر سکون سے سوئی تھی۔ پچھلی پانچ راتوں سے وہ سو نہیں سکی تھی۔ بے چینی ہی بے چینی تھی۔ عادی کو یاد کرتے ایک شعر اس کے لب پر آ گیا تھا۔

آ جایئے کہ آپ کو ترسے ہے اب نگاہ
دیکھے ہوئے کسی کو بہت دن گزر گئے

آج کئی دن بعد آئینے کے سامنے بیٹھی تو ڈر گئی۔ چاند جیسے چہرے کو گہن لگ گیا تھا۔ عادی کے بغیر زندگی زہر ہو گئی تھی۔ اور اس زہر کو وہ اپنی مرضی سے پی رہی تھی۔ دن رات کیسے بے رونق ہو گئے ہیں۔ بابا نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ عادی تمہیں لینے کب آئے گا ایسا لگتا تھا سب مجھ سے ناراض ہیں۔ ماما کو بھی تو مجھ سے کتنی شکایتیں رہتی تھیں مگر وہ بھی مجھ سے کچھ نہیں پوچھتیں۔......

کہیں میں غلط تو نہیں؟ آپ اپنے سے کیے گئے سوال کا جواب آئینے میں موجود اس کا اپنا چہرہ اسے دے رہا تھا۔ تم غلط ہو ہنی۔ تم غلط ہو ہنی۔''

اس اداس شام جب وہ لان میں تنہا بیٹھی تھی تو ضمیر نے عدالت لگائی۔ ضمیر اُسے سخت ملامت کر رہا تھا۔ ہنی کی آنکھیں بے اختیار بھر آئیں۔ بے اختیار وہ اپنا احتساب خود کر بیٹھی۔

میں عادی سے شدید محبت کی دعویدار ہوں تو اس کے لیے گھر داری کیوں نہیں سیکھ لیتی۔

اگر وہ چاہتا ہے تو میں بھی دوسری عورتوں کی طرح اس کے سب کام اپنے ہاتھوں سے خود کروں تو اس میں برا کیا ہے۔

ماما بھی تو یہی بھاتی تھیں۔ جواب عادی کہتا ہے میں نے ماما کی کبھی بات نہیں مانی اور اب عادی کے ساتھ بھی وہی کر رہی ہوں۔ مجھے بہت پہلے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ عورت کی عزت ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں سے ہوتی ہے۔ اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جو گھر اور گھر والوں کو بہتر طریقے سے سنبھال سکے۔ عورت ہی اپنے ہاتھ سے گھر کو جنت بناتی ہے۔ مرد چاہتے ہی کیا ہیں؟ جب تھکے ہارے کام سے گھر لوٹیں تو سکون ملے، ذمہ داریوں میں کوتاہی برتنے سے ہی گھر میں لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔''

کتنی غلط تھی میں! اتنی چھوٹی سی بات سمجھنے میں اتنا وقت لگا دیا۔ ماما اور پاپا میں کبھی تکرار کیوں نہیں ہوئی؟ بھائیوں اور بھاوجوں میں لڑائی نہ ہونے کی کیا وجہ تھی؟ ذمہ داری۔''

میرا گھر جنت اس لیے ہے کہ یہاں کی عورتیں ذمہ دار ہیں وہ کبھی بدمزگی کا موقع ہی نہیں دیتیں۔ اب ماما اور عادی کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی میں بھی اپنے گھر کو جنت بنا لوں گی انشاء اللہ۔''

ابھی وہ یہ سب کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ باہر رمضان کا چاند نظر آنے کا شور اٹھنے لگا۔ اس کے قدم کچن میں اپنی ماما کی طرف اٹھ رہے تھے دو تین چٹنیاں افطاری کے لیے ضرور بنانا سیکھنی تھیں ساتھ ہی سحری کے اہتمام کے لیے بھی کچھ آسان کھانے بنانا سیکھنے تھے وقت کم تھا اور مقابلہ سخت۔

آ گہی کا ایک لمحہ اس کی زندگی کو بدل گیا اور وہ فوراً اپنے گھر پہنچنا چاہتی تھی اسے یقین تھا کہ اس مقدس مہینے میں وہ بھی اپنے گھر کو جنت بنا کر اپنے روٹھے ہوئے پریتم کو وہ تمام خوشیاں دے سکے گی جس کا وہ متلاشی ہے۔

☆☆......☆☆

لمحوں نے خطا کی تھی

''بڑی محبت جاگ پڑی ہے تمہارے دل میں اُس کے لیے۔ جانتے بھی ہو کہ مجھے اُس عورت سے کتنی نفرت ہے جس کی وہ بیٹی ہے۔ میں فاخرہ کو بھو بھل ہوتا، بھسم ہوتا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' رحمان سانپ کی طرح پھنکارا وہ اتنے تنفر، اتنی بے اعتنائی......

اُس دوشیزہ کی کتھا، جس کی ایک لمحے کی خطا نے اُس کی ساری زندگی کو مجسم خطا بنا ڈالا تھا **چوتھی کڑی**

''تم سب نے اُس کی تقدیر اپنے ہاتھوں سے لکھنی شروع کر دی، اپنی من مانی کی، اُسے خطا کار بنا کر معتوب ٹھہرا دیا۔ اپنی پسند کی سزا سنا دی۔ اُسے تختہ دار پر لٹکا کر اُس کی خودی، انا، خوداری کو اپنی جھوٹی شان اور انا کی بھینٹ چڑھا دیا، تم قاتل ہو کسی کی خوشیوں کی، کسی کی جوانی کو قدموں تلے روندنے کی مجرم ہو، قابلِ نفرت ہو، قابلِ مذمت۔''

اُس لمبے تڑنگے شخص نے اپنے دونوں ہاتھ اُس کی جھریوں سے اٹی گردن پر رکھ کر اُس کی ہڈیوں بھری گردن کو دبوچ لیا اُس کی سانس رُک گئی۔

''زمان! پانی۔'' اُس کی آواز نہیں نکلی تھی بس زمان کا نام لبوں پر تھرتھرا کر رہ گیا مگر کون تھا جو اُس کی آواز سنتا۔ پھر اُس کی گردن پر دباؤ کم ہوتا چلا گیا۔ نجانے وہ کون تھا جو اتنا بپھرا ہوا تھا جیسے کوئی وحشی جنونی اُس کی جان لے لینا چاہتا ہو۔ اُسے لگا وہ مر گئی ہے مگر وہ زندہ تھی۔

''تم گناہ گار ہو، زمین پر بوجھ ہو، تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹ جانا چاہیے۔'' وہ کف اُڑا رہا تھا، چلا رہا تھا۔ غیض و غضب سے وہ پھر اُس کے ناتواں وجود پر جھپٹنا چاہتا تھا کہ اُس نے اپنے رعشہ زدہ ہاتھ جوڑ دیے۔ کچھ کہنے کی کوشش میں اُس کے خشک پپٹری زدہ ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔

''رحم مانگ رہی ہو کیا۔'' اُس اجنبی، کرخت چہرے والے آدمی نے سوال کیا۔

''ہاں۔'' اُس نے ذرا سا سر ہلایا اُس کی سرد آنکھوں میں موت کا خوف پھیل رہا تھا۔

''ہاہاہا...... تم نے کبھی 'رحم' کیا ہے جو میں تم پر رحم کروں۔'' اُس نے بے ہنگم قہقہہ لگایا۔

''تم ظالم ہو ظلم ڈھاتی رہیں، میں دیکھتا رہا کہ شاید تمہارے اندر احساس کی آنکھ پھوٹ پڑے۔ شاید تم نادم ہو کر توبہ کر لو مگر نہیں، تمہارے جیسے لوگوں کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ اگر توبہ کا احساس جاگ جائے تو کبھی کبھی توبہ کرنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ تم قابل نفرت ہو۔'' وہ چیخنے لگا۔ چلانے لگا۔

''رحمان، پانی۔'' اُس کے ہونٹ پھڑ پھڑائے مگر کون تھا جو سنتا۔ کوئی بھی نہیں۔ وہ باری باری سب کو پکارتی رہی۔ اُس کی دم توڑتی آواز حلق میں ہی گھٹتی رہی۔ وہ سانس کھینچنے کے لیے پوری طاقت لگا رہی تھی۔ اُس کو جتنی دشواری سانس اندر اُتارنے میں ہو رہی تھی۔ اُس سے کہیں بڑھ کر اذیت سانس باہر نکالنے میں ہو رہی تھی۔ وہ شدتِ کرب سے سر اِدھر اُدھر مار رہی تھی۔ اُسے وہ اُس کانٹوں بھرے میدان میں گھسیٹ رہا تھا۔ اُس کی کمر زخم زخم ہو کر لہولہان ہو رہی تھی گردن میں سانس پھنس رہی تھی۔ گھٹن و حبس سانس روک رہی تھی۔

''کیا میں مر رہی ہوں۔ نہیں نہیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے مرنے سے ڈر لگتا ہے۔'' اُس کی سوچیں شل تھیں اُسے خوف آ رہا تھا موت سے خوف مر جانے کا خوف' سب سے بڑا خوف، سب سے آخری خوف۔

''میں تمہارا ضمیر ہوں ہاہاہا۔ میں تم پر یوں ہی کوڑے برساتا رہوں گا۔ روز تمہیں عدالت میں گھسیٹوں گا لعنت ملامت کروں گا۔ تمہیں کنکر ماروں گا، تم پر جوتے پھینکوں گا۔ کون بچائے گا تمہیں۔ کون پرسانِ حال ہے تمہارا اس وقت، بتاؤ جواب دو، ساری زندگی تنفر، حقارت، تکبر میں گزار دی۔ خدا کی مخلوق سے کبھی محبت نہیں کی۔ صلہ رحمی اور ایثار کو اپنا شعار نہیں بنایا۔ اب بتاؤ کیا ہے زادِ راہ، آخرت کے لیے، کیا منہ دکھاؤ گی روزِ محشر خدا کو۔ کیا تیاری کی تم نے خدا کے پاس جانے کے لیے، کچھ بھی نہیں، اسی لیے تو موت سے ڈر رہی ہو۔ اپنے اعمال سے ڈر رہی ہو، خدا کی بنائی ہستی کو حقیر و بے مایہ سمجھ کر ستم ڈھانے والی عورت! کیا تم اس قابل ہو کہ تم پر رحم کیا جائے۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں سے دور ہو جاؤ بدبخت عورت۔''

اُس دیوہیکل شکل نے اُسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر کسی ننھی گیند کی طرح فضا میں اُچھال دیا۔ چیتھڑے ہی چیتھڑے، خون آلود، اُف ہر طرف خون ہی خون، انسانی ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ مر چکی ہے۔ جان کنی کے عذاب سے گزر چکی ہے۔ سب کام پایہ تکمیل تک پہنچ چکے مگر نہیں وہ زندہ تھی جب اُس کا تاریکیوں میں ڈوبا ذہن بیدار ہوا تو اُسے یہ لگا بدن گو کہ بے جان سا ہے مگر وہ زندہ ہے۔ سانس چل رہی ہے۔ آتی جاتی مدھم سانس زندگی کا پتا دے رہی تھی۔

''یہ لیں پانی پی لیں۔'' کوئی بہت قریب سے بولا تھا۔ کون۔ کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

''خالہ پانی پی لیں۔'' کسی نے اُس کی گردن کے نیچے بہت نرمی سے ہاتھ ڈالا تھا اور سہارا دے کر اوپر اٹھایا اور پانی کا گلاس خالہ کے لبوں سے لگا دیا۔ پانی کے چند قطروں سے حلق تر ہوا تو بکھرے حواس بھی بحال ہونے لگے۔ سارا گلاس وہ غٹاغٹ پی گئی جیسے برسوں کی پیاسی ہو۔

''خالہ لگتا ہے آپ سوتے میں ڈر گئی ہیں۔ آپ کی چیخیں اتنی بلند تھیں کہ میری سوتے میں آنکھ کھل گئی بتائیں نا، کہیں درد ہے کیا۔ بہت کرب ناک دھاڑیں ماری ہیں آپ نے۔'' فاخرہ نے خالہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ وہ اس وقت صحن میں تھیں۔ خالہ کی آنکھیں بند تھیں۔ سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ وہ بولنا چاہتی تھی، بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر یوں لگتا تھا جیسے یا تو خالہ کی زبان تالو سے چپک گئی تھی یا پھر کسی نادیدہ طاقت نے اُن کی قوتِ گویائی سلب کر ڈالی تھی۔ وہ اُسی ڈراؤنے اور خوفناک خواب کے زیرِ اثر تھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر فاخرہ

سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ اپنے ہر ستم کی اپنے ہر ظلم و زیادتی کی۔ وہ اللہ سے بھی توبہ کرنا چاہ رہی تھی۔ اپنے گھمنڈ و برتری میں کیئے گئے وار اب سارے اُسے نظر آرہے تھے۔ قطار در قطار لمبی فہرست تھی۔ آج اپنی ہر زیادتی اُسے دکھائی دے رہی تھی اور دل شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جارہا تھا اور ساتھ ہی بدن کی سکت بھی ہاتھ چھڑا رہی تھی۔ وہ توبہ کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ جب طاقت سلامت تھی تب 'احساس' سے دل خالی تھا اور اب ضمیر اور احساس ایک ساتھ اُس کے اندر اپنی تمام تر توانائیوں سے جاگے تھے تو اُس کا تن بدن مردنی اوڑھ بیٹھا تھا...... یہ کیسی بے بسی و لاچاری تھی کہ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر کچھ بھی نہیں کہہ پا رہی تھی۔ اُس کے رعشے زدہ بدن میں جان اٹکی ہوئی تھی۔

فاخرہ اپنے آنچل کے پلو سے خالہ کا چہرہ صاف کررہی تھی جو بار بار عرق آلود ہورہا تھا۔ فاخرہ خالہ پر جھکی قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر اُس پر پھونک رہی تھی۔ فاخرہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے وہ اُس عورت کے لیے رو رہی تھی جس نے تمام عمر اُسے سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا۔ فاخرہ کا احساس سے لبریز دل اُس سامنے لیٹی بوڑھی عورت کی لاچاری پر رو رہا تھا جس نے فاخرہ کی زندگی پر حکومت کی تھی۔ جواز، سمجھوتے، اصول، دلیل کسی زندہ انسان کی زندگی سے بڑھ کر تو نہیں ہوتے پھر بھی لوگ دوسروں کے دلوں کو خوشیوں کو کتنے دھڑلے سے روند ڈالتے ہیں۔ خدا کی پناہ۔

''خالہ کیا ہوا ہے مجھے بتائیں، دن چڑھ جائے پھر میں آپ کو اسپتال لے کر چلوں گی یا پھر ڈاکٹر کو گھر بلوالوں گی۔'' فاخرہ خالہ کے گال سہلا رہی تھی بار بار پانی پلا رہی تھی۔

اعمال ناموں میں گناہ کبیرہ کے زمرے میں کیا کچھ درج ہوتا ہوگا۔ کسی کو خبر نہیں ہوئی کسی کو فکر نہیں ہوتی۔ اُس کی زبان گنگ دل شرمندگی سے جھکا جارہا تھا۔ دل کی گہرائی سے اللہ کے حضور وہ معافی مانگ رہی تھی قبول ہوئی تھی یا نہیں۔ کون جانے۔ مگر فاخرہ سے معافی مانگنے کے لیے زبان کی ضرورت تھی۔ جو اس وقت کام نہیں کررہی تھی۔

خونی رشتوں سے جڑی محبتیں، اور اُن محبتوں کے ساتھ ساتھ ازل سے ایک درد کا سلسلہ بھی جاری وساری ہے۔ خودغرضی، بے حسی، منافقت کی اذیت سے لبریز، ظلم کی آخری حدوں کو پار کرتا۔

فاخرہ اب خالہ کی ٹانگیں داب رہی تھی۔ خالہ کے خون میں اس وقت ندامت پر ندامت، ندامت ہی ندامت ٹھوکریں مار رہی تھی۔

معصوم، سادہ دل فاخرہ بلا کی حسین عورت کس غضب کی آزمائش کی نذر ہوئی تھی۔

فاخرہ کی مضطرب سی نگاہیں خالہ کے تھکن زدہ بے بس وجود کو دیکھتی رہیں۔ وہ آگاہ تھی اس بات سے کہ دنیا میں دوسروں کا درد اپنے دل میں محسوس کرنے کا شرف ہی انسان کو اشرف المخلوقات بناتا ہے۔ انسان دنیا میں آتا ہے، مرجاتا ہے، انسان سب کچھ کرتا ہے مگر موت جو اٹل حقیقت ہے اُس کو فراموش کردیتا ہے۔ فجر کی اذانیں ہورہی تھیں فاخرہ اٹھی اور وضو کرنے چلی گئی۔

''میری زیادتیوں کا جتنا بوجھ تمہارے دل نے سہا ہے فاخرہ، کیا وہ کبھی اُتر سکے گا، جتنے زخم میں نے تمہیں دیے، کیا کبھی وہ تم بھول سکوگی، کیا تمہارے ہونٹ میرے لیے دعا مانگ سکیں گے، میرا دل کبھی سکون پاسکے گا۔'' خالہ نے سوچا تھا۔

☆......☆......☆

فاخرہ نے نماز کی ادائیگی کے بعد دعا مانگی تھی،

گریہ زاری کی تھی۔ خالہ کے لیے سچے دل سے دعا مانگی تھی۔ فاخرہ نے اپنے وجود سے چمٹے سارے اگر مگر اُتار پھینکے تھے۔ خالہ کو معاف کر دیا تھا۔ کیا یہ ضروری ہوتا ہے کہ کوئی زبان سے اقرار کرے، ہاتھ جوڑ کر معافی مانگے تب ہم کسی کو معاف کریں۔

ہمیں ہر کسی کو معاف کر دینا چاہیے۔ اللہ کی رضا کے لیے رحم کرنا چاہیے، ایثار کو اللہ پسند فرماتا ہے۔

خالہ کی شاید آنکھ لگ گئی تھی۔ فاخرہ قرآن پاک پڑھنے لگی، لوہے کے تخت پر وہ بیٹھ گئی تھی۔ بشیراں بھی فاخرہ کے ساتھ ہی جاگی تھی۔ خالہ کی دردناک چیخوں نے انہیں ڈرا دیا تھا۔ الٰہی خیر! کہتی وہ دونوں ایک ساتھ خالہ کے پاس آئی تھیں تب سے اب تک بشیراں فاخرہ کے رویے کو دیکھتی رہی تھی۔ حیرت و استعجاب سے، انتہائی تعجب سے، اتنا صبر، ایسی اعلیٰ ظرفی، اتنا کشادہ دل۔

''چائے بناؤں۔'' بشیراں نے پوچھا تو فاخرہ نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھائی اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنسوؤں سے لبالب بھری گلابی آنکھیں، اضطرابی انداز میں ہونٹ کچلتی فاخرہ کیوں رو رہی تھی؟ یہ بشیراں کی سمجھ سے بالاتر چیز تھی۔

فاخرہ نے قرآن پاک بند کر کے آنکھوں سے لگایا بشیراں وہیں چائے لے آئی، فاخرہ کے ہاتھ سے قرآن پاک پکڑ کر کمرے میں رکھنے چلی گئی۔ واپس آئی تو فاخرہ جوں کی توں بیٹھی ہوئی تھی۔

''کیوں رو رہی ہیں آپ۔'' بشیراں نے آخر وہ بات پوچھ ہی لی جو اُسے بے چین کر رہی تھی۔

''خالہ کے لیے......'' بشیراں نے تحیر سے دیکھا فاخرہ کا چہرہ حزن و ملال کے سارے رنگ سمیٹے ہوئے تھا۔

''ایسے مت دیکھو بشیراں، بات خالہ کی نہیں ہے ہر بزرگ کی بے بسی مجھے رُلاتی ہے، ہر بزرگ کی آنکھ کی پتلیوں کے پیچھے چھپا درد مجھے نظر آتا ہے، وہ مجھے رُلاتا ہے۔''

''بشیراں جو تم نے دیکھا وہ بھی اور جو تم نے نہیں دیکھا وہ بھی بہت برا تھا، بے انتہا برا۔ مگر وہ ان کا اپنا فعل اپنا عمل ہے۔ مجھے برا نہیں کرنا۔'' بشیراں یک ٹک فاخرہ کو دیکھے گئی۔

''اللہ نے مجھے بہت نوازا ہے اور اس کی بے پایاں رحمتوں کے بدلے، میں نے خالہ کو معاف کر دیا ہے۔ مجھے اللہ کی ناراضی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ بس یہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ مجھ سے خوش رہے۔''

''مگر......'' فاخرہ نے ہاتھ اُٹھا کر بشیراں کو ٹوک دیا، آگے کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا۔

''بشیراں جب ہماری زندگی میں بہت سارے اگر مگر آ جاتے ہیں تو راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ دل تنگ پڑ جاتے ہیں جو جواز ڈھونڈنے لگتے ہیں اگر مگر راستہ روک کر کھڑے ہو جائے ہیں، میں نے بھی شروع میں اللہ سے کچھ گلے شکوے کیے تھے مگر اُن کو اپنا معمول نہیں بنایا۔ اللہ کے ہر فیصلے پر راضی بہ راضی ہو گئی تو دل میں طمانیت نے جگہ بنالی۔ میرا یقین کامل ہونے لگا۔ مجھے قرار آ گیا۔ مجھے صبر کرنا آ گیا۔ میں نے صبر کرنا سیکھ لیا۔'' فاخرہ نے چائے کا گھونٹ بھرا بشیراں کی نگاہوں میں تا حال اُلجھن تیر رہی تھی۔ ہلکی سی خفگی بھی اُس کے انداز سے عیاں تھی۔ وہ سمجھی کہ نہیں مگر بولی کچھ نہیں۔

''پتا ہے بشیراں جو انسان شکر ادا نہ کر سکے وہ پھر زندگی میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں' میں رو رہا تھا جب میرے پاؤں میں جوتے نہیں تھے لیکن میں اچانک چپ ہو گیا جب میں نے دیکھا کہ ایک شخص کے تو پاؤں ہی نہیں تھے۔ اللہ رب العزت نے مجھے ہزاروں لوگوں سے

بہت بہتر بنایا، پھر میں شکر ادا کیوں نہ کروں، دل کو چھوٹا نہیں رکھنا چاہیے۔'' فاخرہ کی بات پر بشیراں بھی رونے لگی تھی نجانے کیوں۔

☆......☆......☆

رحمان اور فرقان لاہور پہنچ چکے تھے پی سی میں دو بیڈ روم کی انہوں نے دو دن کی بکنگ کروالی تھی۔ اُن کا ارادہ خوب گھومنے پھرنے کا تھا۔ وہ بچوں کو گھمانے پھرانے کے لیے ہی تو لے کر آئے تھے۔

''ہائے اتنی شاندار عمارت......'' احتشام بچوں کا سا اشتیاق لیے چلایا، فروا نے اُسے ٹہوکا دیا۔

''ہائے پسلی میں کہنی چبھودی۔'' وہ مچلا۔

''چپ کر جاہل کہیں کا! سب لوگ دیکھ رہے ہیں، پینڈو سمجھیں گے تمہیں۔'' فروا نے دانت کچکچائے اور اُسے اُس کی ندیدی حرکت پر تنبیہ کی مگر وہ باز آنے والا کہاں تھا، ہر پانچ منٹ بعد آپے سے باہر ہو جاتا۔

''ہائے کتنی اسٹوریز ہیں اس ہوٹل کی، میری تو آنکھیں تھک گئیں آسمان تک پہنچ گئیں۔''

''اتنی زور کا مکہ ماروں گی کمر میں کہ دن میں تارے نظر آجائیں گے، منہ بند کراپنا'' ایک طرف فروا جبکہ احتشام کے دوسری طرف عروہ چپک گئی تھی۔ اُن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ احتشام کی درگت بنا ڈالیں۔ امن کی ہنسی چھوٹ گئی صورتِ حال ہی اتنی مضحکہ خیز ہوگئی تھی۔ احتشام دیدے پھاڑ پھاڑ کر اردگرد دیکھ رہا تھا اور جب بھی وہ مارے شوق کے منہ سے ہائے وائے نکالتا، دو کہنیاں اس کی پسلیاں توڑنے کے درپے ہو جاتیں۔ امن ہنسے جا رہی تھی۔ سب بڑے آگے آگے تھے، جبکہ چاروں پیچھے باقی بچے بڑوں کے ساتھ تھے۔ اٹھکیلیاں کر رہے تھے سب خوش تھے مگن تھے۔

سیکنڈ فلور پر دونوں فیملیز کے بیڈ روم تھے۔ دونوں اپنے اپنے بیڈ رومز میں چلے گئے۔ صاف ستھرا اسٹائلش بیڈ روم، فرقان نہانے چلے گیا تو حذیفہ اور ہنزلا جو اُس کی موجودگی میں مؤدب سے تھے چہکنے لگے۔ امن نے لبنیٰ کی نظر بچا کر اپنے پاؤچ کو شولڈر بیگ سے نکال کر سیل فون کو دیکھا۔ سجاد کی چار مس کالز اور لاتعداد میسجز تھے۔ امن نے پھر لبنیٰ کی طرف دیکھا مگر وہ متوجہ نہیں تھی۔ بچوں کے ساتھ مگن تھیں۔ ہنزلا حذیفہ کے کپڑے بیگ سے نکال رہی تھی۔ امن نے ایک کے بعد ایک سارے میسجز پڑھ ڈالے امن کا چہرہ جگمگانے لگا۔ اُس نے کہا تھا کہ پہنچ کر بتانا مجھے فکر رہے گی۔ امن اب میسجز کر کے اُسے بتا رہی تھی۔

''بات کریں جان۔'' اُس کا رپلائی آیا تھا۔

''نہیں ابھی ممکن نہیں، بعد میں جب موقع ملا۔''

اُس نے سینڈ کر کے سیل دوبارہ پاؤچ میں ڈال لیا۔

فرقان فریش ہو آیا تھا۔ طویل سفر کی تکان اُتارنے کے لیے سب لوگ باری باری نہانے گئے۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد رحمان کی کال آئی تھی۔ نیچے ہال میں ناشتے کے لیے جانا تھا، سب لوگ ناشتے کے لیے چلے گئے سب نے اپنی اپنی پسند کا ناشتا کیا تھا۔ رحمان کو کام سے جانا تھا وہ وہیں سے چلا گیا۔ فرقان اور لبنیٰ کمرے میں آکر سو گئے۔ ہنزلا حذیفہ بھی کچھ دیر ٹی وی پر کارٹون دیکھتے رہے پھر اُونگھنے لگے، ماں کے برابر میں لیٹے تو ذرا دیر میں ہی بے خبر سو گئے۔

دونوں بیڈ رومز کے مکیں سو چکے تھے مگر دو لوگ ایسے بھی تھے جن کے دل بے تاب تھے اور آنکھیں نیند سے خالی۔ پپوٹے بوجھل سے، تھکن سے مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور۔

☆......☆......☆

''وہ آج لاہور چلی گئی ہیں دونوں بہنیں۔'' اریز چوہدری کسی کو فون پر بتا رہا تھا۔

''تم بھی لاہور پہنچ جاؤ۔'' مقابل نے تجویز پیش کی تھی یا حکم دیا تھا کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

''جی ٹھیک ہے مگر کب؟'' اریز نے پوچھا۔

''اُن کا کیا پروگرام ہے۔''

''دو دن کے لیے آؤٹنگ کا پروگرام ہے۔'' اریز بہت اطمینان سے بات کر رہا تھا یوں لگ رہا تھا مقابل سے اُس کا کوئی بہت قریبی تعلق ہے۔ وہ دونوں کمال کے مزاج آشنا لگ رہے تھے۔

''تم آج ہی لاہور پہنچو اور رابطے میں رہو، او کے۔''

''جی بہتر۔''

''ایک بات دھیان میں رکھنا لڑکی کو قریب کرنے کا طریقہ، اُسے اہمیت دو اُس کے جذبات کو سمجھو اور لڑکی مرد کے وجود میں تب سماتی ہے جب وہ اُسے تحفظ دیتا ہے۔ لڑکی کو محبت بہت عزت کے ساتھ دی جائے تو اسے اچھا لگتا ہے۔ محبت کرنے کا ڈھنڈورا پیٹتے رہو مگر اُس کی عزت نہ کرو تو وہ کبھی ہاتھ نہیں آتی۔ لڑکی کے لیے اپنا وقار اپنی سیلف ریسپکٹ بہت معنی رکھتی ہے۔ لڑکیوں کی نفسیات بہت عجیب ہوتی ہے حد سے زیادہ جذباتی، ذرا بے وقوف، چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہل جانے والی، اپنا ضبط، اپنا غصہ کنٹرول میں رکھنا کڑوی کسیلی بات بھی امرت سمجھ کر پی جاؤ، سمجھ گئے۔''

''جی بالکل سمجھ گیا۔''

''عمل بھی کرنا ہے اور بھرپور چوکس رہنا، تمہاری دو آنکھیں پشت پر بھی ہونی چاہئیں تمہاری چار آنکھوں کو ہر وقت کھلا ہونا چاہیے۔'' وہ بہت مدھم لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

''جی ایسا ہی ہے۔ ایسا ہی ہوگا میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''

''ویل ڈن مائی سن، ایم پراؤڈ آف یو۔''

''آج کا کیا پروگرام ہے۔''

''آج مجھے بیا ہمدانی سے ملنا ہے۔ اس وقت میں ہوٹل میں اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''اوہ گڈ ویری گڈ۔'' اُس کے لہجے میں فخر انبساط جھلکا۔

''گاڑی ہے اس وقت تمہارے پاس۔''

''جی نایاب کی گاڑی ہے میرے پاس۔''

''ٹھیک ہے میں لاہور والے بنگلے کی صفائی کرواتا ہوں ابھی خدا بخش کو فون کرتا ہوں تم بیا کو نپٹا کر لاہور پہنچو، مگر اچھے موہ لینے والے، نثار ہو جانے والے انداز میں نپٹانا، پہلے پہل لڑکی پر لگاؤ سے محنت کرنا پڑتی ہے جب وہ پٹا ہوا مہرہ بن جاتی ہے۔ تم بہت مکار ہو، شاطر ہو میں جانتا ہوں۔''

''بس آپ کی محبت ہے، اوہ بیا آ رہی ہے بعد میں بات کرتے ہیں۔'' اریز نے دور سے بیا کو دیکھ لیا تھا وہ پارکنگ میں گاڑی پارک کر رہی تھی۔

وہ قدرے الگ تھلگ سی میز تھی تاریک سا گوشا، وہ عموماً اسی میز کو اپنا مسکن بناتا تھا جب بھی اُسے کسی سے ملنا ہوتا۔

''بے بی پنک کلر میں قیامت ڈھا رہی ہے بیا ہمدانی، ہاہا مگر ابھی میری دسترس سے کوسوں دور ہے۔ تڑپا کے رکھ دیتی ہے۔ چلتی پھرتی آگ ہے۔'' اریز نے اوپر نیچے بہت سی آہیں ایک ساتھ بھری تھیں۔ مقابل نے قہقہہ لگایا تھا زوردار قہقہہ۔

''او کے بائے آ گئی۔'' عجلت میں فون ہی بند کر دیا تھا۔ مقابل اُس کی پھرتی پر تادیر ہنستا رہا۔ لگتا تھا اریز نے اثر لیا تھا باتوں کا، اور لڑکی کو عزت و تکریم دینے کا ثبوت بھی ساتھ ہی فراہم کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

''ہائے کیسے ہو۔'' بیا کے لبوں پر دلربا مسکراہٹ تھی، اریز سو جان سے فدا ہونے لگا۔
''ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو، بہت انتظار کروایا۔'' وہ محبت پاش نظروں سے اُسے تکے جا رہا تھا۔
''مصروف تھی مگر تمہارے لیے وقت نکالا جا سکتا ہے۔'' وہ اِترائی 'اِتراہٹ اُس پر جچتی بھی تو بہت تھی۔ بڑی فرصت سے بنایا تھا خدا نے اُسے، اُسے اپنی حسن ورعنائی کا ادارک بھی تھا پوری طرح۔
''بہت نوازش میری جان، بندہ ناچیز کے لیے تم نے اپنے قیمتی وقت میں سے فرصت کے کچھ لمحات نکال لیے۔'' وہ کھلکھلائی اور اریز کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اُس کی ریشمی زلفیں ہوا سے لہراتے ہوئے اریز کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔ وہ اجتناب برت رہا تھا ورنہ بیا کی ہوش ربا ادائیں گھائل کرنا بخوبی جانتی تھیں۔ مگر وہ بار بار ایک ادا سے زلفیں جھٹک کر اریز کے شانوں پر بکھیر دیتی تھی۔
''تم نے ٹھان رکھا ہے کہ میری جان مشکل میں رکھو گی۔'' اریز نے شانے جھٹکے تو وہ دلکشی سے مسکرا دی۔
''کیا کھاؤ گی۔'' اریز پوری طرح اُس کی طرف جھک گیا وہ حیران کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ وہ غیر محسوس طریقے سے اپنی سانسیں بیا کی سانسوں سے ٹکرا چکا تھا۔ خود غافل سا ہو کر مینیو کارڈ دیکھنے لگا۔ بیا پگھل رہی تھی۔ اپنی دھڑکنوں کی بے قراری پر حیران جبکہ وہ اپنی توجہ کا رُخ موڑ چکا تھا۔ اُس کا گھنے سیاہ بالوں والا سر جھکا ہوا تھا۔ مینیو کارڈ اریز کے ہاتھوں میں تھا اور بیا اُس کے ہاتھ دیکھ رہی تھی۔ مضبوط مردانہ ہاتھ سفید سنہری روئیں والے ہاتھ۔
''کیا کھاؤ گی؟'' اُس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا بیا کی توجہ کا ارتکاز بکھر گیا۔
''جو تم کھاؤ گے میں بھی کھالوں گی۔'' وہ کھانے پینے میں بہت نخریلی تھی اریز جانتا تھا۔
''رئیلی!'' اریز نے تعجب سے بیا کی براؤن آنکھوں میں جھانکا۔
''ہاں۔'' وہ ہونٹ بھینچ کر زور زور سے سر ہلانے لگی اس سمے وہ اریز کو بڑی معصوم لگی۔
وہ پل میں منظر بدلنے کی طاقت رکھتا تھا جیسے وقت اُس کے اختیار میں ہو اور وہ لمحوں میں زمانے کو اپنے سنگ باندھ سکتا تھا۔ ایک لمحے میں اُس نے ہنستی مسکراتی اتراتی لڑکی کے ہونٹوں پر چپ بٹھا دی تھی۔ سارے نخرے، ساری ادائیں اپنی موت آپ مر گئے تھے۔ اریز میں ایسا کیا جادو تھا کہ وہ اُس کے بدن کی ذرا سی تپش برداشت نہ کر سکی اُس کی لمحوں کی قربت نے سینے کے اندر کیسی آگ دہکا دی تھی۔ یہ کیا ہو گیا تھا وہ اتنی کمزور تو کبھی بھی نہیں تھی۔
کھانا آ چکا تھا مگر بیا ڈھنگ سے کب کھا رہی تھی۔ وہ لاتعلق سی بیٹھی تھی۔
''کھا کیوں نہیں رہی ہو جان، تمہیں تو بہت پسند ہے یہاں کا کھانا نہیں دل چاہ رہا تو کچھ اور منگوالو۔'' وہ اُس کے ساتھ خصوصی التفات برت رہا تھا توجہ وانہماک سے نواز رہا تھا۔
''نہیں دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ بے دلی سے بولی، اریز کی تو جان پر بن آئی۔
''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے نا جان، تم نازک بھی تو بہت ہو۔'' وہ فکر مندی سے بولا بیا کا روں رواں سماعت بن گیا۔ اتنا خیال تھا اسے میرا۔ اریز کی حدت بھری نظروں کے حصار میں بیا کی پلکیں لرز رہی تھیں۔ عارض تمتما اٹھے تھے اریز اُس کے چہرے کی تمام کیفیات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔
اریز چوہدری بیا کے اندر طوفان اُٹھا چکا تھا۔ اُس کا سکون متزلزل کر چکا تھا۔

''اریز مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' بہت دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔

''کس بات کا ڈر'' وہ مکمل محبت سے اُس کی طرف رُخ موڑ گیا۔

''تم سے بچھڑنے کا ڈر۔'' شدید جذبات کی یورش تھی یا وہ اندر سے ادھ موئی ہو رہی تھی کہ آنکھیں جلنے لگیں۔ گرم گرم کھولتے ہوئے آنسو رخساروں پر بہہ آئے تھے۔

''رومت تم سے بچھڑنے کا خیال بھی سوہانِ روح ہے بیا۔ آئی لو یُو مائی ڈیئر! سارے وسوسے، سارے خوف دل سے نکال دو۔ میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔'' اُس نے نرمی وحلاوت سے کہا اور بہت ملائمت سے بیا کے آنسو صاف کرنے لگا۔

''شیور......'' وہ تذبذب کا شکار تھی، اُسے آگے بڑھنے میں کوئی رکاوٹ کا سامنا تھا۔

''ہاں میری جان بے حد بے حساب محبت کرتا ہوں یقین محبت کی پہلی سیڑھی ہے یقین کر لو یا لوٹ جاؤ تمہاری مرضی، میں زبردستی کا قطعی قائل نہیں ہوں۔ محبت میں زور زبردستی ہوتی بھی نہیں ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو تمہارے سوا کسی اور کو اپنے خیال میں لانا بھی گناہ ہے تمہیں خیالوں میں بسایا ہے بیا تو میں اِن خیالوں اور خوابوں میں خیانت کا مرتکب کیسے ہو سکتا ہوں۔ میرا ہر جذبہ تمہاری امانت ہے، مجھے اُن فضاؤں سے محبت ہے جہاں تم سانس لیتی ہو۔ مجھے اُن جگہوں سے عقیدت ہے تم جہاں پاؤں رکھتی ہو۔ میں تمہارے ظاہر سے نہیں باطن سے محبت کرتا ہوں جان، میں تمہارا احترام کرتا ہوں۔'' بیا کا سر اریز کے شانے پر آن رکا۔

''میں بھی اریز محبت کرنے لگی ہوں۔ میری محبت کو گھن مت لگنے دینا، ہوس کا گھن، وہ آبدیدہ سی تھی۔

''میں ہوس پرست لوگوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ سر سبز پودوں کو، لہلہاتے گھنے درختوں کو گھن اس لیے کھا جاتا ہے کہ اُن کا خیال نہیں رکھا جاتا، بیا میں وعدہ نہیں کرتا مگر اتنا جان لو کہ بقول روسو جو شخص وعدہ کرنے سے جتنا گریز کرتا ہے وہ وعدے کا اتنا ہی زیادہ پابند ہوتا ہے۔''

''مجھے یقین ہے دل و جان سے کہ تم مجھے کبھی بھی خود سے الگ نہیں کرو گے ویسے بھی میرے بھیا کہتے ہیں کہ تم شہد جیسی مٹھاس رکھتی ہو، کوئی تمہاری محبت کا شہد ایک دفعہ چکھ لے تو اُس کا ذائقہ کبھی نہیں بھول پاتا۔'' بیا کا ہاتھ اریز کے سینے پر آن رُکا صبیح چہرے سے کرب و رنجیدگی کی لکیریں مٹنے لگیں، آنکھیں اور ہونٹ مسکرا اٹھے شاید یقین اعتماد کی ڈور تھام بیٹھے تھے۔

''اُس کی مردانہ وجاہت کی چہار سو دھوم ہے۔ اس کا چہرہ جیسے صبح ازل کا تعارف، اس کی آنکھوں میں جادو ہے، اس کی قامت دل کو چھو لیتی ہے۔ اس مرد کی مردانہ چال دل دھڑکاتی کتنی لڑکیاں اریز کی ہونے کے خواب دیکھتی ہوں گی۔ اُس کی آواز سحر انگیز ہے۔ مسحور کن اور یہ مرد میرا ہو گیا ہے، صرف میرا'' بیا پگلی دیوانی 'وجود' پر مرمٹی تھی اور اریز کو 'وجود' سے محبت کرنے سے روک رہی تھی۔ کیا ایسا ممکن تھا۔ وہ اُس کے شاندار سراپے پر مرمٹی تھی۔ پہلا وار ہی اریز کا سہہ نہیں پائی تھی ابھی تو اریز کے ترکش میں بہت تیر تھے۔ جنہیں وہ آہستہ آہستہ استعمال میں لانا چاہتا تھا مگر وہ تو بہت بودی، بہت عام سی نکلی ایک تپش بھری سانس سے ہی ڈھے گئی اریز۔ چوہدری با کمال تھا باہنر تھا مگر بیا ہمدانی نے اُسے کوئی داؤ پیچ کھیلنے کی زحمت سے بچا لیا تھا۔ وہ تو اچھے اچھوں کو آزمائش میں ڈال دیتا تھا۔ پھر بیا کیا چیز تھی مگر پھر بھی اریز کو

توقع نہیں تھی کہ بیا ہمدانی دوسری ملاقات میں ہی اس طرح فریفتہ ہوجائے گی وہ بھی بغیر محنت اور وقت برباد کیے ہی سب ہوتا چلا گیا۔

دوبارہ تازہ کھانا منگوایا گیا خوش گپیوں کے دوران ایک ہی پلیٹ میں دونوں نے کھائی۔

''میں سرتاپا محبت ہوں۔'' بیا نے اِک جذب سے آنکھیں موند کر کہا۔

''میں سرتاپا عاشق ہوں۔'' دونوں ہنسنے لگے۔

''تم حسن ہو لطافت ہو خوشبو کا مسکن ہو، تم میری جان ہو، میری ہو صرف میری۔''

''ہاں صرف تمہاری۔'' اک نزاکت بھری ادا سے بیا نے سر جھٹکا۔

''تمہارے لبوں کی تازگی اپنے اندر بہت دلکشی سموئے بیٹھی ہے۔'' وہ 'ظاہر' کی بات کر رہا تھا۔

''مجھے پتا ہے۔'' وہ کھلکھلائی۔

''مجھے لگتا ہے میں تمہارے سحر طراز چہرے کی شادابی کا شیدا ہو کر سب گنوا دوں گا ہوش و خرد سے بے گانہ ہو کر دیوانہ ہو جاؤں گا تم اور تمہارا ہونا سچائی ہے۔ باقی سب جھوٹ، ساری دنیا ہیچ لگنے لگی ایک ہی دن میں، کیا جادو کر دیا کیا سحر پھونک دیا۔'' بیا کے اندر باہر روشنی سی بھر گئی اُجالا ہو گیا۔

''شہد جیسی ہوں نا، مانتے ہونا۔'' اُس نے جانچتی نظروں سے ایسے وثوق سے کہا جیسے اُسے یقین ہو کہ وہ اُس کی بات سے نکار کر ہی نہیں سکتا انکار کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی وجہ۔

''ہاں مان لیا مگر چکھ کر ضرور دیکھوں گا کہ شہد جیسی ہو کہ نمک جیسی۔'' اریز کے بے ساختہ کہنے پر وہ پہلے شپٹائی پھر کھسیا گئی۔

''میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔'' وہ بوکھلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' اریز بھی ہم قدم ہوا۔ وہ مسلسل کن انکھیوں سے اُس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا وہ بخوبی آگاہ تھا کہ بیا کے ذہن میں متضاد قسم کی سوچیں ٹکرا رہی ہیں یعنی کہ وہ اُس کی 'چکھنے' والی بات پر ہچکچا رہی تھی۔

وہ گاڑی میں بیٹھی اریز کو ہاتھ 'بائے' کے انداز میں ہلایا جواباً اریز نے بھی ہاتھ کی تین انگلیاں ہلائی تھیں وہ کچھ دیر بیا ہمدانی کی جاتی ہوئی گاڑی کی پشت کو تکتا رہا۔

''آگ سے کھیلتی بھی ہے اور جل مرنے سے بھی ڈرتی ہے، ہونہہ اوور اسمارٹ، ڈپلومیٹک۔'' اُس نے اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بائیں ہاتھ کا مکا بنا کر مارا تھا اور اپنی پراڈو کی طرف قدم بڑھا دیے۔

☆......☆......☆

فاخرہ نے خالہ کی پریشانی میں صبا سے بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ابھی صبا کی کال آئی تھی۔

''اسلام وعلیکم! مما کیسی ہیں آپ۔''

''جی بیٹا ٹھیک ہوں، تم سناؤ سفر کیسا گزرا۔''

''بہت اچھا رہا سفر مما، ہم لوگ صبح سات آٹھ بجے پہنچ گئے تھے۔ میں فوری آپ کو خیریت سے مطلع کرنا چاہ رہی تھی مگر فریش ہونے اور ناشتے میں کافی وقت لگ گیا اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔ سوری مما مجھے ایسے لاپروائی نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' وہ بے تکان بولے گئی۔

''کوئی بات نہیں بیٹا، ہو جاتا ہے۔''

''مما کیا ہوا آپ اپنی بجھی بجھی سی کیوں ہیں۔''

صبا نے قیاس آرائی نہیں کی تھی۔ وہ اپنی مما کی خاموشی کو بھانپ گئی تھی اور اک دم سے صبا کے الفاظ میں فکرمندی گھل گئی اور میں لمحوں میں سنجیدہ ہوئی تھی۔

''بس بیٹا خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' فاخرہ آزردگی سے بولی۔

''ایسا کیا ہو گیا۔''

''بس بیٹا گم صم سی ہو گئی ہیں، کچھ بھی بات نہیں کر رہی ہیں نہ صبح سے کچھ کھایا پیا۔''

''ڈاکٹر کو بلوا لینا تھا۔''

''اپائنٹمنٹ لی ہے ڈاکٹر ہاشمی سے، شام چار بجے لے کر جاؤں گی۔''

''اوہ سیڈ، کاش میں نہ آئی ہوتی، اس وقت میں آپ کے پاس ہوتی، آپ خود کو اکیلا محسوس کر رہی ہوں گی۔'' اُسے 'صرف' فاخرہ کی فکر بھی خیال بھی تھا احساس بھی، فاخرہ کو ہمیشہ کی طرح اچھا لگا بہت اچھا لگا، ڈھیروں سکون دل کے پار اُتر گیا۔

''تم پریشان مت ہو صبا، بشیراں ہے نا، اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مما ریلیکس پلیز۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا صغریٰ سے بات کرواؤ۔'' فاخرہ نے صبا کی توجہ بٹانے کے لیے کہا تھا۔

''میں دیتی ہوں مما۔'' کچھ ثانیے بالکل خاموشی چھا گئی پھر صغریٰ کی آواز اُبھری تھی۔

''کتنے بجے تقریب ہے صغریٰ بہن۔'' دعا سلام کے بعد فاخرہ نے پوچھا۔

''شام پانچ یا چھ بجے کا وقت ہے ٹھیک سے پتا نہیں ہے۔''

''رات کی واپسی کو یقینی بناؤ خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور کچھ اُمید نظر نہیں آ رہی صغریٰ، اُن کا بدن بالکل بے جان ہوتا جا رہا ہے۔ تہجد کے وقت وہ بہت چیخیں، تڑپیں پھر ساکت ہو گئیں۔ اُن کی آنکھیں بند ہیں اور جسم زندگی کی حرارت چھوڑتا جا رہا ہے۔'' فاخرہ رو دی۔

''اللہ بہتر کرے گا پریشان نہ ہو۔''

''صبا کا خیال رکھنا اور جلدی لوٹ آؤ، مجھے کوئی اچھی امید نہیں ہے۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔''

''او کے رکھتی ہوں فی امان اللہ۔''

''فی امان اللہ۔''

''کس کا فون تھا۔'' بشیراں گیلے ہاتھ آنچل کے پلو سے صاف کرتی وہیں چلی آئی۔ فاخرہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا کر بیٹھی تھی چونک کر نگاہ اٹھائی، مضطرب سی پُرنم نگاہ۔

''صبا کا تھا۔''

''اچھا کیا کہہ رہی تھی۔''

''کچھ نہیں، خیریت سے پہنچنے کا بتا رہی تھی، سالن بن گیا کیا۔'' فاخرہ کا دل اُداس تھا بات کو طول دینے کو من مائل نہ ہوا تو بات ہی پلٹ دی۔

''جی آٹا بھی گوندھ لیا ہے، روٹیاں پکا لوں یا تنور سے لگوا لاؤں۔''

''جیسے تمہارا دل چاہے بشیراں۔'' بشیراں چپ چاپ پلٹ گئی۔

فاخرہ نے خالہ کے متعلق زمان کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ بتانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ اُلٹا پریشان ہو کر بیمار پڑ جاتا اِس لیے فاخرہ نے بتانے سے چھپانا زیادہ بہتر سمجھا تھا۔ فاخرہ خود پر ہی سب جھیل رہی تھی۔ بشیراں اور فاخرہ دو تھیں، اُن دونوں کو ایک وجود اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ بہت ہی دقتوں کے ساتھ اُن دونوں نے خالہ کو گاڑی میں ڈالا تھا۔ وہ رکشے میں جانے کے قابل نہیں تھی۔ اس کی ٹانگیں اُس کے وجود کا بوجھ اٹھانے سے انکاری ہو گئی تھیں۔

فاخرہ نے آنسوؤں کی دھند کے پار گلاس وال کو دیکھا جہاں ڈاکٹر ہاشمی خالہ کے مختلف ٹیسٹ لے رہے تھے۔ فاخرہ کا دل تکلیف میں تھا اور اُس کے دل کی تکلیف آنکھوں میں پھیل رہی تھی۔ اس کے دل میں کربناک وسوسے اور بے شمار اندیشے کسی سانپ کی طرح پھن پھیلائے کھڑے تھے۔ وہ اُن

کا سر کچلنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی مگر وہ حقیقت سے نظریں بھی تو نہیں چرا سکتی تھی۔ حقیقت کتنی بھی بھیانک اور سفاک کیوں نہ ہو اُس کا سامنا تو کھلی آنکھوں سے ہی کرنا چاہیے نا۔ وہ ساکن کھڑی تھی۔ دل میں یاسیت کا گہرا احساس لیے، نجانے کتنا وقت بہہ گیا تبھی ڈاکٹر ہاشمی نے فاخرہ جبیں کو پکارا تھا وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

''اُن کو فالج کا اٹیک ہوا ہے، شوگر بھی خطرناک حد تک لو ہے، وہ اپنی ول پاور استعمال کرنے کے قابل نہیں رہیں، کسی بھی مرض میں شفایابی کے لیے مریض کا ول پاور کا استعمال بے حد اہم کردار ادا کرتا ہے۔ آئی ایم سوری ٹو سے بٹ ان کی بہتری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں دعا کریں ان کو ان کے قریبی لوگوں سے ملوائیں جن سے مریضہ کو محبت ہو۔'' وہ کہہ کر جانے لگے۔

''مگر ڈاکٹر صاحب۔'' فاخرہ کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو چکی تھی پھر بھی وہ ہاتھ چھوڑ کر تو نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ وہ اپنی سی کوشش کرنا چاہ رہی تھی۔

''اگر مگر سے کیا ہوگا محترمہ، اِن کی تشویشناک بگڑی ہوئی حالت آپ کے سامنے ہے۔''

''آپ اُن کو ایڈمٹ کرلیں، اُن کا علاج کریں۔''

''ٹھیک ہے جیسے آپ کہیں، زیادہ بہتر ہوتا کہ آپ لوگ اُن کو گھر لے جاتیں۔''

''نہیں، یہاں اُن کی دیکھ بھال ہوگی، علاج ہوگا تو شاید......''

''ٹھیک ہے آپ ان کی رپورٹس دیکھ لیں۔ وہ اندر سے خالی ہو چکی ہیں بس زندہ لاش ہیں پھر بھی میں اُن کو ایڈمٹ کر لیتا ہوں۔''

''بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب۔''

''اِٹس او کے ویسے یہ آپ کی کون ہیں؟'' ڈاکٹر نے گلاس وال کے پار اشارہ کیا۔

''میری خالہ ہیں۔'' وہ مدھم سی آواز میں بولی۔

''اوہ اسی لیے آپ اتنی غم زدہ ہیں، ماں جیسی ہوتی ہے خالہ بھی۔''

''ماں جیسی خالہ۔'' فاخرہ تلخی سے ہنسی۔

☆......☆......☆

کوہِ نور ہال میں تقسیمِ انعامات کی تقریب کا انتظام تھا۔ بہت سے طلبہ و طالبات اُن کے ماں باپ کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔ کچھ مہمان مقامی تھے، کچھ شہر کی مشہور شخصیات بھی مدعو تھیں۔ بہت سارے مہمان آ چکے تھے۔ آہستہ آہستہ ہال بھرتا جا رہا تھا۔ بہت سی معزز ہستیاں انتظامی امور کو خوش اسلوبی سے سنبھال رہی تھیں۔ یہ محض اتفاق تھا کہ رحمان فرقان لوگ بھی 'پی سی' میں ہی ٹھہرے ہوئے تھے اور تقریب اور صبا زمان بھی 'پی سی' میں ہی تھے۔

اس وقت شام کا وقت تھا۔ رحمان سب کو ساتھ لے کر نکلا تھا۔ مینار پاکستان کی اونچائی پر کھڑے ہو کر عروہ، امن، فروا نے واؤ کہا تھا اُن کی پر جوش آواز گونجی تھی۔ آسمان جتنی بلندی پر کھڑے ہو کر نیچے جھانکنے کا اپنا ہی لطف تھا۔ لوگ چھوٹے چھوٹے بونے لگ رہے تھے۔ سڑکوں پر تیز رفتاری سے بھاگتی گاڑیاں کھلونا گاڑیاں لگ رہی تھیں۔ چکر آرہے تھے، سر گھومنے لگے مگر وہ تینوں بے تحاشا ہنستی ہوئی تا دیر وہیں کھڑی رہیں اور پھر جب احتشام ریان، ہنزلہ، حذیفہ کشتی میں بیٹھے تو جھیل کنارے جنگلے سے لگی کھڑی لڑکیاں عروہ، امن اور فروا دھڑکتے دلوں سے اُن کو تب تک ہاتھ ہلاتی رہیں، جب تک کشتی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی کیا حسین منظر تھا۔ کشتی کی وی کی شکل والی نوک فرنٹ سے پانی کے سینے میں آگے ہی آگے دھنستی تو پانی

بہت سی لہریں بن کر کشتی کے آگے بڑھنے کی راہیں ہموار کرتی۔ پیچھے رہ جانے والے پانی میں بہت سارے بھنور پڑتے، ابھرتے ڈوبتے۔

کچھ ہی دیر بعد کشتی واپس لوٹی تبھی اور عائشہ نے گہری سانس بھر کر طمانیت سے آنکھیں کھولیں۔ اُن کو اس پانی سے خوف آرہا تھا۔ شائیں شائیں کرتا پانی اُن کو تب تک ہولاتا رہا جب تک بچے واپس نہیں آگئے۔ پھر انہوں نے شام کے گہرے پڑتے سائے میں بھٹے کھائے تھے چبوترے پر بیٹھ کر، یوں ایک ساتھ گھومنا پھرنا اُن کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

بادشاہی مسجد، مقبرہ جہانگیر، باغ جانے کا فل پروگرام تھا پیچھے کے پائے بھی کھانے تھے۔

رحمان نے عروہ اور فروا کو گولڈ کے سیٹ دلوائے تھے، پھر نجانے کیا سوچ کر امن کو بھی اُن کے جیسا ہی گولڈ کا سیٹ دلوا دیا۔ عائشہ کو جلن تو بہت ہوئی مگر وہ بولی کچھ نہیں تھی۔

فرقان کو کوئی شدت سے یاد آیا۔ وہ بھی تو ایسے ہی سیٹ کی حقدار تھی، کون بھلا۔ صبا زمان۔ لڑکوں کو بھی کپڑے جوتے اور قیمتی کھلونے دلوائے تھے، سب شاد تھے مسرور تھے زندگی آسودہ تھی۔ اب سب لوگ گاڑی خریدنے کے لیے شوروم جارہے تھے ،فروا کی گاڑی لینے۔

☆......☆......☆

خوش و خرم جب سب لوگ ہوٹل واپس آئے تو وہاں کی انتظامیہ سے پتا چلا کہ کوہ نور ہال میں وزیر اعلیٰ پنجاب تشریف لائے ہیں اسی لیے ایسے حفاظتی انتظامات حکومت کی طرف سے 'پولیس' کی صورت کیے گئے ہیں۔ پولیس کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی وہ سب بھی کوہِ نور ہال میں بن بلائے مہمان کی صورت جا گھسے اور سب سے پیچھے کچھ نشستیں خالی تھیں اُن پر بیٹھ گئے۔ مقصد صرف وزیر اعلیٰ کا دیدار تھا۔ وزیر اعلیٰ نے بچوں کو پچاس ہزار نقد انعام اور کچھ شیلڈز دی تھیں۔ باری باری پوزیشن ہولڈرز کو بلوایا جاتا اُس کو سراہا جاتا۔ اُس کی قابلیت کی داد دی جاتی۔ بچے چند جملوں میں اظہارِ خیال کرتے اور بند لفافہ لے کر چلے جاتے، تبھی اُس کا نام پکارا گیا تھا۔ ہونہار طالبہ صبا زمان کا نام گونج اٹھا۔ پھر وہ پُراعتماد چال چلتی اسٹیج پر چلی آئی۔ بڑے سے سفید دوپٹے کے ہالے میں اُس کا معصوم دل نواز چہرہ دمک رہا تھا۔ پچھلی نشستوں میں ہلچل مچ گئی، مختلف دل مختلف کیفیات میں گھر گئے۔ اِک بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اُسے انعام دیا جارہا تھا۔ بہت سے دل حسد کی لپیٹ میں آگئے، ہر نظر میں ستائش تھی مگر کچھ نظروں میں قہر تھا غضب تھا۔

وزیر اعلیٰ نے پوزیشن ہولڈر بچوں کو تمام زندگی کی تعلیمی مراعات دینے کا اعلان کیا تھا۔ کوئی بچہ کسی بھی اسکول کالج پھر یونیورسٹی میں پڑھے خرچا حکومت کرے گی۔

وزیر اعلیٰ کی کوئی ضروری کال آگئی تھی وہ چلے گئے تو ہال میں ہاہو کی آوازیں گونجنے لگیں۔ لوگ جارہے تھے ہال خالی ہورہا تھا تبھی کوئی بہت تیزی سے چلتا ہوا صبا زمان کے پاس آن رکا۔

''بہت بہت مبارک ہو بیٹا۔'' فرقان نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

''آپ کون؟'' صبا اعتماد سے بولی۔

''مم، میں تمہارا چاچو فرقان ہوں۔'' فرقان کو جیسے ڈھیروں شرم آئی تھی۔ دل پاتال میں ڈوبا تھا۔ دونوں کے درمیان خاموشی آن بیٹھی پھر کئی ساعتیں چپکے سے کھسک گئیں۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے بہت دیر بعد وہ خود کو بولنے کے قابل کر پائی تھی۔

''بہت شکریہ۔'' وہ سر جھکا کر دھیمے لہجے میں

بولی۔ فرقان نے بازو پھیلائے صبا ذرا جھجکی پھر اُس کے سینے سے لگ گئی دونوں ہی رو رہے تھے۔

''بیٹا مجھے معاف کردو پلیز دل سے معاف کردو، میرے دل پر اُن جانا سا بوجھ ہے۔'' وہ بس روتی رہی سسکتی رہی، زندگی میں پہلی بار کوئی اُس کا اپنا اُسے گلے لگا رہا تھا۔

''صبا بیٹا مجھے معاف کردو۔'' اُس نے دوبارہ اپنے الفاظ دہرائے تھے۔

''نہیں چاچو ایسے مت کہیں، میں ناراض نہیں ہوں، آپ کا آنا، مجھ سے ملنا مجھے کتنی بڑی خوشی دے رہا ہے...... آپ نہیں جان سکتے کہ ہم کیسے ترسے ہیں 'اپنوں' کے لیے۔''

''بیٹا مجھے معاف کردو، تم بہت اچھی بیٹی ہو۔ قابل ہونہار منفرد اور مضبوط پُر اعتماد۔''

''چاچو آپ مجھے شرمندہ نہ کریں پلیز، آپ میرے بڑے ہیں۔ ایسے نہ کہیں مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔''

''بیٹا آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔'' تبھی لبنیٰ بھی قریب چلی آئی صبا نے فرقان کے سینے سے سر اٹھایا۔

''آپ لبنیٰ آنٹی ہیں نا، میں نے مما سے آپ کا ذکر سنا ہے۔''

''جی بیٹا میں اور فرقان کزن ہیں، یہ میری بیٹی امن اور یہ میرے بیٹے ہنزلا حذیفہ۔'' سب اُسے مبارک باد دینے لگے۔ آج اُسے اتنی جھولی بھر کے خوشیاں ملی تھیں کہ صبا زمان کو اپنا دامن تنگ لگ رہا تھا۔ اتنے سارے 'اپنے' مل گئے تھے۔

''ارے ضویا تم اور یہاں'' تبھی امن کی نظر ضویا پر پڑی، پھر نیہات پر جو پوری محویت سے امن کو تکے جا رہا تھا۔ وہ آج صبح سے خواب دیکھ رہا تھا خواہش کر رہا تھا کہ کاش امن بھی آجاتی اور ابھی وہ اپنی دعا

کی قبولیت پر شاداں و فرحاں امن کو نگاہوں کی گرفت میں لیے رہا۔

''میں اور نیہات بھائی صبا کے ساتھ آئے ہیں یہ میری مدر ہیں۔'' پھر یہیں سے تعارفی پروگرام شروع ہوگیا۔ امن نے اپنے بابا اور مما کا تعارف ضویا اور نیہات سے کروایا صبا کا چہرہ رویا رویا سا بہت معصوم لگ رہا تھا۔ لبنیٰ اور امن نے اُسے باری باری گلے لگایا فرقان صبا کو انعام دینا چاہ رہا تھا۔ ایسے میں امن نے اپنا گولڈ کا سیٹ پیش کر دیا جو ابھی شام میں خریدا گیا تھا۔

''بیٹا یہ آپ کا انعام......'' فرقان نے امن کو جیولری بکس تھمایا تو عائشہ کا کلیجہ جل بھن گیا۔ وہ تلملاتی ہوئی پاؤں پٹختی اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ رحمان میں بھی اب اس تازہ ترین پیدا شدہ محبت کے مظاہرے دیکھنے کی مزید سکت نہیں رہی تھی۔ پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔ خون دماغ میں ٹھوکریں مار مار کر بدحال کر رہا تھا، وہ جل جل کر بھسم ہو رہا تھا۔ یہاں وہ ہنگامہ نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ اس کا یا پلٹ پر سب کی ایسی کی تیسی کر دیتا۔ اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دماغ کی رگیں پھٹ رہی تھیں۔ وہ کھولتا ہوا دندناتا ہوا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بادل نخواستہ بچوں کو بھی ماں باپ کے پیچھے جانا پڑا ورنہ دل تو صبا کی طرف کھینچ رہا تھا۔ منہ کے زاویے بگاڑتی عروہ اور فروا بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھیں۔ مگر بابا کی حالت کے پیش نظر وہ مجبور تھیں۔

''چاچو آپ مجھے مل گئے اس سے بڑا انعام کوئی نہیں ہے۔'' صبا پھر رو دی۔

''بیٹا جب کوئی اچھا کام کرتا ہے تو صلے کے طور پر خوش ہو کر انعام دیا جاتا ہے۔''

''چاچو بہت شکریہ، یہ آنٹی صغریٰ میری مما کی بہن بنی ہوئی ہیں۔ دراصل مما نے خود میرے ساتھ آنا تھا مگر دادو اور بابا کی وجہ سے نہیں آئیں۔ ایسے میں آنٹی صغریٰ نہ ہوتیں تو شاید میں نہ آپاتی۔'' صبا کی بات پر فرقان بہت شرمندہ ہوا اُسے اپنی غفلت اور لاپروائی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا صبا اور اس کے بہن بھائیوں کی خبر گیری کرنا اُس کا فرض تھا مگر نام نہاد انا میں جکڑ کر وہ اتنی دوریاں پیدا کر چکے تھے کہ آج خون کے ساتھ بس ندامت گردش کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات گیارہ بجے صبا لوگ واپس چلے گئے تھے۔

رات بارہ بجے کے قریب رحمان فرقان کے کمرے میں آیا تھا۔ خوب لعنت ملامت کرتا رہا بولتا رہا بولتا رہا۔ نشتر زنی کرتا رہا، چلاتا رہا فرقان چپ سادھے بیٹھا رہا۔ اُس کے لب باہم پیوست تھے وہ کسی نادیدہ نقطے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

''ابھی وہ جس نیہات نامی لڑکے کے ساتھ آئی تھی بتا سکتے ہو وہ کون تھا۔'' رحمان دھاڑا۔

''امن اور عروہ کے کالج میں اِن سے سینئر ہے بہت اچھا نفیس سا لڑکا ہے۔''

''یہ میرا سوال نہیں تھا۔'' رحمان نے خشک لہجے میں کہا دوسری جانب لمحہ بھر کو سکون سا طاری ہوا۔

''اُس لڑکے کی اکیڈمی میں صبا پڑھتی ہے، اُس لڑکے کی ماں بھی تھی ساتھ۔''

''جیسی ماں ویسی بیٹی، یار ہے وہ اُس کا، سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر گلچھرے اڑاتی پھر رہی ہے۔'' اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر ڈالے۔ اُس کا مومی دل کسی تیز شعلے پر ٹھہرا ہوا تھا، قطرہ قطرہ، لہو کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

''چپ کر جاؤ رحمان خدا کے قہر سے ڈرو، بس کر دو اب، اُن کو اُن کے حصے کی زندگی جی لینے دو۔ اگر خدا نے ہم سب کی چمکتی دمکتی قسمتیں لکھی ہیں تو

کچھ تو اُن کے بخت میں بھی لکھا ہی ہوگا۔ خدا کے لیے رحم کرو اُن کی زندگیوں سے مت کھیلو بہت ہوگیا خدا کے لیے۔'' فرقان دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ بہت زور زور سے بولنے کی وجہ سے اُس کا بدن لرز رہا تھا۔ شدتِ غم سے فرقان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

''تم آج کے بعد اُس حرافہ لڑکی......''

''بس رحمان چپ ہو جاؤ۔ حوصلہ نہیں ہے مجھ میں، ہمت نہیں ہے صبا کے بارے میں ایسے الفاظ سننے کی اور سہنے کی۔'' فرقان نے ملتجی لہجے میں کہا تو رحمان نے حقارت سے ہنکارا بھرا۔

''بڑی محبت جاگ پڑی ہے تمہارے دل میں اُس کے لیے۔ جانتے بھی ہو کہ مجھے اُس عورت سے کتنی نفرت ہے جس کی وہ بیٹی ہے۔ میں فاخرہ کو بھوبھل ہوتا، بھسم ہوتا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' رحمان سانپ کی طرح پھنکارا وہ اتنے تنفر، اتنی بے اعتنائی و لاتعلقی سے بات کر رہا تھا کہ جیسے صبا سے اُس کا کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔

''مجھے نہیں پتا کہ مجھے فاخرہ سے نفرت ہے کہ نہیں مگر رحمان صبا سے محبت فطری ہے وہ بھی ہماری بیٹی ہے۔ ہمارا خون ہے۔ ہمارے بڑے بھائی کی بیٹی ہے۔'' فرقان کی آواز بھرا گئی۔ لبنیٰ اور بچے چپ خاموش تماشائی بنے بیٹھے تھے۔ کیا کہہ سکتے تھے۔ ساری زندگی فرقان، رحمان کے زیرِ اثر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے تم محبت نبھاؤ اُن سے، آج کے بعد ہمارا ملنا جلنا ختم، تمہارا میرا کوئی رشتہ نہیں۔'' وہ گھمنڈ کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا پے در پے غلطیاں کر رہا تھا۔ سدھارو وہ چاہتا ہی نہیں تھا۔

''رحمان میرے بھائی بس کردو۔ نفرت سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا، وہ ہماری بیٹی ہے آج اتنے لوگوں کے سامنے ہمارا سر فخر سے بلند ہوگیا کہ وہ ہماری بچی ہے۔ اُسے اپنا لو رحمان، ہم نے اُن کی بہت تلفی کی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے، ہم ازالہ کر سکتے ہیں اپنی خطاؤں کا، اپنی دانستہ کی گئی زیادتیوں کا کفارہ ادا کر سکتے ہیں۔'' فرقان نے رحمان کا بازو چھوا تو رحمان نے اُس کا بازو اشتعال سے جھٹک دیا اور تیکھی نظروں سے فرقان کو دیکھا۔ سرد مہری اور رکھائی اس کے ہر ہر انداز سے عیاں تھی۔ فرقان کا ضبط تنکا تنکا بکھرتا جا رہا تھا اُس کے دماغ کی نسیں کھنچ گئی تھیں۔

''سوچو رحمان اگر وہ تمہاری بیٹی ہوتی۔''

''ایسی بیٹی مجھے نہیں چاہیے جو ایسی اخلاق سے گری حرکتیں کرتی پھر رہی ہے۔ خدا کی پناہ فاخرہ کی بیٹی ہے بے حیا تو ہوگی نا، ایسی میری بیٹی ہوتی تو میں اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دیتا۔ زمین میں زندہ گاڑ دیتا۔'' نفرت میں وہ بکے جا رہا تھا۔

''رحمان تم بڑے بول بول رہے ہو۔ اللہ سے معافی مانگو، خدا کے خوف سے ڈرو۔ اس عورت کی آہ سے ڈرو! تم اسے ساری زندگی ذلیل کرتے رہے اور وہ سہتی رہی...... جبر و ظلم کو ہر الزام کو صبر کے ساتھ اپنی جان پر جھیلتی رہی۔ کیا اُس کا گناہ اتنا بڑا تھا۔ کیا ہم اسے سزا دینے کا حق رکھتے تھے۔ اُس نے جو بھی کیا ہوگا وہ اُس کا اپنا عمل تھا مگر کیا زمان بھائی جیسے شخص کے ساتھ اُس کی شادی ظلم نہیں تھی۔ ہم نے کیا کیا آج تک اپنے بھائی کے لیے۔ مجھے بہت دکھ ہے کہ ہم نے اُن بچوں کا خیال نہیں رکھا، اُن کے سر پر دستِ شفقت نہیں رکھا۔ کیا اُن کے اندر بچپن سے محرومیاں نہیں پلی ہوں گی۔ ہمارے ظلم کی حد دیکھو اور اُس عورت کے صبر کی، جو اپنی اولاد کو بھی پالتی رہی زمان بھائی کو بھی سنبھالا اور ہم نے کیا کیا۔ اپنی ماں کی ذمہ داری سے بھی منہ موڑا۔ اماں کی ذمہ داری بھی اُسی پر ڈال دی۔''

''اماں خود بھی زمان کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔

بہت لاڈلا ہے اماں کا نا۔'' رحمان طنزیہ بولا۔

''مان لو رحمان کے ہمارا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے کہ ہم اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو مان کر اُن کا اعتراف کرسکیں اور پھر نادم ہوکر مداوا کرنے کا سوچیں۔ مان لو رحمان کے ہماری بیویاں زمان کو بوجھ سمجھتی تھیں۔ ہم نے وہ بوجھ فاخرہ کے گلے لگا دیا اور اماں کی کڑوی کسیلی سُن کر عائشہ بھابی اُن کو دو منٹ میں بے عزت کرڈالتی تھیں۔ سب کچھ مان لو، ہم نے اپنے گھروں میں سکون رکھنے کے لیے اماں کا بوجھ بھی اُسی پر لاد دیا۔ ہم نے طنز کیے نفرت کی الزام لگائے، بہت کچھ کیا مگر خبر گیری نہیں کی۔ آخر کب تک ہم اُس عورت کی ہمت کو ڈھال بنا کر اپنی پسند کا شکار کھیلتے رہیں گے۔ تم دھوکے باز ہو، ظالم ہو، مفاد پرست ہو، مجبوریوں کی ساری گھنٹیاں اُس کے گھر میں باندھ کر خود شانت ہوگئے، تمہیں خدا سے ڈر کیوں نہیں لگتا رحمان۔ خدا دیکھ رہا ہے سب۔'' بولتے بولتے اُس کا گلا خشک ہوگیا وہ اپنی ہتھیلیاں مَسل رہا تھا، رو رہا تھا۔ اُس کا تنفس تیز تھا۔

''سارے بوجھ اُسی پر ڈال دیے اور اُس کے بوجھ کا کچھ سوچا ہی نہیں۔ جس پر بیتے جو اپنی اپنی جان پر سہے دن رات کے چرکے، اور وہ واویلا بھی نہ کرے تو بتاؤ اس کے درد کی کوئی انتہا ہوسکتی ہے۔ میں بھی ظالم ہوں کیونکہ میں نے تمہارا ساتھ دیا۔ میں بہت نادم ہوں۔ اب اُن کے ساتھ کھڑا پاؤ گے تم مجھے۔ تم نے اُن کا حق مارا اسی لیے آج تم اتنی شاہانہ زندگی گزار رہے ہو۔ کسی کا حق کھا رہے ہو۔ ورنہ تم بھی میری طرح ہوتے کسی جنرل اسٹور کے مالک......''

''بکواس بند کرو، کرلو جو کرسکتے ہو۔'' رحمان لڑنے مرنے پر اتر آیا پھر بہت تو تو میں میں ہوتی رہی۔ کمرے میں سب نفوس خاموش تھے۔ اُن کی مدھم سانسیں بھی کانپ رہی تھیں۔

اور پھر اُسی رات فرقان بھی اپنی فیملی کے ساتھ واپس آگیا بہاولپور، وہ اگلا دن وہاں رحمان کے ساتھ نہیں گزارنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

رحمان کسی کے ساتھ مل کر کوئی نیا کاروبار ترتیب دے رہا تھا۔ آج بھی اُسے کسی سے ملنے جانا تھا اس لیے وہ کچھ کھائے پیے بنا ہی نکل گیا تھا سب افراد بے سدھ سوئے ہوئے تھے۔ ویسے بھی اِن نحوست ماروں کو مردوں سے شرط باندھ کر سونے کی عادت تھی۔ فروا کی آنکھ سیل فون کی مسلسل بجتی بیل سے کھلی تھی۔ اُس نے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا اریز تھا۔ خوشی سے اُس کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ وہ کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آگئی۔

''ہیلو کیسی ہو ظالم!'' اریز نے چھوٹتے ہی کہا۔

''نہ دعا نہ سلام، دل جلے عاشق بنے بیٹھے ہو۔''

''مجھے چھوڑ کر آگئی تو جلے دل کے پھپھولے تو پھوڑوں گا ہی، اچھا کیسی ہو۔''

''مزے میں ہوں۔'' وہ کھلکھلائی۔

''اور میں بے چارہ آہیں بھر بھر کے دو دن سے آدھا رہ گیا ہوں مگر تمہیں کوئی پروا بھی نہیں۔'' وہ بسورا۔

''پروا ہے یار، ایسے ہی مذاق کر رہی تھی۔''

''اچھا یہ بتاؤ تم نے گاڑی لے لی۔''

''ہاں کل شام بابا نے مجھے مرسڈیز لے کر دی ہے۔ عروہ کہتی رہی فراری لے لو مگر مجھے مرسڈیز دیکھنے میں زیادہ اچھی لگتی ہے اس لیے۔''

''واؤ بہت بہت مبارک ہو۔'' وہ خوش تھا خوش لگ بھی رہا تھا۔

''بہت بہت مہربانی آپ کی جنابِ والا۔'' وہ چہکی۔

''تمہاری ہر خوشی میری بھی تو ہے جان۔'' اریز نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''ہاں یہ تو ہے نو ڈاؤٹ۔''

''اچھا ذرا گیس کرو تمہارا اریز اس وقت کہاں ہے۔'' اُس نے تجسس پھیلایا۔

''اپنے بیڈروم میں۔''

''اوں، اوں، نہیں۔''

''پھر......''

''میں اپنی جان کے لیے اتنا اُداس ہوا کہ لاہور آ گیا۔ رات لیٹ پہنچا تھا اس لیے بتایا نہیں۔''

''رئیلی...... آر یو شیو......''

''ہاں اور اس وقت مال روڈ پر ہوں، مجھ سے ملو جان، اپنا دیدار کرا دو۔ باہر آؤ۔''

''مگر اریز......''

''اگر مگر کچھ نہیں بس آ جاؤ۔'' فروا نے ایک نظر اپنے شکن آلود لباس پر ڈالی اور ہاتھوں سے شکنیں درست کرتی کمرے میں گئی، گاڑی کی چابی اٹھائی اور ہاتھوں سے اپنے بال درست کرتی پرس اُٹھا کر باہر نکلی۔ پارکنگ میں گاڑی نکالتے ہوئے ایک خیال فروا کو ہواؤں میں اُڑا رہا تھا۔

''اریز مجھے اتنا زیادہ چاہتا ہے کہ رہ نہیں پایا میرے بغیر، میرے پیچھے یہاں تک آ گیا۔'' اُس کے کنوارے بدن میں پرتپش کیفیت ابھرنے لگی، زعم بھری سرشاری۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے قدم زمین پر ٹک ہی نہیں پا رہے۔ وہ فضاؤں میں کہیں اُڑتی جھومتی پھر رہی ہے۔

''کہاں پر ہو۔'' فروا نے گیٹ سے نکل کر میسج کیا۔

''سامنے دیکھو۔'' فوری ریپلائی آیا۔ وہ چند فرلانگ کے فاصلے پر ہی کھڑا تھا۔ فروا کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ نک سک سے درست، بہت چارمنگ لگ رہا تھا۔ فروا نے اپنے ملگجے سے لباس پر نظر کی جو شکن آلود تھا۔ اُسے عجیب سی کوفت ہوئی۔ آہستہ سے گاڑی روک کر ہاتھ بڑھا کر اُس نے فرنٹ ڈور کھولا خوشبوؤں میں بسا اریز اُس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' اریز نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔

''خود اتنا تیار شیار ہو کر آئے ہو اور مجھے منہ بھی نہیں دھونے دیا۔ ماسی لگ رہی ہوں۔'' فروا نے خفگی سے منہ بسور کر کہا اور اپنا ہاتھ اریز کے ہاتھ سے چھڑا کر اُس کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے۔

''بدتمیز جنگلی حسینہ، سارے بال خراب کر دیے۔'' وہ مصنوعی خفگی سے اپنے بال چھڑانے لگا۔

''اچھا موڈ ٹھیک کرو، پوری شہزادی لگ رہی ہو مجھے، ڈونٹ وری کپڑوں کا غم نہ کرو تم ہر حال میں ہر وقت اچھی لگتی ہو، ایسے ہی تو میں تمہارے پیچھے کھنچا نہیں آیا جان۔'' اب پھر فروا کا ہاتھ اریز کے ہاتھوں میں دبا تھا جسے وہ گرم جوشی سے دبا رہا تھا تبھی اُس کا ہاتھ اُس کی گولڈ رنگ پر رک گیا۔

''یہ کب لی، بہت جدید اور نفیس ڈیزائن ہے۔''

''گولڈ کا پورا سیٹ دلوایا ہے کل بابا نے، ہم تینوں کو۔''

''واؤ گڈ مگر تین کون۔'' اب وہ رنگ کو فروا کی انگلی میں گھما رہا تھا ملائم گورے ہاتھوں میں اچھی بھی بہت لگ رہی تھی۔

''میں میری بہن عروہ اور چاچو کی بیٹی امن کو۔''

''اُسے کیوں دلایا سیٹ۔''

''فرقان چاچو کے مالی حالات کچھ اتنے خاص نہیں ہیں اس لیے جب بابا نے ہم دونوں بہنوں کو شاپنگ کروائی تو اُن کے بچوں کو بھی کروا دی۔''

''اوہ اچھا، اتنے دیالو ہیں کیا تمہارے بابا۔''

ہاں، بابا کے پاس کون سا روپے پیسے کی کوئی کمی ہے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں کے مالک ہیں اور بزنس مائنڈ رکھتے ہیں۔ بہت سارے کاروبار شروع کرر کھے ہیں انہوں نے۔ ہر مہینے لاکھوں میں کرایا آتا ہے دکانوں کا۔'' فروا بہت فخر سے بتا رہی تھی۔

''اور پتا ہے امن کے بابا نے کیا کیا۔''
''نہیں پتا۔'' اریز نے شرارت سے سر نفی میں ہلا دیا۔
''میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ احتشام کو بابا نے مارا کیونکہ وہ فیل ہوگیا تھا۔'' اریز اندر سے کھولنے لگا اُس کے دل میں شدت سے خواہش جاگی کہ اس لڑکی کو اُٹھا کر گاڑی سے باہر پھینک دوں مگر لڑکی کو عزت اور اہمیت کے ساتھ محبت دو تب ہاتھ آتی ہے۔ یاد آگیا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ چپکالی۔
''ہاں جان یاد ہے مجھے، تمہارے گداز ہونٹوں سے نکلی ہر بات دل پر لکھی ہے۔'' وہ کھسک کر پاس ہوا۔
''میرے تایا زمان کی بیٹی نے بورڈ میں فرسٹ پوزیشن لی تھی اور آج اُسی سلسلے میں یہاں تقریب تھی صبا زمان بھی آئی ہوئی تھی۔ وزیر اعلیٰ نے سب پوزیشن ہولڈرز کو نقد رقم دی اور ایسے میں فرقان چاچو بہت جذباتی ہوکر صبا سے ملے اور معافیاں مانگنے لگے اور امن کا گولڈ کا سیٹ انعام کے طور پر صبا کو دے دیا۔ بابا بہت ناراض ہیں چاچو فرقان سے۔'' فروا آج اپنے خاندان کا تعارف کروانے پر تلی ہوئی تھی اور وہ دل ہی دل میں تلملاتا سلگتا رہا۔ وہ ساری بات سناتی رہی۔ فاخرہ کے بائیکاٹ کے متعلق زمان کے اندھے پن کا اپنے بابا کی ناپسندیدگی ونفرت کا، وہ بے دلی سے ہوں ہاں کرتا رہا۔ انہوں نے چمن کی آئس کریم کھائی پھر ایک ہوٹل سے ناشتا کیا، بہت گھوما بلاوجہ۔
''اب میرے گھر چلتے ہیں۔''
''لاہور میں بھی تمہارا گھر ہے کیا۔ واؤ کیا بات ہے، لاہور میں گھر بنانا میرا ابھی خواب ہے۔''
''میرا گھر بھی تو تمہارا ہی ہے یوں سمجھو تم اس وقت اپنے گھر جا رہی ہو، اپنے گھر کی مالکن بن کر اور میرے پاس تمہارے لیے زبردست سرپرائز بھی ہے۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔
''کیا...... بتاؤ بتاؤ۔'' وہ چمکتی آنکھوں سے پرجوش انداز میں بولی۔
''او میری باربی ڈول اگر بتادیا تو سرپرائز تو نہ رہا۔''
''کدھر جانا ہے۔''
''گلبرگ اس طرف گاڑی موڑو۔'' وہ اُسے راستہ بتاتا رہا۔ گاڑی ایک محل نما گھر میں داخل ہوئی تھی۔ وہ یک ٹک اپنے اطراف میں دیکھے جا رہی تھی۔
''اتنا شاندار گھر، میرے خوابوں کا محل۔'' وہ سفید سنگ مرمر کی روش پر ہی ٹک گئی اُس کی آنکھیں مارے خوشی کے پھٹ پڑیں وہ محویت سے اس گھر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ وثوق سے کہہ سکتی تھی کہ ایسا گھر اُس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔
''چلو یار رُک کیوں گئیں۔'' اریز نے اُس کے شانوں کے اطراف اپنا بازو پھیلایا اور ساتھ لگائے کمرے میں لے آیا۔ اُسے بیڈ پر بٹھا کر خود الماری میں کچھ ڈھونڈنے لگا۔
''یہ سوٹ میں تمہارے لیے لے کر آیا ہوں اپنی پسند سے، تمہیں میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے لازمی پہننا ہے۔ ورنہ میں ناراض ہوجاؤں گا اور پھر بھلے لاکھ منانا مگر نہیں مانوں گا۔'' وہ یک دم سنجیدہ ہوگیا تھا۔ فروا نے جلدی سے لباس کی پیکنگ کھولی تو دنگ رہ گئی۔
''اریز کیا ہوگیا ہے۔ یہ کیسا لباس ہے جو تم نے میرے لیے خریدا ہے۔ سوری میں یہ نہیں پہن سکتی۔'' فروا نے قطعیت سے کہا اور وہ کپڑے پرے پھینک دیے۔ ریشمی ذرا سا ڈارک میرون ٹاپ اور شارٹ تھا جیسے انڈین اداکارائیں پہنتی ہیں۔
''پلیز میری جان میری خوشی کے لیے۔'' اریز منمناتے ہوئے بولا۔ بہت ہی ملتجی لب ولہجہ تھا۔
''میں نے ایسا لباس کبھی نہیں پہنا، مجھے عجیب سی جھجک ہورہی ہے اریز، تم بات کو سمجھو۔''
''اس کمرے میں صرف تم ہو اور میں، کوئی تیسرا

تو نہیں ہے۔"

"مجھے شرم آ رہی ہے اریز۔" فروا اب پھر وہی نیم برہنہ سالباس اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی یعنی یہ بات اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ وہ نیم رضامند تھی اور اُسے پوری طرح راضی کرنا اریز کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ تھوڑی سی تگ و دو کرنا پڑتی، ذراسی خوشامد ذراسی خفگی، فروا اس کی ہر بات مانتی تھی۔ ہر لڑکی اپنے محبوب کی ہر بات مانتی ہے، ماننی بھی چاہیے مگر جائز بات، مگر وہ اریز چوہدری تھا جسے چھا جانے کا فن آتا تھا۔ جو لڑکی کے اعصابوں پر حاوی ہونے کے ہنر میں طاق تھا۔

"چلو یہ واش روم ہے فریش ہو کر چینج کرلو۔" کافی سر کھپانا پڑا تھا بہر حال مان گئی تھی۔

اریز دوسرے کمرے میں چلا گیا اور فروا واش روم میں گھس گئی۔ جدید طرز کا بنا واش روم جس میں ہر چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، ہر چیز صاف شفاف تھی۔ ایک تازگی کا احساس فروا کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ گولائی میں بنا ٹب اور اس کے اندر سے جھانکتی سفید سنگ مرمر کی دلکشی و رعنائی، ہر چیز فروا کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ فروا غیر محسوس انداز میں جیسے لپک رہی تھی، شریر ہو رہی تھی۔ پھر اُس نے فریش ہونے کے لیے شاور کی بجائے ٹب کا انتخاب کیا تھا۔

فروا نے جب اریز کا پسندیدہ ڈریس پہنا تو وہ اپنے ہی وجود میں سمٹنے لگی۔ اُسے ٹوٹ کر شرم آئی، اُس کے سامنے قد آدم آئینہ تھا اور فروا آئینے سے نظریں چرا رہی تھی۔

اِس نے بال سلجھا کر پشت پر کھلے چھوڑ دیے۔ فروہ نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھا کر آئینے کی نظروں سے ملائیں، گورے دودھیا بازو ننگے تھے، چمکتی ہوئی جلد، فروہ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے بازوؤں پر پھیرے، نرم و ملائم ریشمی سی گرفت میں وہ خود کو چھپانے لگی۔

فروا ڈریسنگ روم سے باہر نکلی تو اریز کو اپنا منتظر پایا اریز کی نظریں فروہ کے سحر طراز چہرے سے ہوتی ہوئی اس کے دلکش سراپے میں ٹک گئیں، توجہ و مرعوبیت کا بھرپور ارتکاز' فروا بے ساختہ نظریں جھکا گئی اور جیسے نادانستہ خود کو خود میں چھپانے لگی، اریز اُس کی اس ادا کو دیکھ کر ہنسا۔

"بہت ہاٹ لگ رہی ہو جان۔" اریز نے فروہ کی کمر میں بازو ڈالا وہ کسمسائی۔

"اُف خود کو جان تم نے اپنے اریز سے اتنا چھپا چھپا کر کیوں رکھا۔" اب اُس کے دونوں ہاتھ فروا کی کمر کے گرد حمائل ہو کر اُس کے جسم پر سرسرانے لگے تھے فروہ کا دل اتنی زور سے دھڑکا گویا پسلیاں توڑ ڈالے گا۔ وہ اپنے آپ کو چھڑا رہی تھی یا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس کے اندر احتجاج تھا نازک سا کمزور سا، جو اُسے مزاحمت کرنے پر اُکسا رہا تھا۔

وہ بدک گئی اور بھرپور اشتعال سے ایک ہی جھٹکے سے الگ ہو کر دور ہو گئی۔

"دقیانوسی، شہزادی۔" وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ فروا کا چہرہ تپ رہا تھا۔ ایک سنسناہٹ سی سلگتی آنچ کوئی تپش تھی کہ حد نہیں، وہ بدحواس ہو کر بوکھلا رہی تھی، گھبرا رہی تھی۔ مگر اُسے کچھ اچھا بھی لگ رہا تھا، پُر لطف، سحر انگیز، مقناطیسی کشش تھی اریز کی قربت میں اُس کا بدن دہک دہک کر بھاپ چھوڑ رہا تھا۔

"فروا کے اندر اتنی گھٹن ہو رہی تھی کہ وہ آگے بڑھی اور اس نے کمرے کی گلاس ونڈو کے آگے لٹکتے دبیز پردے سرکا دیے تاحد نظر سبزہ ہی سبزہ واہ کیا منظر تھا، گول ستونوں والے پورٹیکو کے گرد بھی خوب صورت بیلیں لپٹی اپنی مانگ بڑھا رہی تھیں۔ لان ملکی و غیر ملکی پھولوں سے بھرا اپنے مکینوں کی پسند اور

ذوق کو ظاہر کر رہا تھا۔ دیکھنے والی نگاہ کو خیرہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔

فروا بھی اب شاداب دل کے ساتھ آنکھوں میں شوق کا جہان بسائے ہریالی، درخت، درختوں کے اطراف گھومتے رنگ برنگے طوطے' چڑیوں کو محویت سے دیکھے جارہی تھی۔

''سرپرائز تیار ہے۔'' اریز کب آیا فروا انجان تھی۔

''اچھا، دکھاؤ کیا ہے اور مجھے اجازت دو تا کہ میں یہ بے ہودہ لباس اُتار پھینکوں۔''

''لباس اُتار پھینکنے کا نادر موقع آپ کو ضرور دیا جائے گا ملکہ عالیہ۔'' وہ ذومعنی لہجے میں بولا۔ اریز نے فروا کے چہرے کی تمام تر نرماہٹوں کو جی بھر کر دیکھا۔ روپہلی جوانی کا بانکپن اس کی ہوش ربا اداؤں کے تال میل سے اس کے دلربا نقوش کو جلا بخشتا تھا۔

نازک لب، کانچ سی آنکھیں، صراحی دار فخر سی تنی دودھیا گردن، مناسب قد و قامت مگر قیامت خیز فگر نازک سے لبوں پر چمکتی لکیریں، کچھ بھی تو نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ ہر ادا قاتلانہ ہر انداز شاہانہ۔

''آجاؤ دوسرے کمرے میں۔''

''تمہارا لان بہت خوبصورت ہے دل کرتا ہے دیکھتی رہوں۔'' فروا نے اریز کی بات سنی اَن سنی کر دی تھی اور ہاتھ بڑھا کر گلاس ونڈو ہٹا دی۔ ٹھنڈی ہوا اپنے ساتھ نمی سمیٹ لائی۔

مغرب کی جانب سے بہت تیزی کے ساتھ بادل کے ٹکڑے پورے آسمان کو ڈھانپتے جارہے تھے فروا کی زلفیں اِدھر اُدھر بکھرنے لگیں دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا شور بڑھنے لگا۔ ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز اُبھری اگلے ہی لمحے بوندیں گلاس ونڈو پر گریں اور پھسلنے لگیں۔

وہ دونوں ساتھ کھڑے تھے۔ خود فراموشی کا عالم تھا جبھی فروا کو پھر اپنی کمر پر دھیرے دھیرے سرکتی نرم پوروں کے لمس کا احساس ہوا تھا۔ اس بار اُس نے اور زیادہ غصے سے اریز کا ہاتھ جھٹکا تھا۔ موسم کی سحر انگیزی کا سارا نشہ ہرن ہو گیا جوش و خروش مدھم پڑ گیا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو سویٹی۔'' اریز نے فروا کا بڑھایا ہوا فاصلہ پھر گھٹا دیا۔

''تم بار بار مجھے کیوں چھوتے ہو۔'' وہ ہراساں سی فق چہرے کے ساتھ بولی۔

''تمہارے بال بہت خوب صورت ہیں چھو کر اندازہ کر رہا تھا کہ بالوں کی گھٹاؤں میں کتنی نرماہٹ ہے۔'' اریز شہد آگیں لہجے میں بولا۔ خمار آلود سانسیں بھرتا وہ اتنا قریب کھڑا تھا کہ یہ فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لہجے کا مسحور کن بھاری پن فروا کو حواس باختہ کر گیا۔

''ڈرنے کی کیا بات ہے جان، میں کوئی غیر ہوں پگلی، تم تو میری محبت ہو، تم کوئی بے مایہ اور ارزاں ہستی ہو جسے میں پامال ہونے دوں گا۔ تم تو میری عزت ہو۔ اریز چوہدری کی ہونے والی بیوی۔'' اریز نے پینترا بدلا۔ مجبوری تھی اُس کی کہ وہ جبر نہیں کر سکتا تھا۔ اریز نے گلاس ونڈو بند کرنی چاہی فروا نے دیکھا اُس پار سرسبز گھاس پر ہلکی ہلکی بوندا باندی نے سماں باندھ رکھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مخملیں گھاس پر کرسٹل کے موتی بکھر رہے ہوں۔

اریز نے اُس کا ہاتھ پکڑا دوسرے کمرے میں فروا کی سالگرہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ گلاب کے پھولوں سے کمرے کی سجاوٹ کی گئی تھی۔ لاہور کی بہت اچھی بیکری سے کیک خریدا گیا تھا۔ یہ محبت کا اظہار تھا۔ بنت حوا کو ابنِ آدم نے چار اڈالا تھا اور بنتِ حوا سدا کی محبت میں لٹ جانے والی لٹ گئی، تنہائی تھی دو دھڑکتے دل تھے اور کوئی تیسرا بھی تھا جو اُن کے تن بدن میں پُر لطف و لذت بھرے شرارے و انگارے سمو رہا تھا۔

وہ کون تھا جی ہاں شیطان۔ وہ شیطان جو اریز چوہدری کا ساتھی تھا، سنگی تھا اور دو شیطان اس وقت مل کر حوا کی بیٹی کو بہکا چکے تھے۔

تین سے چار گھنٹے گزار کر جب فروا واپسی کے سفر پر نکلی تو اریز کے گھر سے ابھی پندرہ منٹ کی مسافت طے کر پائی تھی کہ تین غنڈوں نے اُسے روک لیا۔ قدرے ویران سی جگہ تھی اُن تینوں لڑکوں نے فروا سے دو سیل فون، سونے کا نیا سیٹ، کچھ کریڈٹ، سونے کا بریسلیٹ اور گاڑی چھین لی۔ وہ تھکی ٹوٹی، مردہ سی ٹوٹی پھوٹی چال چلتی قریبی پی سی او گئی اریز کو کال کی، اُس کا نمبر بند تھا پھر اُس نے رحمان کو کال کی اور روتے ہچکیاں بھرتے اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کی روداد سنا دی۔ یاد رہے کہ صرف گاڑی لٹنے والے سانحے کی خبر دی تھی باقی جو کچھ لٹا فروا چاہ کر بھی نہیں بتا سکتی تھی۔ رحمان اُسے لینے آ رہا تھا۔ اپنی بیٹی کو لینے جو دن دیہاڑے لٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

رحمان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی فروا رحمان، رحمان بھی غمگین تھا۔ ایک کروڑ کے لگ بھگ کی مالیت کا نقصان ہو گیا تھا رحمان کا آزردہ ہونا تو بنتا تھا۔ مگر فروا ایسے بلک بلک کر روئی کہ رحمان نے اپنے دل کو مضبوط کر کے اُسے دلاسا دیا اور اس بات کو یوں شو کیا جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ وہ ایک باپ تھا اور باپ کا اپنی بیٹی کو روتے دیکھنا کتنا دشوار ترین عمل ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں نا۔ مگر یاد رہے صرف 'اپنی بیٹی' کو روتے دیکھنا مشکل کام ہے۔ رحمان فروا کو ساتھ لگائے تھپکتا رہا۔ اُسے تسلی و تشفی دیتا رہا۔

''بابا......'' فروا روئے جا رہی تھی۔ آج کا دن خسارے کا دن تھا۔

''جی میری گڑیا'' رحمان تڑپ ہی تو اُٹھا فروا کی مخدوش حالت پر، جو خوابوں کی ردا اوڑھے گلاب چننے نکلی تھی، محبت کی راہ پر مگر خار سے اُلجھ بیٹھی۔ نقصان نا قابلِ تلافی تھا، نیکی اور بدی میں ذرا سا ہی تو فاصلہ ہوتا ہے سوئی برابر فاصلہ، ذرا سی لغزش انسان کو گناہ کی دلدل میں ڈبو کر دھنسا دیتی ہے۔ پُر اعتماد ہونا اچھی بات ہے، محبت کا ہو جانا بھی فطری عمل ہے مگر محبت میں حرص و ہوس سب کچھ نگل لیتی ہے۔ حدود کو کراس کرنا ڈس لیتا ہے۔ اعتبار و اعتماد کو اور عزت کو بھی۔

''بابا مجھے معاف کر دیں۔''

''نہیں بیٹا ایسے مت کرو۔ یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے مالی نقصان کوئی معنی نہیں رکھتا۔ شکر ہے میری بیٹی کی جان بچ گئی۔ عزت بچ گئی۔'' رحمان نے طمانیت سے کہا تو فروا اور بھی شدت سے رونے لگ گئی۔ نجانے کہاں سے اتنے آنسو آ رہے تھے، آنسو ہی آنسو، ابھی رحمان اس شاک سے سنبھل بھی نہیں پایا تھا اُس کے سیل فون کی بیل ہوئی وہ دونوں چونکے۔

''اِنا للہ واِنا علیہ راجعون'' رحمان نے کہا اور فون بند کر دیا۔

''اماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ لبنیٰ بھابی کی کال تھی، ہمیں ابھی جانا ہوگا۔''

اماں کے انتقال پر جانا تو تھا مگر غیروں کی طرح، پھر اُس پتھر دل انسان کے شیطانی ذہن میں ایک بات سما گئی۔ اماں کی ڈیڈ باڈی کو اپنے گھر لا کر دفنانے کی۔ بڑے پیمانے پر قل اور چہلم کرنے کی، کسی کو کیا پتا رحمان جیولرز والے کی اماں اب تک کہاں رہی تھی۔ ہاں اب پتا چلے گا جب پورا شہر جنازے میں شریک ہوگا۔

''رحمان احمد پتھر تھا اور پتھروں سے کبھی بھی خیر کی روشنی نہیں پھوٹا کرتی۔''

(اس خوب صورت ناولٹ
اگلی قسط آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)

تیرے عشق نچایا

عشق کی راہداریوں، طبقۂ اشرافیہ اور اپنی مٹی سے جڑے لوگوں کی عکاسی کرتے سلسلے وار ناول کی اکیسویں کڑی

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ملک قاسم علی جہان آباد کے مالک تھے۔ ان کا شمار ضلع خوشاب کے جانے مانے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ ان کے دو بیٹے ملک عمار علی اور ملک مصطفیٰ تھے۔ عمار علی ریاست کے امور میں دلچسپی لیتے تھے جبکہ ملک مصطفیٰ علی چھوٹی بہن امل کے ساتھ تعلیم کے سلسلے میں لاہور رہائش پذیر تھے، ملک عمار علی کی شادی ان کی کزن ماہین سے ہوئی تھی۔ وہ اٹھارہ سالہ لڑکی خود سے عمر میں کئی سال بڑے ملک عمار علی کو ذہنی طور پر قبول نہ کر سکی تھی۔ وہ کانوینٹ سے پڑھی ہوئی اور خاصے آزاد خیالات رکھتی تھی، جو لائف بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ امِ فروا امِ زارا اور اسماعیل بخش مولوی ابراہیم کی اولادیں ہیں۔ امِ فروا کی شادی بلال حمید سے ہوئی ہے جو میڈم فیری کے لیے کام کر رہا ہے۔ میڈم فیری کا تعلق اس جگہ سے تھا جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ بلال حمید امِ فروا کو پہلی بار میکے لے کر آیا تھا کہ میڈم فیری کی کال آ گئی......

میڈم فیری نے بلال عرف بالو کو یاد کرایا کہ جلد امِ فروا کو ان کے حوالے کر دے۔ بلال حمید کے لیے یہ ناممکن سا ہو گیا تھا کیونکہ وہ امِ فروا سے واقعی محبت کرنے لگا تھا۔ ماہین اپنے دیور مصطفیٰ علی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ امل کی تعلیم مکمل ہوتے ہی اُس کی شادی اُس کے کزن محمد علی کے ساتھ ہونے کی تیاریاں ہونے لگی تھیں لیکن امل کے خیالات کسی اور طرف بھٹکنے لگے تھے۔

ماہین اپنے بچپن کے دوست کاشان احمد سے ملتی ہے تو پتا چلتا ہے کاشان بچپن ہی سے اُس میں دلچسپی لیتا تھا مگر کبھی محبت کا اظہار نہ کر پایا۔ ماہین اپنے آئیڈیل کے اس طرح بچھڑ جانے پر دکھی ہے۔ کاشان احمد ملک سے باہر جانے سے پہلے ماہین سے محبت کا اظہار کر دیتا ہے۔ ماہین ملک عمار علی سے ویسے ہی ناخوش ہے اس پر کاشان احمد کا اظہارِ محبت اُس کی زندگی میں ہلچل مچا دیتا ہے۔

ماہین کے دل میں کاشان احمد کی محبت بھی جڑ پکڑ رہی ہے اور اب وہ عمار علی کی شدتوں سے مزید خائف ہونے لگی ہے۔ امل کی شادی اس کے کزن محمد علی کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ محمد علی اُسے محبتوں کی بارش میں نہلا دیتا ہے اور یوں فوجی افسر کی بیوی بن کر وہ اپنی پہلی محبت کی یادوں سے پیچھا چھڑا لیتی ہے۔ ماہین اور عمار علی کے بیچ میں تکرار ہونے لگی ہے۔ میڈم فیری بلال کو امِ فروا پر کڑی نظر رکھنے کا کہتی ہے۔ ایک دن اچانک بلال کی ملک مصطفیٰ علی سے ملاقات ہو جاتی ہے اور وہ انہیں اعتماد میں لے کر اپنی اور امِ فروا کی رام کتھا سنا دیتا ہے۔ ملک مصطفیٰ علی اُسے اپنے ساتھ مرادولا میں لے جاتا ہے اور انیکسی میں رہائش اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فیری بلال کی تلاش میں ہے۔
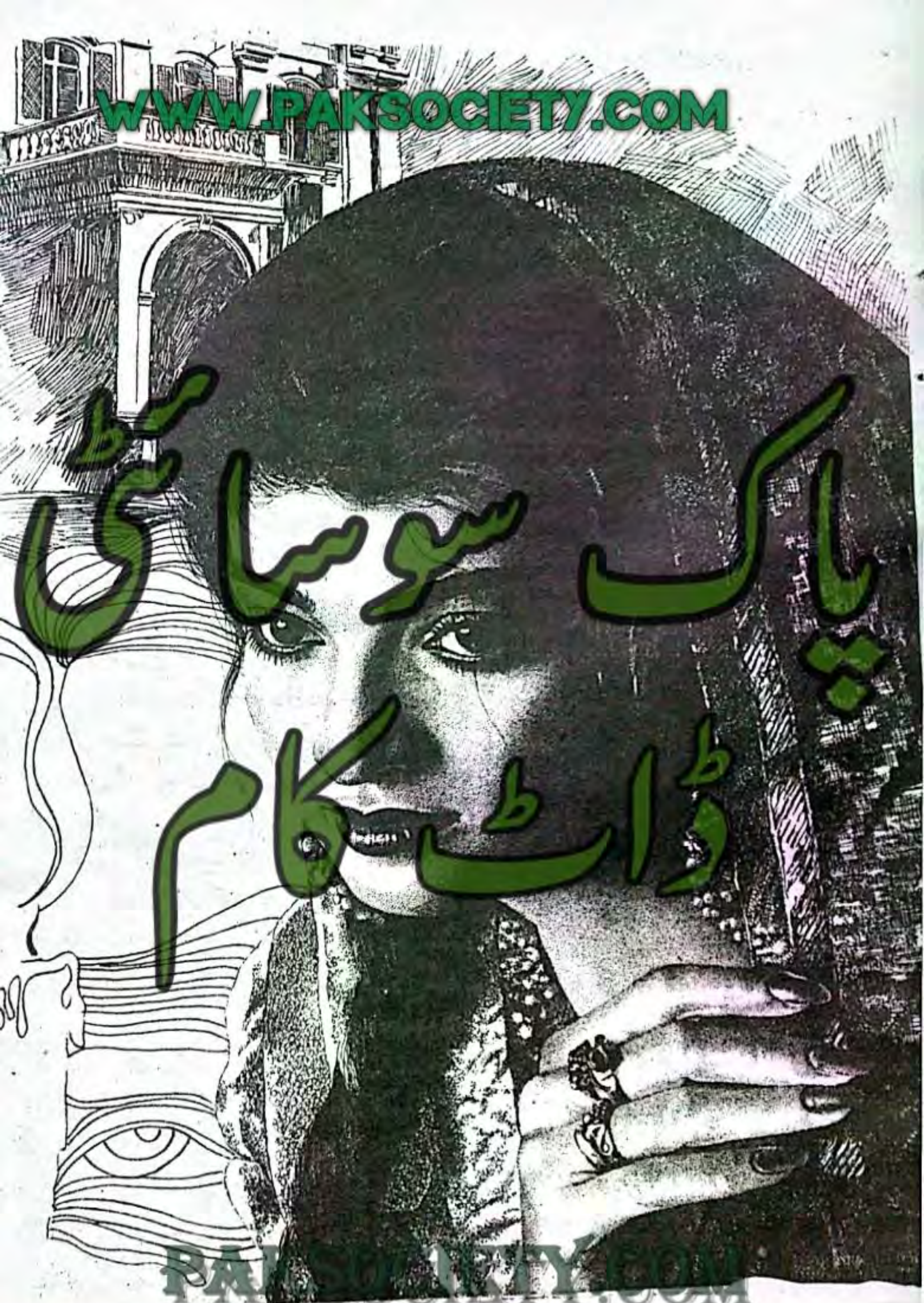
اچانک ملک قاسم علی کی وفات ہو جاتی ہے۔ سارا جہان آباد سوگ میں ڈوبا ہے۔ ملک عمار علی سارے انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر بڑے ملک کے فرائض انجام دینے لگتے ہیں۔
ماہین کی ذرا سی غفلت اُسے نہ چاہتے ہوئے بھی ماں بنا دیتی ہے۔ ماہین کے دل میں کسی طرح بھی بچے کی محبت پیدا نہیں ہو پاتی۔ وہ ماں کے سنگھاسن پر بیٹھ کر بھی کاشان کی محبت کی ہُوک اپنے دل میں محسوس کرتی ہے۔ امل دوسری بار ماں بننے والی ہے۔ محمد علی مہر النساء بیگم سے امل کا خیال رکھنے کا کہتا ہے۔ اِدھر مہر النساء بیگم دادی بننے کے بعد چاہتی ہیں کہ ماہین ریاست کی بڑی ملکائن کی ذمے داریاں اُن کی زندگی ہی میں اپنے ہاتھ میں لے لے۔
ماہین اِس صورتِ حال سے سخت متنفر ہے۔ وہ جلد از جلد جہان آباد سے واپس لاہور جانا چاہتی ہے۔ لیکن ملک عمار علی اُس کی باتیں سن کر بہت رسان سے، اپنی محبت سے اُسے جہان آباد رہنے پر قائل کر لیتے ہیں۔
کاشان احمد، ماہین کو عمار علی کے ساتھ محبت کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ آخر ماہین کاشان کی محبت میں عمار علی کے ساتھ آہستہ آہستہ محبت کرنے لگتی ہے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ عہد کرتی ہے کہ آئندہ زندگی وہ ملک عمار کی محبت کی پاسداری میں گزارے گی۔ زندگی نئی کروٹ لیتی ہے۔ ماہین دوسری بار اُمید سے ہوتی ہے۔ اچانک اُس کے سر کا سائیں، جہان آباد کے بڑے سرکار ملک عمار علی زندگی کی بازی ہار دیتے ہیں۔ جہان آباد اِس افتاد پر خون کے آنسو روتا ہے۔ ملک مصطفیٰ علی، بھائی کی اچانک موت پر دلبرداشتہ ہیں آخر ماں، بھابی اور بھتیجے کے لیے زندگی میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔
اُم فروا کو بالآخر بلال طلاق دے دیتا ہے اور اُم فروا واپس اپنے میکے آ جاتی ہے۔ اُم فروا کی محبت میں ملک مصطفیٰ علی کا مسلسل دین کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے اور آخر کار......

(اب آگے پڑھیے)

''اس محدود زندگی میں خواہشیں لامحدود پال رکھی ہیں ہم نے۔ پرندے جانور دس ہزار سال پہلے زندگی گزار رہے تھے آج بھی ویسی گزار رہے ہیں، لیکن انسان نفس کا پجاری، نئی سے نئی آرزوئیں کرتا ہے۔ اسی جستجو میں زندگی ختم ہو جاتی ہے لیکن نفس کی تشفی نہیں ہو پاتی۔ قناعت پسندی اپناؤ گے تو مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائیں گے۔ جب ہم رب کو پکارتے ہیں تو وہ فرماتا ہے خضوع و خشوع سے پہلے میرا بندہ تو بن پھر دیکھ میں تجھ پر کیسی عنایتیں کرتا ہوں۔ تیری جھولی بھرتا چلا جاؤں گا۔ تجھے کبھی بے مراد نہیں لوٹاؤں گا۔
ملک مصطفیٰ علی جب وہاں سے اٹھے تو کافی مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ مقرر کی باتیں بار بار اُن کے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔ چوروں کو قطب بنانے والی ذات اُسی رب کی ہے۔ پھر میرے جیسے آدمی کو سیدھا راستہ دکھانا صراطِ مستقیم پر چلانا بھی اُس کے سامنے ناممکن نہیں ہے۔ وہی بشر رب عالم کی نظر میں پرہیزگار ٹھہرا جس نے اپنے آپ کو پہچانا، جانا، مانا اور مانتا چلا گیا، خلوصِ نیت و دیانتداری کے ساتھ۔

☆......☆......☆

ملک مصطفیٰ علی آج صبح ہی جہان آباد کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ گندم کی بوائی شروع تھی۔ منشی کا بار بار فون آتا، سو طرح کے کام تھے وہاں پر۔ مہر النساء بھی اکیلی تھیں۔ ماہین کو ریورٹس آنے تک یہاں پر رکنا تھا۔ اس دوران وہ اپنے دوستوں سے بھی ملنا چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے آنے کی اطلاع سب کو دی تھی۔
اِس وقت وہ چھاموکو لیے لان میں بیٹھی تھی۔ حسان علی گھاس پر ڈھیر لگے کھلونوں سے کھیل رہا تھا اور ماہین سامنے ٹیبل پر لیپ ٹاپ رکھے کاشان احمد سے بات کر رہی تھی۔ گلنار نے اریبہ اور درِ شہوار کے آنے کی اسے اطلاع دی۔

''چھامو اندر چلیں۔'' لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے وہ حسان علی کے قریب دوزانو بیٹھ گئی۔
''ناں......نہیں...... مجھے جانا۔'' وہ جھنجلایا۔
''جانو تمہاری خالائیں آئی ہیں۔'' وہ ماں کی بات سُن ہی نہیں رہا تھا بس کھیلنے میں مگن تھا۔
''چھوٹی مالکن رہنے دیں ننکے ملک کو یہیں پر میں بیٹھی ہوں اِن کے پاس۔''
''گلنار تم ایسا کرو اس کے کھلونے بھی اندر لے آؤ۔ چلو میری جان اندر بیٹھ کر کھیلنا۔'' ماہین ایک منٹ کے لیے بھی حسان علی کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں کرتی تھی۔
''نہیں جانا، نہیں جانا۔'' وہ شور مچا رہا تھا۔ ماہین اُسے خود سے لپٹائے اندر لے آئی۔ گلنار نے مہمانوں کو عالی شان ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا تھا۔ ماہین وہیں آ گئی، حسان علی کو اُس نے قالین پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ توتلی زبان میں باتیں کرتا، اِدھر اُدھر بھاگنے لگا۔ ماہین اس وقت ہیو کے گلے لگی ہوئی تھی۔ پھر وہ دری سے ملی اس وقت وہ تینوں اُداس دکھائی دے رہی تھیں۔ ہیو نے حسان علی کو اٹھایا تو وہ اجنبی چہرہ دیکھ کر روہانسا ہونے لگا تھا۔ حسان علی کی آنکھوں میں آنسو ہیروں کی طرح چمک رہے تھے۔
''کیا خالہ کی شکل پسند نہیں آئی۔'' ہیو لاڈ سے بولی۔ دری نے اُسے اپنی گود میں لینا چاہا وہ پھر رونے لگا۔
''بھئی میرے بیٹے کو تم لوگ مت رلاؤ۔'' گلنار حسان علی کے کھلونے لے آئی تھی۔
''چلو اب چھامو آپ کھیلو۔'' وہ قالین پر پڑے کھلونوں کی طرف لپکا۔ ''ہاں جی اب سناؤ کیسی ہو تم دونوں۔'' ماہین ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔
''اللہ کا شکر ہے تمہاری بہت فکر رہتی تھی۔'' دری نے اُس کا مہین گال تھپتھپا کر کہا۔
''ہوں عمار علی ہمیں اللہ کے حوالے کر کے گئے ہیں اب وہی ہماری مدد فرمائے گا۔'' عمار کے ذکر پر ماہین آبدیدہ ہو گئی تھی۔ آواز بوجھل ہوتے ہوئے مدہم ہو گئی۔ دیر تلک ملک عمار علی کی باتیں ہوتی رہیں۔ ماہین ملک عمار علی کے ذکر پر مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔
باتوں کے درمیان ماہین بار بار حسان علی کی جانب متوجہ ہو جاتی۔ اُسے نیند تو نہیں آ رہی بھوک تو نہیں لگی۔
''ماہی، دری کے ہزبینڈ نے دوسری شادی کر لی ہے۔''
''واٹ'' ماہین نے پہلے اریبہ اور پھر درِشہوار کی طرف دیکھا۔
''ہیو میں نے تمہیں منع کیا تھا ناں کہ ماہی کو کچھ نہ بتانا پہلے ہی وہ پریشان ہے۔'' جبھی ماہین سوچ رہی تھی دری چپ چپ کیوں ہے۔
''دری تم سے تو میں بعد میں لڑوں گی کہ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ پہلے یہ بتاؤ اُس نے ایسا کیوں کیا' تم دونوں کی تو لَو میرج تھی۔''
''ماہی خالی میرج ہی رہ گئی تھی لو تو کب کا ختم ہو چکا تھا۔'' درِشہوار نے اُداسی سے کہا۔ تمہیں بتایا تھا ناں بلاوجہ کوئی نہ کوئی ایشو کری ایٹ کر لیتا ہے۔ بلاوجہ لڑتا جھگڑتا ہے۔ جب بھی کسی نئی عورت سے اُس کی علیک سلیک بڑھتی ہے وہ یوں ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتا ہے۔ نئی عورت کا نشہ ایسے اُس کے دماغ میں گھستا

ہے کہ گھر آتے ہی ڈانٹ ڈپٹ چیخنا چلانا، اُس کی عادت بن چکا تھا۔ نئی نویلی عورت بے غیرت مرد کے لیے پرانی شراب سے بھی زیادہ نشہ آور اور خطرناک ہوتی ہے۔ دیکھنا بہت جلد اس نئی شراب کی بوتل جیسی عورت سے بھی جلد اُس کا دل اُوب جائے گا۔ نیٹ پر دوستی ہوئی دوستی بڑھتے ہوئے نوبت شادی تک آ گئی۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹل میں شیف ہے۔ پہلے شوہر سے طلاق لے چکی ہے۔ بے حد تیز طرار ہے۔''

''جبھی اُس گنجے کو پھانس لیا۔'' بیو جل کر بولی۔

''دری بچے تمہارے پاس ہیں۔'' ماہین دکھ سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ ماحول اچانک سے گھمبیر ہو گیا تھا۔

''ہاں۔''

''پھر گزر بسر کیسے ہو رہی ہے؟''

''ماہی اللہ مسب الاسباب ہے۔ تم تو جانتی ہو بہت اچھی جاب تھی میرے پاس۔ گھر کے قریب ایک اکیڈمی میں دو لیکچر دیتی ہوں۔ پندرہ ہزار مہینے کے وہاں سے مل جاتے ہیں۔ شکر الحمد اللہ عزت کا بھرم قائم ہے۔''

''دری تم نے اپنے شوہر سے کچھ نہیں کہا؟'' اس وقت ماہی روہانسی ہو رہی تھی۔ اس کی دوست بڑے حادثے سے گزری تھی۔

''بہت لڑی جھگڑی، بچوں کا واسطہ دیا کہ ایسا مت کرو، نہیں مانا۔ اُس پر تو اُس ماڈرن عورت کے عشق کا بھوت سوار تھا۔ جو پنسل ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ اُس کے حواسوں پر مسلط رہتی تھی۔''

''تم دیکھ لینا بہت جلد اترے گا یہ بھوت۔'' ماہین نے درشہوار کا ہاتھ دبا کر کہا۔ وہ تینوں ہی اُداس تھیں۔

'میں تم لوگون کے لیے دوبارہ چائے بنواتی ہوں۔''

''ماہی رہنے دو اب ہم چلیں گے۔ بچے گھر پر اکیلے ہیں۔'' تم دونوں ایسے نہیں جاؤ گی۔ ڈنر ہم مل کر کریں گے۔''

''نہیں ماہی تم سے مل لیا اب ہم چلیں گے۔'' دری کو اپنے بچوں کی فکر تھی۔

''تم ابھی اِدھر ہی ہوناں؟'' اٹھتے ہوئے بیو بولی۔

''چند دن تک چلی جاؤں گی۔ رپورٹس کا ویٹ کر رہی ہوں پھوپی ماں بھی اکیلی ہیں۔ مصطفیٰ بھائی جہان آباد گئے ہوئے ہیں۔''

''ماہی تم زیادہ سفر سے گریز کرو۔''

''ہاں بیو پھوپی ماں کے لیے جانا تو پڑتا ہے نا۔'' پھوپی ماں کو بھی لے آؤں گی۔ جہان آباد چند دن کے لیے، امل آپی بھی آ رہی ہیں۔ پتا نہیں کیوں اب لال حویلی میں میرا دل گھبراتا ہے۔ یہاں دل نہیں لگتا۔ عمار جہان آباد میں ہے تو میں یہاں پر کیا کروں۔ پہلے میں چاہتی تھی جس قدر ممکن ہو عمار سے دور رہوں اب کہتی ہوں اُن سے دور نہ جاؤں۔'' ضبط کے احرام باندھنے سے اُس کی آنکھیں گلابی ہو گئی تھیں۔ ''صبح جب میری آنکھ کھلتی ہے تو اُن کی خوشبو مجھے اپنے آس پاس محسوس ہوتی ہے۔''

''ماہی اللہ تمہیں صبر دے۔'' جاتے ہوئے اسے دلاسا دیتی رہیں۔ وہ دونوں چلی گئیں تو ماہین مزید اُداس ہوگئی۔ تنہائی پاتے ہی ملک عمار علی کا خیال اُس کے گرد کنڈلی ڈال لیتا۔ وہ دیر تک ملک عمار علی سے باتیں کرتی رہی۔

حسان علی کو گلنار سلانے لے گئی تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتی اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ حسان علی سو چکا تھا۔ گلنار قالین پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''گلنار اب تم جاؤ۔'' وہ اٹھی اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئی، جہاں سے اُسے چائے کے برتن اٹھانے تھے۔ ماہین حسان علی کے پاس آ کر لیٹ گئی اور متورم آنکھیں آہستگی سے بند کر لیں۔

☆......☆......☆

اس صبح ماہین ناشتے سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ کاشان احمد کا فون آ گیا۔

''کیسی ہو ماہی؟''

''اچھی ہوں! تم کیسے ہو؟''

''میں بہت زبردست ہوں۔''

''گڈ۔'' وہ اُس کے یوں بولنے پر محظوظ ہوئی۔

''ماہی ماما تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ تمہاری طرف آنے کو کہہ رہی تھیں۔''

''ہاں ہاں افرا آنٹی کو ضرور لے کر آؤ۔ میرا خود اُن سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔ میں سوچ رہی تھی جہان آباد جانے سے پہلے آنٹی سے ضرور ملوں گی۔ تم انہیں لے آؤ اور ہاں لنچ میرے ساتھ کرو گے۔''

دوپہر بارہ بجے کے قریب کاشان اور افرا احمد لال حویلی پہنچ گئے تھے۔ افرا احمد کافی دیر تک ماہین کو گلے لگائے رہیں۔ انہیں دیکھ کر ماہین کا دل بھر آیا تھا۔ ضبط کے باوجود وہ دل کھول کر روئی۔ ایسا شخص جو دل کے بہت قریب ہو دکھائی دے جائے تو ضبط کے بندھن خود بخود ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ کتنی دیر تک ماہین کو کندھے سے لگائے تسلیاں دیتی رہیں۔ کاشان احمد نے حسان علی کو اٹھا رکھا تھا جو اس وقت سلیقے سے جمے کاشان کے کالر سے کھیل رہا تھا۔

''بیٹا میں تمہارے گاؤں افسوس کے لیے آنا چاہتی تھی لیکن ڈاکٹر نے طویل سفر سے منع کر رکھا ہے۔ کمر اور گھٹنوں میں بہت تکلیف رہتی ہے۔''

''کوئی بات نہیں آنٹی۔'' ماہین نے حسان کو کاشان سے لے کر گلنار کو دے دیا۔ کیونکہ وہ کاشان کو تنگ کر رہا تھا۔

''اور سناؤ بیٹا تمہاری ساس دیور اور نند کیسے ہیں۔''

''ٹھیک ہیں زندگی کی طرف لوٹ رہے ہیں۔''

''ہاں اللہ کے حکم کے سامنے صبر کرنا پڑتا ہے۔ بندے کو صبر بھی وہ خود دیتا ہے۔'' گلنار اورنج جوس لے آئی تھی۔

''ماہین خدا تمہیں ہمت دے۔''

''آنٹی آپ میرے لیے خاص دعا کیا کریں۔''

''چنداتم ہمیشہ میری دعاؤں میں رہتی ہو۔ اکثر تمہارا ذکر ہوتا رہتا ہے۔''

''ماہی میں ماما پاپا کو تمہارے اور اپنے بچپن کی شرارتیں سناتا رہتا ہوں۔ تب پاپا حیران ہوتے ہیں کہ وہ بھی اتنی شرارتی ہوا کرتی تھی۔''

ایک دور تھا گزر گیا انسان جتنا بڑا کیوں نہ ہو جائے بچپن کبھی نہیں بھولتا۔ کھانے کے دوران بھی اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

''ماہین تم نے اتنا پُرتکلف کھانا بنوایا ہے۔ بیٹا یہ موقع تو نہیں تھا کھانا کھانے کا۔ ہم تو تم سے ملنے آئے تھے۔''

''اچھی بات ہے ناں مل کر کھانا کھانے کا موقع مل گیا۔ آپ کا آنا مجھے بہت اچھا لگا ہے۔''

کھانے کے بعد وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔ گلنار سبز قہوہ وہیں لے آئی۔

''ماہین آئندہ کے متعلق کیا سوچا ہے۔''

''آنٹی میری پوری توجہ حسان پر ہی ہے۔''

''خدا دوسرا بے بی بھی خیریت کے ساتھ لائے۔'' افرا آنٹی نے اُسے بغور دیکھا۔ کافی دیر بعد وہ لوگ اٹھے تھے۔

☆......☆......☆

ماہین پندرہ دن جہان آباد رہ کر آج ہی لاہور پہنچی تھی۔

ماہین اپنی باتیں اب ملک مصطفیٰ علی سے شیئر کرنے لگی تھی۔ اُس کی باتیں کس کے گرد گھومتی تھیں۔ عمار اور صرف عمار علی کا تذکرہ اُن کا ذکر اُن کی باتیں اُن کی وجاہت۔

ماہین کے لاہور ہونے پر مہر النسا اُس کے لیے اُداس رہنے لگی تھیں۔ اُسی وقت لاہور کی تیاری پکڑ لیتی۔ گاڑی میں وافر مقدار میں راشن رکھواتیں اور تین گھنٹے میں لاہور پہنچ جاتیں۔ موٹر وے نے فاصلوں کو بہت حد تک سمیٹ دیا ہے۔ ملک مصطفیٰ علی ماں جی اور ماہین کو گھماتے ڈنر پر لے کر جاتے۔ ہر بار مہر النساء انکار کرتیں لیکن ماہین کے سامنے اُن کی ایک نہ چلتی۔ اکثر ماہین اور حسان علی کو ہی ملک مصطفیٰ علی کے ساتھ جانا پڑتا۔ کل ہی مہر النساء واپس خوشاب گئی تھیں۔ ماں جی یہاں ہوتیں تو ملک مصطفیٰ علی خوش رہتے۔ ملک عمار علی اور بابا جان کو وہ یاد کرتے۔ وہ دل ہی میں اس ماں کو سلام کرتے۔ جس کے جوان کڑیل بیٹے کو بے وقت کی موت ساتھ لے گئی تھی۔

مہر النسا نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی۔ ماہین مصطفیٰ علی اور حسان علی کے لیے۔ عمار علی جیسا بیٹا کوئی بھولنے والا تھا۔ وہ اپنی ماں کے دل میں رہتے تھے۔ ملک عمار علی انہیں سرما کی ان شدید سرد یخ بستہ طویل راتوں میں بہت یاد آتے۔ ملک عمار علی کی باتیں یاد کرتیں۔ اُن کے لرزش زدہ نحیف ہونٹوں پر تھکن سے پُر مسکان رینگتی۔ عمار علی کا خیال مہر النساء کی آنکھوں میں کسیلی نمی بھر دیتا۔

ملک قاسم علی کے چلے جانے کے بعد ملک عمار علی بھی چلے گئے۔ ماں جی کی ہمتیں متزلزل ہونے لگتیں۔ نوعمر بہو کے سامنے انہیں اپنے آپ کو مضبوط کرنا تھا۔ جب تک وہ زندہ تھیں۔ انہیں اپنوں کا خاص خیال رکھنا تھا۔

طلسماتی انسان

ہوڈینی شعبدہ بازی میں مہارت رکھتا تھا۔ ہوڈینی یوڈاپٹ میں پیدا ہوا۔ وہ دنیا کا سب سے زیادہ پُراسرار اور باکمال شخص تھا۔ وہ ہر قسم کی جکڑ بندی سے اپنے آپ کو چند لمحوں میں آزاد کروالیتا تھا۔ بیڑیاں، ہتھکڑیاں، فولاد، لوہا، غرض کہ کوئی چیز اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکی۔ وہ ہر قسم کی قید سے یوں نکلتا تھا جیسے ہوا میں تحلیل ہوگیا ہو۔ وہ فولاد، لکڑی اور اینٹوں کی دیوار کو گرائے بغیر ان کے پار نکل جاتا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں ہوڈینی نے اس فن میں پورا عبور حاصل کرلیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے بارہ سال اس فن میں صرف کردیے۔ ہوڈینی کے کارناموں کی یاد آج بھی اسی طرح تازہ ہے جیسے اس کی زندگی میں تھی۔ لوگ اسے 'طلسماتی انسان' کہتے ہیں۔ اخبارات میں شائع ہونے والے اس کے کارناموں کی یاد لوگوں کے ذہنوں میں آج بھی قدم جمائے ہوئے ہے۔

مرسلہ: شاعر عتیق۔ کراچی۔

اس دوپہر جم کر بارش برسی تھی۔ پتے پتے سے دھول جھڑ گئی تھی۔ سبزہ نکھر آیا تھا۔ بارش کے بعد ملائم دھوپ نے تمام مناظر جاذبِ نظر اور پُرکشش بنادیے تھے۔ ماہین اور ملک مصطفیٰ علی بارہ دری کے کھلے احاطے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ حسان علی کھیلنے میں مگن تھا۔

''مصطفیٰ بھائی! ہماری شہ رگ سے بھی نزدیک لوگ جب اچانک بچھڑ جاتے ہیں تو انسان خود کو کس قدر بے بس محسوس کرتا ہے۔'' اچانک ماہین کے تراشے ہوئے ہونٹ تھرتھرائے۔ غیرارادری طور پر ملک مصطفیٰ علی نے پیالی پرچ پر پٹخی تو اُس کی تیز آواز دونوں کی سماعتوں میں ارتعاش برپا کرگئی۔ ماہین استہزائیہ تلخی سے مسکرائی۔

''ماہین ہر پیدا ہونے والا نفس اُسی کی طرف لوٹایا جائے گا لیکن انسان ہر مرتبہ یہ بات نظرانداز کردیتا ہے کہ اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' اُن کا لہجہ ناصحانہ تھا۔ اندر سے بے طرح شکستہ حال تھے۔ اُن سب کا خیال بھی تو ملک مصطفیٰ علی کو رکھنا تھا۔ اُن سب کو ایک دوسرے کا خیال رکھنا تھا۔

☆......☆......☆

ان دنوں عجیب سی گھبراہٹ اُس پر سوار تھی کسی بات میں اُس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ قدرتی بات ہے ان دنوں طبیعت کئی رنگ بدلتی ہے۔ وہ لال حویلی میں بولائی بولائی پھرتی چڑچڑی ہوگئی تھی نہ بات کرنے کو دل چاہتا نہ ٹی وی نہ فون نہ نیٹ۔ نہ ٹیکسٹ ہر چیز اس کی بیزاری کے پس پشت چلی گئی تھی۔

اس روز کاشان احمد کا فون آیا وہ لمبی باتیں اس سے کرتا رہا بار ہا اس کا دل چاہا اب وہ فون بند کرے۔

''ماہی تم ہمارے ہاں آجاؤ کچھ گپ شپ رہے گی۔ تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔ ماما تمہیں یاد کرتی رہتی ہیں۔ پلیز اب انکار نہیں کرنا۔ ڈنر ساتھ ہی کریں گے۔''

''سوری شان میں نہیں آسکوں گی۔''

''کیوں بھئی؟''

''دل نہیں چاہ رہا۔'' اُس نے سچائی سے اعتراف کیا۔
''گھر سے باہر نکلو گی ناں تو دل بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ میں آج گھر پر ہی ہوں تم آ جاؤ گی تو مجھے اچھا لگے گا۔'' اُس کا ملتجانہ لہجہ تھا۔

''کوشش کروں گی۔''
''کوشش نہیں تم ضرور آ ؤ گی۔''
''اچھا بابا آ جاؤں گی۔'' ماہین اپنے بچپن کے اس دوست کے ضدی پن پر مسکرائی۔
عصر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ لال حویلی سے نکلی تھی ڈرائیور کے ساتھ۔ اُسے حسان کی چند ضروری چیزیں لینی تھیں۔ ساتھ ہی اُس نے کیک بھی لے لیا تھا۔
مغرب کی نماز اُس نے گاڑی میں ہی پڑھ لی تھی کیونکہ ابھی پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر کاشان احمد کا گھر تھا۔
آنٹی انکل اُسے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ فریش جوسز کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ ہوتی رہی۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا۔ انکل احمد چہل قدمی کی غرض سے لان میں چلے گئے تھے۔ افرا آنٹی اور کاشان اس کے پاس تھے۔ حسان علی صوفے پر ہی سو گیا تھا۔
''شان اب تمہیں شادی کر لینا چاہیے۔'' چائے کا سپ بھرتے ہوئے ماہین نے اُسے دیکھ کر کہا۔ اسے شان کی بڑھتی عمر کا احساس ہوا تھا۔
''ہاں بیٹا اب تم ہی اُسے کچھ سمجھاؤ۔ میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں۔ بھلا یہ کس کی سنتا ہے۔''
''کیوں بھئی کاشان احمد صاحب آنٹی کیا کہہ رہی ہیں؟''
''صحیح کہہ رہی ہیں۔ ہر وقت میری شادی کا تذکرہ رہتا ہے اس گھر میں۔''

''تو شرم کرو ماں باپ سے اتنی منتیں کروا رہے ہو۔''
''ماہی میں نے انہیں سمجھایا تو ہے۔ شادی ابھی نہیں۔''
''کیوں ابھی نہیں؟''
''پتا نہیں۔'' وہ اس ٹاپک سے جان چھڑانا چاہتا تھا۔
''زندگی کا کیا بھروسا ہے۔ ایک ہی بیٹا ہے، اس کی خوشی دیکھ کر مریں۔'' افرا آنٹی اچانک ایموشنل ہو گئی تھیں۔
''شان تم بہت ہی ڈفر ہو۔''
''ہاں۔'' وہ اچانک سے سیریس ہو گیا تھا۔

''میری بات سنو ماہی۔'' وہ اچانک سے اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
''جب قسمت میں شادی ہو گی تو ضرور ہو جائے گی۔''
''شان تم لڑکی تو پسند کرو پھر قسمت بھی تمہارا ساتھ دے گی۔''
''لڑکی تو اس نے کب کی پسند کر رکھی ہے۔'' عجلت میں افرا آنٹی بولیں۔
''بدتمیز تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔ کون ہے وہ لڑکی؟''

''تم!!'' اُس کی طرف دیکھ کر کاشان احمد نے کہا۔
''میں۔'' وہ حیرت سے کاشان احمد کو گھور رہی تھی۔ اُسے کاشان کی دماغی حالت پر شک ہو رہا تھا۔
''شان جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟''
''ہاں اچھی طرح جانتا ہوں اور اپنے ہوش وحواس میں رہتے ہوئے کہہ رہا ہوں؟''
''ہاں ماہی میں اب تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ مضطرب ہو اٹھی۔
''کاشان احمد ایک مرتبہ پہلے بھی تم نے دیر کردی تھی۔ آج پھر تم نے دیر کر دی۔ پہلے میں ملک عمار علی کی بیوی تھی۔ تمہاری خاطر اُس سے الگ ہونا چاہتی تھی۔ لیکن تم نے اچھے دوست کی طرح مجھے سمجھایا بہت سمجھایا۔ اپنی پاک دوستی کے واسطے دے کر ملک عمار اعلی کی بننے پر مجبور کیا اور پھر تمہاری باتوں نے، اُن کی گہرائی نے جیسے مجھ پر صور پھونک دیا۔ میں مجسم عمار کی ہوگئی۔ ملک عمار علی کی طرف کھنچتی چلی گئی۔ پھر میں ایمانداری کے ساتھ سچ مچ عمار کی بن گئی۔ میں نے اپنا دل بھی رب سوہنے کو حاضر ناظر بنا کر ملک عمار علی کو سونپ دیا۔ شان وہ تمہارے سمجھانے کا ہی تو کمال تھا۔ تمہاری باتیں ایسے میرے دل کو لگیں کہ میں پوری سچائی و نیک نیتی سے عمار کی بن گئی۔''
ماہین اپنی جگہ سے اٹھی اور کاشان احمد کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ صوفے کے بازو پر رکھے کاشان کے ہاتھ پر اپنا گلابی ہتھیلی والا ہاتھ رکھ دیا اور اس کا ہاتھ یوں دبایا جیسے ایک ماں بچے کا دباتی ہے۔ وہ گم صم تھا۔ اُس کی حدت بھری آنکھیں فرطِ ضبط سے سلگ رہی تھیں۔
''شان ایسا ممکن نہیں ہے۔ عمار جاتے ہوئے میرا دل بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ یہ جو ماہین تمہیں دکھائی دے رہی ہے یہ بنا دل کے ہے۔ شان یہ خالی خولی عمارت تمہارے کسی کام کی نہیں ہے۔''
افرا آنٹی اور کاشان احمد سانسیں روکے اس چھوٹی سی عمر کی نازک اندام لڑکی کی اتنی گہری باتیں سن رہے تھے۔
''ماہی مجھے فخر ہے تم پر۔ اپنی محبت پر اور تمہاری دوستی پر۔ ماما اب بے شک میری شادی کر دیں۔ آپ اور پاپا کی خوشی کے لیے میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔''
''میرا بچہ۔'' افرا احمد بہت خوش تھیں۔ کاشان احمد نے ماں کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔
''انشاء اللہ آپ کی پسند کی بہو کو ہمیشہ خوش رکھوں گا۔ ماہی تم آؤ گی ناں میری شادی پر؟''
''شیور! انشاء اللہ اپنے دونوں بچوں سمیت آؤں گی۔ ذرا مجھے تھوڑا سا ٹائم دے دو ناں۔''
''رئیلی یار جبھی میں کہوں تم اپنی پھیلی ہوئی کیوں ہو؟''
''شان میں بہت خوش ہوں تمہارے اس فیصلے سے۔''
''تم میری بچپن کی دوست جو ہو۔''
''وائے ناٹ! ہم ہمیشہ اچھے دوست بن کر ہی رہیں گے۔ بس آنٹی اس کے لیے آج سے ہی لڑکی دیکھنی شروع کر دیں۔''
''ہاں ضرور۔'' آج ماہین دنوں بعد خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں عمیق آسودگی تھی۔

☆......☆......☆

مہر النسا کل ہی لاہور پہنچی تھیں۔ مہر النسا جب سے آئی تھیں چپ چپ تھیں۔ آج کل انہیں عمار علی بہت یاد آرہے تھے۔ وہ اپنے اس پوتے کے بارے میں سوچتیں جو یتیمی کے ساتھ اس دنیا میں آنے والا تھا۔ فوزیہ آنا چاہ رہی تھیں ماہین کے پاس لیکن ابھی چند ماہ پہلے ہی تو وہ پاکستان سے ہوکر گئی تھیں۔ ایسے موقعوں پر ماؤں کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ سب اپنی اپنی مجبوریوں میں گھرے رہتے ہیں۔ ایل بھی دو دن بعد آرہی تھی۔ وہ تینوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ دیوار گیر ایل سی ڈی پر کوئی ڈاکیومینٹری چل رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے گلنار فریش جوس کے گلاس اُن کے سامنے رکھ کر گئی تھی۔

ماں جی تسبیح پڑھ رہی تھیں ماہین کی نگاہیں اسکرین پر مرکوز تھیں۔ جبکہ ملک مصطفیٰ علی کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ماہین نے جوس کا کرسٹل گلاس اٹھاتے ہوئے غیر ارادری طور پر اُن کی طرف دیکھا۔ ماہین چونکی۔

''مصطفیٰ بھائی کیا سوچ رہے ہیں؟'' اُن کے سختی سے بھینچے ہونٹوں پر تھکان آمیز مسکان ابھری۔ بھلا ماہین کو کیا بتاتے کہ وہ اپنے بھائی کو یاد کررہے ہیں۔ آج کل ان سب کو ملک عمار علی بہت یاد آرہے تھے۔ وہ اُس کی بات اگنور کر گئے۔

''ہاں سنو ماہین آج میں پورا دن ماں جی، چھامو اور تمہارے ساتھ گزاروں گا۔ پہلے ہم شاپنگ پر چلیں گے پھر لنچ باہر ہوگا۔ شام کو چھامو کو کسی پارک میں گھمائیں گے۔'' ماں اور بھابی کے ذہنوں پر چھایا جمود کا پردہ سرکانا چاہتے تھے۔ مہر النسا یونہی تسبیح پڑھتی رہیں۔ ماہین جیسے خود پر مسکرائی۔

''مصطفیٰ بھائی کچھ تو خیال کریں۔ اس حالت میں بھلا میں کیسے جاسکتی ہوں؟''

''او ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ ٹھیک ہے پھر میں اور چھامو چلیں گے۔ چھامو کی ماں اور دادی گھر پر بیٹھیں۔ ہم خوب مستی کریں گے۔ کل مجھے فیکٹری جانا ہوگا۔ فیکٹری کی یونین کے کچھ مسئلے چل رہے ہیں۔ آئے دن لیبر میں تُو تُو میں میں ہوتی رہتی ہے۔ کل تحصیلدار کے ساتھ بھی میٹنگ ہے۔'' ملک مصطفیٰ علی بلاوجہ ہی بول رہے تھے حالانکہ اس موضوع پر ماں جی اور ماہین نے کوئی بات نہیں کی تھی۔

''ویک اینڈ پر جہان آباد کا چکر بھی لگانا ہے۔'' مہر النسا تسبیح مکمل کر کے ملک مصطفیٰ علی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''خیریت ہے! کیوں جارہے ہو جہان آباد؟''

''ماں جی فرید خان مانا ہمارے بھروسے کا بندہ ہے لیکن سب کچھ اُس پر چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں ہے۔ میں نہیں برداشت کروں گا اگر ہمارے کسی بھی آدمی کے ساتھ کوئی بدسلوکی ہوئی۔''

ویسے مہر النسا نے ملک قاسم علی اور ملک عمار علی کی جگہ خوب سنبھال رکھی تھی۔ ملک مصطفیٰ علی کی غیر موجودگی میں ریاست کے تمام معاملات خوش اسلوبی سے انجام دے رہی تھیں۔ ایک ایک پیپر چیک کرتیں، خود پڑھتیں، تب جا کر منشی کو ہدایات جاری کرتیں۔ اسی لیے تو ملک مصطفیٰ علی بے فکر تھے۔

ماہین سوچ رہی تھی پھوپی ماں پُر اعتماد لائق ذہن اور ہمت والی خاتون ہیں۔ ماں جی کوئین میری اسکول کی فارغ التحصیل اسٹوڈنٹ تھیں۔ ہمیشہ پوزیشن ہولڈر رہیں۔ میٹرک کے فوراً بعد تو اُن کی شادی

ہوگئی تھی ملک قاسم علی سے۔ ملک مصطفیٰ علی اب جان بوجھ کر ریاست کے معاملات ماں جی پر ڈال رہے تھے تاکہ اُن کا دل لگا رہے۔ وہ عمدگی سے سب کو ڈیل کر رہی تھیں۔ اس وقت مہر النسا آرام کرنے کی غرض سے اپنی خواب گاہ میں جا چکی تھیں۔ جوس کے سپ بھرتے ہوئے ملک مصطفیٰ علی ماہین سے کہہ رہے تھے۔

''میری غیر موجودگی میں ماں جی ریاست کے امور بہت ہی سہل طریقے سے ہینڈل کرتی ہیں۔ تمام کھاتے لین دین منشی کو حویلی میں بلوا کر۔ رجسٹر کی ایک ایک سطر چیک کرتی ہیں۔''

''ہاں مصطفیٰ بھائی! پھوپی ماں بہت بہادر و ذہین خاتون ہیں۔ خداوند اگر کچھ جگہیں خالی کرتا ہے تو اُس کا مداوا بھی خود ہی کر دیتا ہے۔ اسی لیے اُسے رحمن، رحیم، کریم، سمیع العلیم کہا جاتا ہے۔ اپنی مخلوق کی زندگیوں کو چلانے کا ذمہ مالک مختار نے خود لے رکھا ہے۔'' مصطفیٰ ماہین کی بات پر تائیدی انداز میں مسکرائے۔

''ماں جی تو جہان آباد کی اچھی کمانڈو ثابت ہو رہی ہیں۔''

''ہوں۔'' ماہین کی نگاہیں بار بار چھاموکی طرف جا رہی تھیں۔ حسان علی کی تمام توجہ اپنے کھلونوں کی طرف مبذول تھی۔ ملک مصطفیٰ علی کب سے ماہین سے اُم فروا کی بابت بات کرنا چاہتے تھے۔ آج اُن کا ارادہ تھا وہ بات کریں گے۔ انہیں پل پل اک خوف لاحق تھا۔ مولوی ابراہیم بخش اُم فروا کا رشتہ کہیں اور طے نہ کر دیں۔ والدین کی کوشش ہوتی ہے طلاق یافتہ یا بیوہ بیٹی کا نکاح جس قدر جلد ممکن ہو دوبارہ کر دیں۔ مولوی صاحب تو شریعت محمدی ﷺ پر چلنے والے شخص تھے۔ ملک مصطفیٰ علی بخوبی جانتے تھے ماں جی اور ماہین ضرور اُن کی خواہش و پسند کا احترام رکھیں گی۔ اُن کے خاندان میں پہلے بھی باہر کی فیملیز کی خواتین بیاہ کر آئی تھیں لیکن بیٹیاں دوسری قوم میں نہیں دیتے تھے۔ ملک مصطفیٰ علی کی نانی لودھی خاندان سے تھیں۔ مولوی ابراہیم بخش کی فیملی رئیل عباسیہ شاہی خاندان سے تھی، جو ہجرت کر کے افغانستان سے پاکستان آ بسے تھے۔ قیامِ پاکستان کے وقت مولوی ابراہیم کے آباؤ اجداد ہری پور ہزارہ اور ایبٹ آباد میں سکونت پریز تھے۔ مولوی ابراہیم بخش کے والد لاہور میں آئے تو پھر اُن کا قیام یہیں پر بڑھ گیا۔ مولوی صاحب اب بھی اپنے دادا کی حویلی ایبٹ آباد جایا کرتے تھے۔ جہاں اُن کے چند دادا کے پڑپوتے رہتے تھے۔

ملک مصطفیٰ علی سوچ رہے تھے ابھی ماہین سے بات کر لی جائے تو بہتر ہے پھر ماہین خود ہی ماں جی سے بات کر لے گی۔ تاکہ جلد رشتے کی بات آگے چلائی جائے۔

سیماں چائے لے آئی تھی۔ استعمال شدہ برتن وہ سمیٹ کر جا چکی تھی۔ ملک مصطفیٰ علی نے بالوں میں کس کر انگلیاں چلائیں۔ گال زور سے رگڑا پہلو بدل کر ماہین کی طرف متوجہ ہوئے۔

''ماہین کئی دنوں سے میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔''

''ضرور! بولیں مصطفیٰ بھائی۔'' ماہین کی توجہ چائے پر تھی اُس نے پہلا کپ ملک مصطفیٰ علی کے سامنے رکھا دوسرا کپ اپنے سامنے کھسکا لیا۔ ملک مصطفیٰ علی کو کچھ سوچتے دیکھ کر مبہم سا مسکرائی۔

''کہیں مصطفیٰ بھائی میں ہمہ تن گوش ہوں۔''

''امل کی بھی شادی ہوگئی ہے اب تم اکیلی بور تو ہوتی ہوگی؟'' وہ مسکرائی اور معنی خیزی سے ملک مصطفیٰ

علی کی طرف کن اکھیوں سے دیکھا۔ انگلیوں کی پوروں میں انہوں نے چائے کا گرم کپ بھیچا ہوا تھا۔ انہیں کپ کی حدت کا احساس بھی نہیں رہا تھا۔

''اسی لیے تو آپ سے بار بار کہتی ہوں اب شادی کرلیں تاکہ میری بھی کوئی دوست آجائے۔'' ماہین نے خود ہی اُن کی بات آسان کردی تھی۔ ورنہ جانے انہیں کتنی تمہید باندھنا پڑتی۔

''خاندان میں پڑھی لکھی اتنی پیاری پیاری لڑکیاں ہیں۔ کئی آپ سے امیدیں لگائے بیٹھی ہیں۔ آپ لڑکی کا نام تو لیں فٹافٹ ہم رشتہ لے کر پہنچ جائیں گے۔''

''تو تم میری مدد کروگی؟''

''آف کورس! یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ آپ حکم تو کریں۔'' وہ چاہ رہی تھی ڈیلیوری کے فوراً بعد مصطفیٰ علی کی شادی ہوجائے۔ کئی مرتبہ اُس نے پھوپی ماں سے بھی کہا تھا۔ تب وہ گہری سوچ میں چلی جاتیں۔ ابھی ملک عمار علی کو گئے عرصہ ہی کتنا ہوا تھا۔ ملک مصطفیٰ علی بھی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مولوی صاحب کی طرف سے خوف زدہ تھے، چاہ رہے تھے رشتہ طے پاجائے، شادی کچھ عرصہ بعد ہوجائے گی۔

''کون ہے وہ خوش قسمت لڑکی! اب جلدی سے بتادیں۔ یقیناً خالد چاچا کی بیٹی زریں ہوگی۔'' ماہین نے جواب خود ہی گھڑ لیا۔ زریں اس خاندان کی خوبصورت ترین لڑکی تھی۔ ایم بی اے کرچکی تھی۔ فیملی کے ہر فنکشن میں ملک مصطفیٰ علی کے گرد منڈلاتی دکھائی دیتی۔ ماہین نے بھی زریں کی دلچسپی نوٹ کی تھی۔

''بھابی وہ لڑکی فیملی سے نہیں ہے۔'' اچانک غیرارادری طور میں اُن کے منہ سے بھابی نکلا تھا۔

''پھر کون ہے؟ جلدی سے بتائیں؟ کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ کیا کرتی ہے۔ وغیرہ...... وغیرہ۔'' اپنی بات کے اختتام پر وہ دل سے مسکرائی۔

''لاہور میں رہتی ہے۔'' ملک مصطفیٰ علی گویا ہوئے۔

''واہ آپ تو بڑے چھپے رستم نکلے۔'' ''کیا کوئی کلاس فیلو ہے؟''

''نہیں۔ میرے دوست کی بہن ہے۔''

''کیسی ہے؟'' ماہین کا اشتیاق بڑھ رہا تھا۔

''ایسی حسین کہ آپ دیکھ کر فوراً بولیں گی۔ میرے رب تجھ سے بڑا مصور کوئی نہیں۔ اس ملکوتی شاہکار کو بنانے والی ذات ''تُو'' خود کس قدر خوبصورت ہوگا۔ تم مبہوت ہوکر ٹکٹکی باندھے اسے ہی دیکھتی رہو۔''

''واقعی؟'' ماہین کا تجسس بڑھا۔

''ہاں تمہاری زبان سے بے خودی میں نکلے گا میں نے آج سے پہلے ایسا مکمل حسن نہیں دیکھا۔''

''واہ مصطفیٰ بھائی آپ تو بڑی چیز ہیں۔''

''ماہین آگے سنو وہ قرآن کی حافظہ ہے۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند۔ اُس کے والد امامِ مسجد ہیں۔'' ماہین نے چونک کر مصطفیٰ علی کی طرف دیکھا۔ ملک مصطفیٰ علی نے ماہین کا چونکنا محسوس کیا۔

''بہت شریف النفس لوگ ہیں۔ عباسیہ شاہی خاندان سے اُن کا تعلق ہے۔ وہ تمام لوگ بہترین خصائل کے مالک ہیں۔''

''کیا وہ آپ کو پسند کرتی ہے؟''

''میرے خیال میں نہیں۔ میں سمجھتا ہوں یقیناً وہ والدین کے فیصلے کو مقدم سمجھے گی۔''

''کیا نام ہے اُس کا؟''

''اُم فروا۔''

''نام تو بہت پیارا ہے۔''

''ماہین تم ماں جی سے بات کرو گی۔''

''ہاں ہاں ضرور کروں گی۔ پھوپی ماں ضرور مان جائیں گی۔ آپ کی خوشی ہم سب کو عزیز ہے۔ میں پھوپی ماں سے جلد ہی بات کروں گی۔ پھر ہم اُن کے گھر آپ کا رشتہ لے کر جائیں گے۔''

''شکریہ ماہین۔''

''ارے شرمندہ نہ کریں مصطفیٰ بھائی۔'' عمار علی کے انتقال کے بعد ماہین کے دل میں ملک مصطفیٰ علی کی بہت عزت بڑھ گئی تھی۔ جیسے کوئی ماں جایا بھائی ہو وہ اس کا۔ اس کے جذبات خود بخود ایسے ہو گئے تھے ملک مصطفیٰ علی کے بارے میں۔

اُن کے دل سے ایک بوجھ اتر چکا تھا۔ اب ماں جی سے بات کرنے کے بعد انہیں اسماعیل بخش سے مل کر اُسے بتانا تھا کہ میرے گھر والے آپ کے ہاں میرا رشتہ لے کر عنقریب آئیں گے۔

''اب جلدی چھاموکی چاچی آئے گی، مزہ آئے گا ناں۔ تم چاچی سے خوب لاڈ اٹھوایا کرنا اور میں اُس سے خوب گپیں لگایا کروں گی۔'' ماہین حسان علی کو خود سے بھینچے باتیں کیے جا رہی تھی جبکہ ملک مصطفیٰ علی مسکرا کر اُن دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

☆......☆......☆

ماں جی اب ہر وقت یہی سوچتی تھیں جلدی مصطفیٰ علی سے بات کر لینی چاہیے مجھے۔ مصطفیٰ علی سے بات کرنے کے بعد ماہین سے بات کروں گی۔ یہ مرحلہ بہت دشوار اور جاگزین تھا۔ بہت ساری ہمت چاہیے تھی انہیں اپنا مدعا بیان کرنے میں۔ ان مراحل سے ہر صورت انہیں خود ہی نبرد آزما ہونا تھا۔ اس وقت ملک مصطفیٰ علی ماں جی کی خواب گاہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

''مصطفیٰ علی تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ گویا ہوئیں۔

''حکم کریں ماں جی۔''

''میں ماہین کے لیے بہت فکر مند رہتی ہوں۔''

''کیوں کیا ہوا ماہین کو؟'' وہ چونکے اس وقت اُن کا دھیان تو اُم فروا کی طرف تھا۔

''ہوا تو کچھ نہیں۔ سوچتی ہوں ابھی اس بچی کی عمر ہی کیا ہے؟'' ملک مصطفیٰ علی نے ماں جی کی طرف دیکھا۔ ''پہاڑ جیسی زندگی وہ تنہا کیسے گزارے گی؟''

''ماں جی بھابی تنہا کب ہے۔ ہم سب اُس کے ساتھ ہیں، اُس کے بچے ہیں دیکھنا وہ کتنی جلدی بڑے ہو جائیں گے۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے پر مصطفیٰ علی وہ کسی سہارے کے بغیر کیسے رہ سکتی ہے؟''

''ماں جی خدا اُس کو دوسرا بیٹا بھی دے دے گا۔''

''دراصل میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں ماہین ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے۔'' حسان علی جو تھوڑی دیر پہلے ملک مصطفیٰ علی کی گود میں تھا اب نیچے اُتر کر اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔

''ماں جی بھابی نے کہاں جانا ہے؟ ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔ مصطفیٰ علی تم میری بات نہیں سمجھ رہے میں کچھ اور کہنا چاہ رہی ہوں۔'' ملک مصطفیٰ علی نے تذبذب سے ماں جی کی طرف دیکھا۔

''مصطفیٰ علی میں کہنا یہ چاہ رہی ہوں تم ماہین سے نکاح کرلو۔''

''ماں جی۔'' چیخ نما آواز اُن کے حلق سے برآمد ہوئی۔ کچھ خیال کریں وہ میرے لالہ کی بیوہ ہے۔ میرے لیے قابلِ احترام!! میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''پتر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ تم ٹھنڈے دل سے سوچو۔''

''ماں جی ٹھنڈے دل سے سوچ کر ہی آپ سے عرض کر رہا ہوں۔ وہ میرے بھائی کی بیوہ ہے۔ اُس بھائی کی جو میرے باپ کی جگہ تھا۔ میں ایسا کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا۔''

''مصطفیٰ علی ہمارا گھر بکھر گیا ہے۔ اسے سمیٹ لو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔''

''ماں جی آپ ہاتھ نہ جوڑیں آپ میری ماں ہیں مجھے گناہ گار نہ کریں۔'' مارے بے بسی کے گھمبیرتا آواز اُن کے حلق میں رُک رُک گئی۔ ماں کے ہاتھ چومتے ہوئے انہوں نے آنکھوں سے لگالیے۔

''جیسا آپ کا حکم! سر آنکھوں پر۔'' اُن کا دل کٹ گیا تھا جب اُن کی ماں نے اُن کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔ وہ خود کو ہزار مرتبہ اس ماں کے سامنے قربان کرسکتے تھے۔ وہ اٹھے اور تیزی سے خواب گاہ سے باہر نکل گئے۔ مہر النسا بت بنی انہیں جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ وہ دکھی تھیں قدرے خوش بھی تھیں۔ اپنی بڑی بہو چھوٹے بیٹے کو سونپنے کا سوچ رہی تھیں۔

''اے خدا اس گھرانے پر رحم فرما! کسی بڑی آزمائش میں ہمیں نہ ڈالنا۔'' وہ حسان علی کو گود میں لیتے ہوئے پیار کرنے لگیں۔

☆......☆......☆

ملک مصطفیٰ علی ماں جی کی خواب گاہ سے نکلے لمبے لمبے ڈگ بھرتے سیڑھیاں پھلانگتے مردان خانے کی طرف چلنے لگے۔ گول برآمدے میں چند مزارے اُن ہی کا انتظار کر رہے تھے۔

''صالح محمد کیسے آنا ہوا۔'' انہوں نے گاؤں کے منشی صالح محمد پر نگاہ ڈالی۔

''سرکار میں جہان آباد سے صبح ہی لال حویلی پہنچا ہوں۔''

''ناشتا پانی لیا۔''

''جی چھوٹے مالک! اشرف کے گھر ناشتا کیا ہے۔'' اشرف صالح محمد کا بہنوئی تھا اور لال حویلی میں مزارعہ تھا۔

''خیریت کیسے آنا ہوا، فون کرلیتے۔ خود اتنا خرچہ کر کے چلے آئے ہو۔''

''مالک میں نے سوچا خود آپ کے پاس آکر بات کروں۔ مالک چند دن پہلے پٹواری آیا تھا۔ سیدوں کے گاؤں سید پور کے پاس جو ہمارے حصے میں موگا (جس میں دریائی پانی وافر مقدار میں جمع ہوتا

ہے) وہ دیکھ کر گیا ہے۔ سید اُس موگا کو چھوٹا کروانا چاہتے ہیں تا کہ ہمیں کم پانی ملے اور سیدوں کو وافر پانی دستیاب ہو۔''

''ٹھیک ہے صالح محمد میں فرید خان کو فون کرتا ہوں۔ وہ جا کر دیکھ لیتا ہے اور دو دن تک میں بھی جہان آباد کا چکر لگاتا ہوں۔''

''بہتر مالک میں آج ہی واپس چلا جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے یہ کرایہ رکھ لو۔''

''چھوٹے سرکار میرے پاس ہے کرایہ۔''

''تم رکھو بچوں کے لیے فروٹ بھی لے جانا۔'' ملک عمار علی نے ہزار کا نوٹ اُس کی طرف بڑھایا۔ لاہور سے خوشاب تک کا کرایہ چھ سو تھا۔

اس وقت ملک مصطفیٰ علی کا کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ اس خواب گاہ میں چلے آئے جہاں اکثر بابا جان دن کے کچھ حصے میں آرام کیا کرتے تھے۔

''اشرف۔'' انہوں نے زور سے آواز لگائی۔

''جی چھوٹے ملک۔'' وہ پھرتی سے کسی گم نام کونے سے برآمد ہوا۔

''کوئی بھی آئے تو کہہ دینا میں آرام کر رہا ہوں۔''

''جی بہتر۔'' ملک مصطفیٰ علی صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔

جب سرکنڈوں کو آگ لگائی جاتی ہے۔ آگ تیزی پکڑتی ہے تو تڑ تڑ تنگ شور وغل کی آوازیں آتی ہیں۔ اس وقت ایسے ہی سرکنڈے ملک مصطفیٰ علی کے دماغ میں بھانبڑ مچاتے آوازیں نکال رہے تھے۔ انگلیوں کی پوروں سے کشادہ پیشانی دباتے وہ شدید بے کلی کا شکار تھے۔

''اللہ پاک تُو رحیم ہے رحم فرما۔'' اُن کے سختی سے بھینچے ہونٹوں پر گہری اضطراب آلود سنجیدگی جمی ہوئی تھی۔ جو اُن کی سپاٹ آنکھوں میں سوراخ کر رہی تھی۔ اُمِ فروا کا حسین چہرہ پارے کی مانند اُن کی نگاہوں میں مچلا۔ اُمِ فروا کی سیاہ گہری آنکھیں انہیں تواتر سے دیکھ رہی تھیں۔ ملاقات کی چند ساعتیں گشت کرنے لگی تھیں۔

''میرے اللہ تُو خوب جانتا ہے میں اُمِ فروا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میری ماں نے کس مشکل امتحان میں مجھے ڈال دیا ہے۔'' ماں جی کے جڑے ہاتھ، اس وقت ملک مصطفیٰ علی کی آنکھوں میں ریت بھر رہے تھے۔ انہوں نے انگلیوں سے زور کے ساتھ دکھتی آنکھیں دبائیں۔

انہیں تھوڑی سی امید تھی ماہین کی طرف سے شاید وہ انکار کردے۔ اگر وہ بھی میری طرح مجبور ہوئی تو......؟

شاید وہ کسی قسم کی مجبوری کو قبول نہ کرے۔ اُسے اُمِ فروا کا بتایا ہے تو وہ کس قدر خوش ہوئی ہے۔ اُمید کی اس آخری کرن کا دامن وہ مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہتے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی جیسے مفلوج ہو چکی تھیں۔ اُمِ فروا اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں خود کو فنا کر دوں گا۔ تمہاری وجہ سے میری زندگی پُرکشش ہوگئی تھی۔ اس میں ڈھیروں چارم بھر گیا تھا۔ جب سے تمہیں دیکھا، اِس دل نے سچائی سے تمہیں سوچا،

تمہارے نام کی تسبیح پڑھی۔

''خدایا رحم فرما۔'' غیر ارادی طور پر اُن کی نظریں چھت کی طرف اٹھیں۔ انہیں یقین تھا اوپر موجود خدا انہیں سن رہا ہے۔ یہ کیسی ہولناک اذیت تھی جو انہیں اپنے شکنجے میں جکڑ رہی تھی۔ اس وقت وہ دلگیری کیفیت سے دوچار تھے۔ انہوں نے آہستگی سے آنکھیں بند کرلیں۔

☆......☆......☆

مہرالنسا نے فون پر فوزیہ سے بات کی تھی۔ وہ خود بھی ایسا چاہتی تھی۔

''بھرجائی جی! اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ میں خود یہ چاہ رہی تھی لیکن اس لیے خاموش تھی پہلے ماہی آرام سے فارغ ہوجائے۔ کیا مصطفیٰ مان جائے گا؟''

''میں نے مصطفیٰ علی سے بات کی ہے وہ مان گیا ہے۔''

''اور ماہین؟''

''ماہین سے میں نے ابھی بات نہیں کی۔ فوزیہ تم ماہین سے بات کرو۔ تم ماں ہو، اُسے اچھی طرح سمجھا سکوگی۔ فوزیہ کیا ماہین مان جائے گی؟'' مہرالنسا اندر سے خوف زدہ تھیں۔

''بھرجائی جی میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ آپ امل سے کہیں وہ ماہین کو منانے کی کوشش کرے۔''

''فوزیہ میں چاہتی ہوں پہلے تم اُس سے بات کرو۔''

''آپ پریشان نہ ہوں میں اُس سے بات کروں گی۔''

''فوزیہ اگر ایسا ہوجائے تو سکون سے مرتو پاؤں گی۔ عمار علی کے بغیر زندگی بہت پھیکی و سپاٹ ہوگئی ہے۔ جس ماں کے جانے کے دن تھے وہ موت کی دہلیز پر بیٹھی ہے۔ اور بیٹا جس نے ابھی زندگی کی کتنی بہاریں دیکھنی تھیں بہت لمبی زندگی جینا تھا وہ چلا گیا۔ بنا مجھ سے ملے، کچھ کہے سنے۔ صبح مسجد جانے سے پہلے میری خواب گاہ کے دروازے کے اندر کھڑے اُس نے مجھے پکارا تھا۔ اُس نے کہا تھا ماں جی فجر کی نماز کا ٹائم ہوگیا ہے اُٹھ جائیں۔ جب اُس کی آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں نے آنکھیں کھولیں۔ تب وہ واپس جارہا تھا۔ اُس کی ہلکی سی جھلک مجھے دکھائی دی تھی۔ اُس کے بعد میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔'' مہرالنساء کا لہجہ گلوگیر ہوتے ہوئے بہت مدھم ہوگیا تھا۔

''اب فجر کی نماز کے لیے اٹھتی ہوں تو مجھے لگتا ہے عمار علی مجھے آواز دے رہا ہے۔ ماں جی فجر کی نماز کا ٹائم ہوگیا ہے۔ اٹھ جائیں اور پھر میری آنکھوں کے سامنے عمار علی کی وہ آخری جھلک جھلملاتی ہے۔''

''بھرجائی جی ہم سب کو عمار ناقابلِ تلافی نقصان دے گیا ہے۔ اُس کی جدائی کا احساس کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ آپ فکر نہیں کریں میں جلد ماہین سے بات کروں گی۔''

☆......☆......☆

دوسرے دن ہی فوزیہ نے ماہین کو فون کیا۔

''کیسی ہو میری جان؟''

''اچھی ہوں ماما آپ سب کیسے ہیں؟''

''ہم سب بھی خیریت سے ہیں۔ چھاموکا کیا حال ہے؟''
''ٹھیک ہے اب بہت شرارتیں کرنے لگا ہے۔ کسی وقت ٹک کر نہیں بیٹھتا۔''
''بیٹا اُس کی عمر ہے بھاگنے دوڑنے کی، بچہ جب چلنا شروع کرتا ہے تب آرام سے نہیں بیٹھتا۔ تم بھی ایسی ہی تھیں۔ تم نے نو ماہ کی عمر سے چلنا شروع کر دیا تھا۔ مجال ہے جو آرام کرتیں۔ میں وہ چیزیں کیمٹتی رہتی جن تک تمہاری پہنچ تھی۔'' ماہین مسکرائی۔
''حسان کی آواز نہیں آ رہی بات تو کراؤ اُس سے۔''
''اُس کے چاچا اُسے اپنے ساتھ مردان خانے میں لے گئے ہیں۔''
''کیسا ہے مصطفیٰ؟''
''ٹھیک ہے۔ عمار کا انہوں نے بہت اثر لیا ہے۔ گھر پر ہوں یا باہر ہوں ہر وقت عمار کی باتیں ہی کرتے رہتے ہیں۔''
''بھائیوں میں محبت بھی تو بہت تھی۔''
''جی ماما۔ جب چھامو چاچا کے پاس ہو تو مجھے تو بھول ہی جاتا ہے۔''
''ماہی اپنا خون ہے ناں۔ بچہ بھی اپنے خون کی کشش محسوس کر لیتا ہے۔ ماہی تم اپنی صحت کا خاص خیال رکھا کرو۔''
''رکھتی ہوں ماما۔''
''بیٹا تم عمار کے بعد تنہائی تو بہت محسوس کرتی ہوگی؟''
''جی ماما عمار کو بہت مس کرتی ہوں۔'' ماہین اُداسی سے بولی۔
''بیٹا کب تک تم تنہا رہو گی؟''
''ماما اللہ نے میری قسمت میں تنہائی لکھ دی ہے تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اُس نے مجھے اولاد سے نواز دیا ہے۔''
''ماہی میں تمہارے لیے بہت فکر مند رہتی ہوں۔''
''ماما آپ میرے لیے فکرمند نہ ہوا کریں اللہ کی مرضی، وہ جس حال میں رکھے اُس کا شکر ہے۔''
''ماہی تم اتنی سیانی کب سے ہو گئی ہو؟''
''ماما وقت اور حالات انسان کو سیانا بنا دیتے ہیں۔''
''بیٹا تمہاری ابھی عمر ہی کیا ہے، مضبوط سہاروں کے بغیر تو جوان عورت کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔''
''میرے بچے ہیں ناں! خدا انہیں سلامت رکھے۔''
''آمین! ماہین اگر مصطفیٰ سے......'' فوزیہ رُکیں، کچھ جھجکیں۔
''ماما کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' اچانک اُس کی آواز کٹیلی ہو گئی۔
''بیٹا مصطفیٰ بھی اپنا ہے۔''
''میں نے کب کہا مصطفیٰ بھائی اپنے نہیں ہیں۔''

''ماہی اگر تم مصطفیٰ کے لیے سوچو تو......''

''ماما گھما پھرا کر بات کرنے کی بجائے آپ صاف بات کریں۔''

''ماہی میں اور تمہاری پھوپی چاہتی ہیں تم مصطفیٰ علی سے نکاح کرلو۔''

''ماما یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' وہ چیخ پڑی۔

''بیٹا اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔''

''ماما آج کے بعد آپ کبھی ایسی بات زبان پر مت لانا۔ میرے بچے ہیں اُن کا باپ اُن کے لیے بہت کچھ چھوڑ کر گیا ہے۔ انشاء اللہ ان کو میں ایک اچھی زندگی دوں گی۔ میں کیوں دوسرا نکاح کروں۔ اب بھی سب میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ مصطفیٰ بھائی مجھے بڑی بھابی جیسی عزت واحترام دیتے ہیں۔ چھامو اُن کی جان ہے۔ وہ اُس سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میں تمام عمر عمار علی کی بیوہ بن کر ہی رہنا چاہوں گی۔ یہ مان میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے کہ میں عمار علی کی بیوہ ہوں۔ میں کسی کو یہ اجازت نہیں دوں گی کوئی مجھ سے میرا حق چھینے۔ سب سن لیں، میرا یہی آخری فیصلہ ہے۔ آئندہ کوئی بھی مجھ سے اس ٹاپک پر بات نہ کرے۔ امید ہے آپ سب میری بات سمجھ لیں گے۔''

'اُس نے پھوپی ماں کا نام نہیں لیا تھا لیکن ماں کو جتا دیا تھا وہ بھی اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔'

ماہین نے فون بند کر دیا تھا۔ ماما کی باتوں نے اُسے شدید ہرٹ کیا تھا۔ اس کی آنکھیں شدتِ گریہ سے جلنے لگی تھیں۔

''دیکھ لیں عمار ابھی تو آپ کو گزرے چار مہینے ہوئے ہیں۔ ابھی میں نے آنے والے بچے کو جنم بھی نہیں دیا اور لوگوں نے میرے دوسرے نکاح کے منصوبے بنانے شروع کر دیے ہیں۔ عمار آپ تھے تو مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ اب خوف و مایوسی میرے اطراف منڈلانے لگی ہے۔ آپ اتنی جلدی کیوں چلے گئے۔'' نچلے ہونٹ پر اُس کے دانتوں کا دباؤ بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن فوزیہ نے مہر النسا کو فون کر کے بتا دیا تھا۔ ماہین نہیں مان رہی نہ ہی وہ کبھی مانے گی۔ آپ اُس پر کسی قسم کا پریشر نہ ڈالیں۔ اُس کا فیصلہ اٹل ہے اور وہ اپنے فیصلے سے ہٹنے والی نہیں ہے۔ اُسے عمار علی کی بیوہ رہنا ہی پسند ہے۔''

''ٹھیک ہے فوزیہ۔'' مہر النسا بجھ گئی تھیں۔

کئی دنوں سے مہر النسا کو بار بار مصطفیٰ علی کا خیال آ رہا تھا۔ انہیں افسوس ہو رہا تھا۔ میں نے اپنی خوشی کی خاطر اپنے بچے کو مجبور کیا ماں کو دکھی نہ کرتے ہوئے اُس نے ہامی بھر لی۔ مصطفیٰ علی کے بھی کچھ خواب ہوں گے۔ ماہین پہلے بھی میری بہو تھی اب بھی عمار علی کی بیوہ بن کر رہے گی بہو کے روپ میں۔ میں نے خوامخواہ اپنے بچے کو پریشان کیا۔ مصطفیٰ علی حسان علی کو اپنی جان سے بھی بڑھ کر چاہتا ہے۔ مصطفیٰ کی محبت میں بھائی کے بچوں کے لیے کبھی کمی نہیں آئے گی۔

ملک عمار علی فجر کی نماز کے لیے ماں جی کو اٹھایا کرتے تھے بابا جان کے چلے جانے کے بعد۔ اب یہ

ذمے داری ملک مصطفیٰ علی نے سنبھال لی تھی۔ جب وہ جہان آباد ہوتے ملک عمار علی والی روٹین تھی اُن کی۔ فجر کی نماز مسجد میں پڑھنے کے بعد وہاں موجود سب لوگوں کی خیریت پوچھتے۔ وہ جیپ پر ڈرائیور کے ساتھ تمام زمینوں کا چکر لگاتے۔ وہ بھی چاچا رتن کے ڈیرے پر ضرور جاتے۔ چاچا رتن نے ہی ملک مصطفیٰ علی سے کہا تھا ملک عمار علی کچھ دیر میری جھونپڑی میں ضرور رُک کر میٹھا دودھ پیتے تھے۔ جو میں اپنے ہاتھوں سے بناتا تھا۔ چھوٹے سرکار اب آپ ملک عمار علی کی جگہ رکیں۔''

تب سے وہ پانچ منٹ ضرور یہاں رکتے تھے۔ دن بھر کا کڑھا ہوا موٹی بالائی تیز میٹھے والا دودھ چاچا رتن تیار کر کے بیٹھا ہوتا۔ ملک مصطفیٰ علی دودھ پیتے موٹے بان کی چارپائی پر کچھ دیر اُس کے پاس بیٹھتے، خیریت پوچھتے جب اُن کی لاہور کے لیے روانگی ہونی ہوتی تو چاچا رتن کو بتا دیتے۔ میں اتنے دنوں کے لیے لاہور جا رہا ہوں آپ میرا انتظار نہ کرنا۔ اور یہ دودھ خود پیتے رہنا، ہاں چاچا منشی شکور کو یہ دودھ پلانے کی قطعی ضرورت نہیں۔''

''بہت بہتر سرکار۔'' رتن چاچا ہنستا ملک مصطفیٰ علی کو دیکھ کر خوش ہوتا انہیں دعائیں دیتا۔ غریبوں کی دعائیں ہی تو تھیں یہ خاندان وقار و تمکنت کے ساتھ چل رہا تھا۔

ملک مصطفیٰ علی اور مہر النساء اب اور زیادہ مستحق لوگوں کا حصہ نکالنے لگے تھے اناج میں تاکہ اس دنیا سے جانے والوں کے لیے صدقہ جاریہ چلتا رہے۔ ملک مصطفیٰ علی تمام زمینوں کا چکر لگا کر مراد محل کے زنان خانے میں داخل ہوتے۔ ماں جی حسب معمول بڑے برآمدے میں تخت پوش پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی ہوتیں۔ عمار علی کی طرح ماں جی کے پاس بیٹھ کر ناشتا کرتے دیسی گھی کا ورقی پراٹھا جو میدو کے ہاتھ کا بنا ہوتا چاندی کا لمبا گلاس مزے دار دودھ سے بھرا ہوا، ساتھ میں اپنے باغات کا اترا ہوا خالص شہد، اس وقت ملک مصطفیٰ علی رغبت سے ناشتا کرتے۔

ماہین حسان علی کو سلام کر لاؤنج میں داخل ہوئی تو ملک مصطفیٰ علی بھی چند لمحے پہلے ہی لاؤنج میں انٹر ہوئے تھے۔ اُن کی نگاہیں اس وقت دیوار گیر اسکرین پر تھیں جو مختلف رنگوں سے روشن تھی وہ نیوز چینل دیکھنے لگے۔ ماہین سے نگاہیں کترا رہے تھے۔

''اسلام علیکم مصطفیٰ بھائی۔'' وہ اُن کے بائیں جانب صوفے پر بیٹھ گئی۔

''وعلیکم اسلام، چھا مو کہاں ہے ماہین؟'' اُن کی نگاہیں بدستور اسکرین پر مرکوز تھیں۔

''صبح جلدی اُٹھ گیا تھا۔ اب سو رہا ہے۔ آپ آج دیر سے اٹھے ہیں؟'' ماہین نے وال کلاک کی طرف ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

''آنکھ تو جلدی کھل گئی تھی بس کسلمندی سے بستر میں پڑا رہا۔'' گلنار ٹی ٹیبل لے آئی تھی۔ ماہین چائے بنانے لگی۔

''مصطفیٰ بھائی۔'' وہ بے طرح چونکے۔

''کیا بات ہے؟ اتنے چپ کیوں ہیں؟''

''نہیں تو...... ہاں کرو ناں تم کوئی بات۔'' ماہین نے اُن کے سامنے چائے رکھ دی۔

'شاید انہیں نہیں پتا کہ میں نے انکار کر دیا ہے۔' وہ سمجھ سکتی تھی اُن کی کیفیت۔ جب انہوں نے ماہین

سے اُمِ فروا کا ذکر کیا تھا تو کس قدر وارفتگیوں کے سمندر اُن کے لہجے کی پور پور سے چھلک رہے تھے۔
'پھوپی ماں نے میرے اور ان کے نکاح کی بات اُن سے کر کے تو جیسے اُن کی روح کی چمڑی ادھیڑ دی ہوگی۔' ماہین نے سوچا اب انہیں مزید پریشان نہ کروں۔
''مصطفیٰ بھائی کل جمعہ ہے ناں؟''
''ہاں۔'' انہوں نے چائے کا گھونٹ گلے میں اتارا۔
''مبارک دن ہے؟'' ماہین مسکرائی۔
''ہاں۔'' بدستور چائے پیتے رہے۔
''پھر کل ہم اُمِ فروا کا رشتہ لے کر جانے والے ہیں۔ آپ اپنے دوست کو بتا دیں ہم کل آ رہے ہیں۔'' ملک مصطفیٰ علی حیرت اور بے یقینی سے اب بھی ٹکر ٹکر ماہین کی طرف دیکھ رہے تھے۔
''تم کیا کہہ رہی ہو ماہین؟''
''جو آپ سن رہے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔
''بس اب آپ خوش ہو جائیں۔ میں نے پھوپی ماں سے بات کر لی ہے کہ کل ہم اُمِ فروا کی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے مٹھائی کا آرڈر دے دیا ہے۔ فروٹ کی تازہ پیٹیاں کل ہی لیں گے۔ میں تو اس فکر میں ہوں کل میں ڈریس کون سا پہنوں گی۔ سب ڈریس تو مجھے تنگ ہو چکے ہیں، چلو کچھ سوچتے ہیں۔'' وہ بولے جا رہی تھی ملک مصطفیٰ علی ہونقوں کی طرح اُسے دیکھ رہے تھے۔
''آپ اس طرح دیکھ کیوں رہے ہیں مجھے؟ عمار کے جانے کے بعد یہ پہلی خوشی ہمارے در پر آئی ہے، پھر اسے بھرپور طریقے سے ہم کیوں نہ سیلیبریٹ کریں۔''
''ماں جی تمہاری بات مان گئیں۔''
''کیسے نہ مانتیں، وہ خوش ہیں شکر ہے آپ کو کوئی لڑکی پسند تو آئی ناں۔''
''لیکن ماہی ماں جی جو سوچ......'' باقی بات ملک مصطفیٰ علی نے زبان کے اندر دبا لی۔
''مصطفیٰ بھائی اِس ٹاپک پر سوچ کر آپ آئندہ پریشان نہیں ہوں گے۔ آپ صرف اُمِ فروا کے بارے میں سوچیں۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔'' دل کی گہرائیوں سے ماہین اُن کے لیے بول رہی تھی۔
''تھینک یُو ماہین۔''
''شرمندہ نہ کریں آپ مجھے۔'' اس موقع پر ماہین کو عمار علی بہت یاد آ رہے تھے۔ اگر وہ ہوتے تو کس قدر خوش ہوتے۔ اس کا بے حد دل چاہا کہیں سے تھوڑی دیر کے لیے عمار علی آ جائیں۔ میں انہیں نظر بھر کے دیکھ لوں۔ اس پگلی سے کوئی یہ تو پوچھتا بھلا اُس دیس میں گیا کوئی آج تک واپس آیا ہے۔
''آئیں پھوپی ماں۔'' ماہین مہر النسا کو لاؤنج میں آتے دیکھ کر مسکرائی۔ ملک مصطفیٰ کے چہرے پر عیاں خوشی دیکھ کر وہ سمجھ چکی تھیں۔ ماہین نے انہیں بتا دیا ہوگا۔ دونوں نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے بہت ساری دعائیں دیں اور صوفے پر بیٹھ گئیں۔ وہ بھی گزشتہ بات کو نہیں چھیڑنا چاہتی تھیں۔
''مصطفیٰ علی ہم کل اُمِ فروا کے گھر چل رہے ہیں۔''
''جی اچھا۔'' وہ جھینپ کر بولے۔ ماہین انہیں یوں دیکھ کر مسکرائی۔

''میں نے اہل کو بھی فون کر کے بتا دیا ہے کہ ہم مصطفیٰ علی کے لیے لڑکی دیکھنے جا رہے ہیں۔'' ملک مصطفیٰ علی نے ممنون نگاہوں سے ماں جی کی طرف دیکھا۔

☆......☆......☆

ملک مصطفیٰ علی نے اسماعیل بخش کو فون کیا تھا۔

''اسماعیل کل میری ماں جی اور بھابی آپ کے گھر کسی خاص مقصد کے لیے آئیں گی۔ گھر والوں کو بتا دینا اور اُمید کرتا ہوں میرے گھر والے مایوس نہیں لوٹیں گے۔''

''ملک صاحب ہمارے گھر؟'' ابھی تک حیرت تھی اسماعیل کے لہجے میں۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک رئیس زادہ مولوی ابراہیم بخش کی بیٹی کے لیے رشتہ بھجوانے کی بات کر رہا ہے۔ اُس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔

ملک مصطفیٰ علی ابھی بھی خوف زدہ تھے۔ جانے مولوی صاحب کیا جواب دیں گے۔ کہیں اپنی اور ہماری حیثیت کا اندازہ کرتے ہوئے انکار ہی نہ کر دیں۔ تمام رات وہ خدا سے دعا کرتے رہے، بار بار رب العزت سے اصرار کر رہے تھے۔

''مالک اُم فروا کو میرے نصیب میں لکھ دے۔ اگر تُو میرے لیے بہتر سمجھتا ہے تو اُسے میرا بنا دے۔ مجھے اپنے دو دن کی محبت پر یقین نہیں بلکہ تیرے رحمٰن ہونے پر بھرپور یقین ہے۔ تیرے سمیع العلیم ہونے پر یقین ہے کہ اُم فروا کو میرے نصیب میں ضرور لکھا ہوگا۔ اگر تیرے حکم سے وہ میری نہیں ہے تو میرے رب مجھے صبر عطا کر دینا، جو مجھے روحانی طمانیت بخش دے۔

ملک مصطفیٰ علی سوچ رہے تھے۔ میں نے فون پر اسماعیل بخش سے بات کی ہے کہیں اُسے برا ہی نہ لگا

ہو۔ فیکٹری کے لیے وہ گھر سے نکلے تو انہوں نے سوچا پہلے اسماعیل سے مل لیا جائے آمنے سامنے اُس سے بات ہو جائے گی۔ راستے میں انہوں نے اسماعیل کو فون کیا۔

''میں تمہاری دوکان پر آرہا ہوں۔'' تھوڑی دیر بعد وہ موچی گیٹ میں انٹر ہو چکے تھے۔ انہوں نے پھر اسماعیل کو فون کیا۔''مین روڈ پر میری گاڑی کھڑی ہے۔ تم تھوڑی دیر کے لیے آسکتے ہو؟''

''ملک صاحب میں ابھی آیا۔'' واقعی وہ فوراً پہنچ گیا تھا۔

''آؤ بیٹھو۔'' اسماعیل فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''خیریت ہے ملک صاحب!''

''اسماعیل کہیں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں کچھ گپ شپ بھی ہو جائے گی۔'' وہ اسماعیل بخش کی بات اگنور کر کے بولے۔''سامنے کوئی ہوٹل ہے۔''

''جی ہاں ملک صاحب یہ ریڈ بلڈنگ کے دائیں ہاتھ اچھا ہوٹل ہے۔ گاڑی کو تھوڑا ریورس کر کے سامنے ٹرن لے لیں۔'' بلڈنگ کے قریب ہی ریستوران تھا انہوں نے سائیڈ پر گاڑی لگا دی تھی۔

دونوں ہوٹل کے اندر آگئے۔ ویٹر کو دو کپ چائے کا آرڈر کرتے قدرے تنہا گوشے میں آکر بیٹھ گئے۔ اسماعیل سوچ رہا تھا آج تو ان کے گھر والوں نے آنا تھا۔ پھر ملک صاحب مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ ملک مصطفیٰ علی گویا ہوئے۔

''دکان پر کاریگر تو ہیں ناں۔''

''جی ہاں ایک کمپنی کا آرڈر ہے، ہفتہ تک وہ پورا کرنا ہے۔''

''اچھی بات ہے مولوی صاحب کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔''

''ہوں۔ اکثر فون پر اُن سے سلام دعا ہوتی رہتی ہے۔ فیکٹری میں مصروف تھا اِن دنوں مولوی صاحب سے بات نہیں کر پایا۔''

''ملک صاحب میں نے آپ کے آفس کے لیے ایک فریم تیار کیا ہے لوحِ قرآنی کا، جاتے ہوئے وہ لیتے جائیے گا۔''

''اسماعیل اس تکلف کی بھلا کیا ضرورت تھی۔''

''ملک صاحب تکلف کیسا! آپ تو ہمارے محسن ہیں۔''

''اسماعیل مجھے شرمندہ مت کرو۔ جو بھی ہوا وہ خدا کا حکم تھا۔ میں تو بس سبب بنا اسماعیل اچھے لوگوں کے ساتھ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ مولوی صاحب کا گھرانہ۔ دین دار گھرانہ ہے ایسے فصیح لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی حکمتیں، مصلحتیں ضرور ہم سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ لیکن ہماری بہتری انہی میں ہوتی ہے۔'' برملا ہلکا سا دباؤ بڑھا تھا اُن کے گھمبیر تا لہجے میں۔ اسماعیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

چائے خاصی مزے دار تھی۔ ایسے کھلے ڈلے ماحول میں یوں بیٹھ کر تیز پتی دودھ والی چائے پینا ملک مصطفیٰ علی کو اچھا لگ رہا تھا بلکہ وہ انجوائے کر رہے تھے۔

''اسماعیل کل میں نے فون پر تم سے بات کی تھی کہ میرے گھر والے آئیں گے؟''

''جی ہاں۔''

''اسماعیل مجھے بعد میں احساس ہوا مجھے خود تم سے بات کرنی چاہیے تھی، فون کی بجائے۔'' اسماعیل خاموش تھا۔'' آج شام کو میری والدہ اور بھابی تمہارے گھر آ رہی ہیں۔ میں نے اُن کے سامنے آپ کے گھرانے کا ذکر کیا۔ میری بھابی کا تجسس ایسا بڑھا کہ انہوں نے کہا کہ ہم فوراً مولوی صاحب کی فیملی سے ملیں گے۔''

''ملک صاحب وہ ضرور تشریف لائیں۔ کل آپ کا فون آیا تھا تو میں نے اپنی والدہ سے ذکر کیا تھا۔''

''پھر؟'' ملک مصطفیٰ علی نے سوالیہ نظروں سے اسماعیل کی طرف دیکھا۔

''انہوں نے کہا ضرور آئیں مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں لیکن ہمارا گھر اُن کے شایانِ شان نہیں ہے۔''

''ارے اسماعیل آپ لوگ ایسا کیوں سوچتے ہو۔ چھوٹے بڑے گھروں سے فرق نہیں پڑتا۔ دلوں میں کتنی وسعت ہے؟ یہ بات اہمیت رکھتی ہے۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔'' اسماعیل مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ مولوی صاحب کی طرف سے انہیں فکر تھی اللہ پاک مدد فرمائے گا۔

یہ سوچ کر ملک مصطفیٰ علی مطمئن ہو گئے تھے۔

''اسماعیل چائے تو مزے دار ہے مزید چائے کا آرڈر دو۔''

''نکے دو دودھ پتی فٹافٹ لے کر آؤ۔'' اسماعیل بخش نے قریب سے گزرتے لڑکے سے کہا۔

''صاحب ابھی لایا۔'' وہ فوراً پلٹ گیا، پانچ منٹ بعد وہ دو کپ لیے حاضر تھا۔

☆......☆......☆

واپسی پر ملک مصطفیٰ علی کو گاڑی میں پیٹرول ڈلوانا تھا۔ سی این جی بند ہونے کی بنا پر پیٹرول پمپ پر گاڑیوں کی لمبی قطاریں انتظار کی کوفت سے دوچار تھیں۔ اُن کے آگے آٹھ دس گاڑیاں تھیں۔ آج فیکٹری سے لیٹ ہوا ہی ہوا، پیچھے بھی ایک طویل لائن لگی ہوئی تھی۔ وہ واپس بھی نہیں مڑ سکتے تھے۔ چلو پھر انتظار کرتے ہیں۔'' وہ انگلیوں کی پوریں آہستہ آہستہ اسٹیئرنگ پر مار رہے تھے۔ انہوں نے زیدی صاحب کو فون کر دیا تھا۔ وہ پیٹرول پمپ پر ہیں انہیں دیر ہو جائے گی آفس پہنچنے میں۔

اُن کی نظریں ونڈ اسکرین کے باہر تھیں۔ اُن کے آگے سفید کرولا کھڑی تھی۔ یک بارگی اُن کے خیالوں کے نخلستانوں میں اُمِ فروا کا عکس جھلملایا۔ اُسے دیکھنے کو دل مچلا، کتنا عرصہ ہو گیا تھا اُسے دیکھے ہوئے۔ جب وہ مولوی صاحب کے ساتھ اُسے اُس کے گھر چھوڑنے گئے تھے۔ فی الحال ایسا ممکن نہیں تھا کہ وہ اُسے دیکھ سکتے۔ وہ اطراف پر سرسری نگاہ ڈالتے پیشانی پر ہاتھ سرسراتے۔ لیکن ذہن تھا کہ الجھتا جا رہا تھا۔ اُمِ فروا کی خوابیدہ گہری آنکھوں کی چمک بھنور بناتے عارضوں کے منعکس ہوتے رنگ اُن کی براؤنش آنکھوں میں بے چینیوں کے جال بُن رہے تھے۔

(عشق کی راہداریوں میں، زندگی کی سچ بیانیوں کی چشم کشائی کرتے

اِس خوبصورت ناول کی اگلی قسط، انشاء اللہ آئندہ ماہ اگست میں ملاحظہ کیجیے)

آزمودہ نسخہ

''تمہارا ہاتھ جل جائے گا بیٹی اور میری روپا کا سہاگ بھی اُجڑ جائے گا۔ اب ایک ہی اُپائے ہے مگر آؤ پہلے تم دیکھ تو لو میرے داماد کو خبر ہو گئی تو خون خرابے کی نوبت آجائے گی۔ میں شریف آدمی ہوں بیٹی' خون خرابے سے ڈرتا ہوں' آؤ رک کیوں گئیں۔'' وہ دونوں......

ذخیرۂ ادب سے ایک شاہکار تحریر، بطورِ خاص آپ کے لیے

رام سرن داس نے تلک دھاری بوڑھے پنڈت سے نظر ہٹا کے اپنے آدمی کی طرف حیرت آمیز غصے سے دیکھا۔ ''تم نے تو کہا تھا کوئی بدمعاش لاؤ گے؟''

''یہی وہ بدمعاش ہے سرکار!'' اُس کے آدمی نے جواب دیا۔

''کوئی چھٹا ہوا بدمعاش لاؤ۔ اس بے چارے سے......''

''ان داتا۔'' بوڑھے پنڈت نے دونوں ہاتھ باندھ کر اُسے ٹوکا۔ سیوا کا موقع دیے بغیر آپ میرے گن کیسے جان سکتے ہیں؟''

''تمہارے گن بھی جان لیں گے بابا۔'' رام سرن داس نے کہا۔ ''یہاں تو بڑے بڑے گنی ہتھیار ڈال کے اپنی اپنی راہ ہولیے ہیں۔''

''میرے پاس کوئی ہتھیار ہے ہی نہیں اَن داتا! اس لیے میرے ہتھیار ڈالنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''سرکار!'' رام سرن داس کا آدمی بولا۔ ''بڑے کام کا آدمی ہے۔ اس کا دھندا ہی یہ ہے۔''

''آپ کو اپنی تسلی کرنا ہے اَن داتا۔ تو ابھی فون کر کے سیٹھ اجیت بھائی سے میرے بارے میں ساری پوچھ تاچھ کر لیجیے۔''

''مگر یہ کام بڑا ٹیڑھا ہے۔ کیا نام ہے تمہارا بابا۔''

''سب لوگ مجھ مورکھ کو پنڈت جی کہتے ہیں اَن داتا۔'' پنڈت جی نے رام سرن داس کو بتایا۔

''ہمارا پنڈت بڑا پہنچا ہوا ہے سرکار' آپ بے فکر ہو کر اپنا کام سونپ دیجیے۔''

''چلو ٹھیک ہے' تمہیں بھی دیکھ لیتے ہیں بابا۔ پنڈت جی بولو کتنے پیسے لو گے؟''

''صرف پانچ سو روپے اَن داتا۔''

''بہت زیادہ رقم ہے۔''

''میں اپنی فیس سدا کام پورا ہونے کے بعد

وصول کرتا ہوں میرے داتا۔

''چلو منظور ہے۔ بولو کیا اسکیم ہے؟''

''اسکیم وسکیم کچھ نہیں شری مان۔ آپ مجھے اپنا وہ خالی کمرا رہنے کے لیے دیجیے اور بس؟''

''اتنا آسان کام نہیں ہے۔ پنڈت جی! وہ بڑا جھگڑالو آدمی ہے۔''

''مگر وہ جھگڑے گا کس سے دیالو؟ میں بالکل جھگڑالو نہیں ہوں۔ آپ بے فکر رہیے۔''

''بے فکر کیسے رہوں؟ میرا تو کھانا پینا اُس نے حرام کرر کھا ہے۔''

''آپ نچنت رہیں دیالو! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اچھا رام رام۔''

☆......☆

دوسرے دن شام کو وید بھوشن دفتر سے لوٹا تو اپنی بیوی کو بے انتہا خوش دیکھ کے سوال کیا۔ ''کیا بات ہے؟''

''رام سرن داس نے اپنا خالی کمرا کرائے پر اُٹھا دیا ہے۔''

''تو اس میں اتنی خوشی کی کیا بات ہے؟''

''بڑے اچھے لوگ آئے ہیں۔ ایک بوڑھے پنڈت جی ہیں اور ایک اُن کی بیٹی۔ اُس کا نام روپا ہے۔ اُس کا پتی پانی کے جہاز میں انجینئر ہے۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہتی ہے۔ بڑی اچھی ہے۔''

''بڑی اچھی ہے، تم سے بھی۔''

''اتنی سندر ہے، میں آپ کو کیا بتاؤں۔''

''نہیں کچھ تو بتاؤ۔''

''اس میں مذاق کی کیا بات ہے؟ آپ اسے دیکھیں گے تو۔''

''خالی پیٹ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ جلدی

جلدی کھانا لگاؤ۔''

''میں نے اُن سے کہا تھا آج وہ کھانا یہیں کھالیں۔ بس آتے ہی ہوں گے آپ بیٹھیے۔ میں دیکھتی ہوں' ابھی تک کیوں نہیں آئے۔''

''ہم آگئے' ہیں بیٹی!'' باہر صحن سے آواز آئی۔ ''لو آگئے۔''

''یہ ہیں وہ پنڈت جی اور یہ ان کی بیٹی روپا اور میرے پتی۔''

''نمستے۔''

''نمستے۔''

''جیو بیٹا تمہاری سب کا منائیں پوری ہوں۔''

''آپ بیٹھ جائیے۔''

''لو بیٹھ گیا۔ تم بھی بیٹھ جاؤ روپا' آؤ بیٹھو۔''

''آپ کا داماد پانی کے جہاز میں انجینئر ہے؟''

''ہاں بیٹا! ایک کمپنی کے مال لے جانے والے جہاز میں تین سال ہو گئے۔ ایک مہینے کی چھٹی پر شادی کے لیے آیا تھا۔ پھر اس کی شکل نہیں دیکھی۔''

رام بھوشن کی بیوی روپا کے ہاتھ دھلا رہی تھی اور رام بھوشن روپا کے گورے' گول مٹول ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا تھا جو ایک ہی جان کے دو بے چین انگوں کے مانند ایک دوسرے سے جڑ کر ہل ہل کر اُجلے ہو رہے تھے۔ رام بھوشن بڑا نیک طینت اور اصول پرست نوجوان تھا۔ اپنے سامنے رکھی ہوئی شیشے کی اَن بریک ایبل پلیٹ کی طرح' جو گر کر بھی ٹوٹنے سے بچ جاتی ہے۔

''ارے کیا کر رہے ہیں آپ؟'' اُس کی بیوی نے کہا۔ ''شیشے کی پلیٹ ہے' ٹوٹ جائے گی۔''

رام بھوشن نے پلیٹ سے ہاتھ ہٹا لیا۔ اَن بریک ایبل گلاس ٹوٹتا ہے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے خالی ہاتھ کی پشت سے آنکھ مل مل کر گویا اپنی شرافت کی چبھن نکالنے لگا۔

''چلیے کھانا شروع کیجیے۔''

دوسری شام کو پنڈت جی نے رام بھوشن اور اُس کی بیوی کو کھانے پر مدعو کیا۔ پیتل کے برتن' جن پر بڑی صاف قلعی کی ہوئی تھی اتنی صاف کہ اُن پر گندے نشان بھی پڑے ہوں تو دُھلے دُھلے معلوم ہوں۔

رام بھوشن کی بیوی کو تعجب ہو رہا تھا کہ اُس کا پتی سدا اپنے ہاضمے کی خرابی کو روتا رہتا ہے پھر کیوں اندھا دھند کھائے جا رہا ہے؟

''اور لیجیے نا؟''

''بس۔'' کہہ کے اُس نے روپا کے ہاتھوں سے ایک پھلکا اور لے لیا۔

''پیٹ کا دھیان رکھیے۔'' اُس کی بیوی نے آواز دی۔

''پیٹ کا دھیان رکھنا تو استریوں کا کام ہے دیوی!''

''پنڈت جی کا جواب سیدھا سادھا تھا پر رام بھوشن کی پتنی شرما گئی۔

''بیٹا رام بھوشن۔'' پنڈت جی کو بات سے بات سوجھی۔'' ہمارا آنگن سونا سونا ہے۔ اگر بھگوان جلدی سے ہمیں ایک پوتا دے دے' تو سارا سارا دن اس سے کھیلتا رہوں۔''

رام بھوشن کی نوعمر پتنی نے اندھی اندھی خوشی سے اپنا دوپٹا ماتھے سے نیچے سرکا لیا اور رام بھوشن نے اُس کا اندھا پن محسوس کر کے روپا کی طرف نظر اٹھائی جو تپتے ہوئے سفید آلو کے مانند اُس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''آلو؟''

''نہیں۔'' حسب سابق نہیں کہہ کے اُس نے آلو لینے کے لیے تھالی روپا کی طرف بڑھا دی۔

بھی بھی آگ پر ہانڈی پکتی رہی۔

☆......☆

پندرھویں روز رات کے ساڑھے دس بجے پنڈت جی رام بھوشن کی بیوی کو رامائن کی کتھا سے اُٹھا کے مندر سے باہر لائے اور سرگوشی میں اُس سے گویا ہوئے۔

''بیٹی' میری اور تمہاری عزت کی بات ہے' تم بھی گھر سے باہر تھیں اور میں بھی' میں اپنے وقت سے پہلے گھر لوٹ آیا اور......''

''ہوا کیا ہے پنڈت جی؟''

''آؤ میرے ساتھ چلو' اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔''

''پر ہوا کیا؟'' رام بھوشن کی پتنی کو دل و دماغ میں اپنے شیشے کے اَن بریک ایبل برتنوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔

''آؤ بیٹی! رُکو نہیں چلو آؤ۔''

وہ دونوں اپنے گھر کی جانب قدم اٹھا رہے تھے۔

''اب ایک ہی اُپائے ہے' اِس بات کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو' جو ہوا سو ہو گیا۔ معاملہ اس سے آگے نہ بڑھے۔ تمہارا گھر بھی بسا رہے بیٹی اور میری بیٹی کا گھر بھی نہ اُجڑے۔''

''ہائے' آخر ہوا کیا ہے پنڈت جی؟''

''جو نہیں ہونا چاہیے تھا' میری بیٹی اور تمہارا پتی۔''

''اپنے پتی کی شرافت کی سوگند کھانے کے لیے میں آگ میں ہاتھ ڈال سکتی ہوں۔''

''تمہارا ہاتھ جل جائے گا بیٹی اور میری روپا کا سہاگ بھی اُجڑ جائے گا۔ اب ایک ہی اُپائے ہے مگر آؤ پہلے تم دیکھ تو لو' میرے داماد کو خبر ہوگئی تو خون خرابے کی نوبت آجائے گی۔ میں شریف آدمی ہوں بیٹی' خون خرابے سے ڈرتا ہوں' آؤ' رُک کیوں گئیں۔''

وہ دونوں مکان میں داخل ہوئے تو پنڈت جی نے آہستہ سے کہا۔ ''دبے پاؤں چلو۔''

وہ دونوں دم سادھے پنڈت جی کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ رام بھوشن روپا سے کہہ رہا تھا۔ ''میری پتنی کی پروا نہ کرو رُوپا! تم مجھے جان سے زیادہ پیاری ہو۔''

''کاکا وید بھوشن۔'' دفعتاً پنڈت جی نے با آواز بلند کہا۔ ''دروازہ کھول دو۔''

خاموشی!

موتی مالا

☆ سب سے بڑی خواہش ہر انسان کو خوش کرنے اور اسے متاثر کرنے کی خواہش ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ انسان نہ متاثر ہوں گے اور نہ خوش۔

☆ دنیا کو جب رات کی تاریکی کے بعد روشنی میسر آتی ہے تو اس کی نظریں خود بخود آسمان کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔

☆ حقیقت آئینے کے عکس کی طرح ہے۔ آپ قریب ہو جاؤ' وہ قریب ہوتا ہے۔ آپ دُور ہو جاؤ وہ دُور ہو جاتا ہے۔ آپ سامنے سے ہٹ جاؤ' وہ بھی ہٹ جاتا ہے۔

☆ ہم پرانے لوگوں کو یاد کرتے ہیں اور نئے لوگوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم ماضی کو معیار بنا لیتے ہیں اور حال کی زندگی کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں سکون کیسے مل سکتا ہے؟ وہ لوگ چلے گئے' وہ زمانہ بیت گیا۔ اس کی یاد حال کو بدحال کر دے گی۔

☆ جب انسان کے دل میں روشنی نہ ہو' وہ چراغوں کے میلے سے کیا حاصل کرے گا۔

واصف علی واصف کی نگارشات سے زبیدہ اکرم۔ کراچی کا انتخاب

''کھولو کاکا! تمہاری پتنی بھی میرے ساتھ یہاں کھڑی ہے۔'' حلق میں پھنسی پھنسی خاموشی!
''اگر تم نے فوراً دروازہ نہ کھولا۔'' وید بھوشن کی بیوی نے چلا کر کہا۔ ''تو میں چیخنا شروع کردوں گی۔''
ہڑبڑائی ہوئی خاموشی۔ دروازہ کھل گیا۔ روپا نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے قدموں پر گرا کر اپنا منہ ڈھانپ لیا۔
پنڈت جی نے اندھیرے میں وید بھوشن کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کوئی تجربہ کار چور مالِ غنیمت دیکھتا ہے اور پھر بارعب تحمل سے بولے۔
''میں بڑا غریب اور شریف باپ ہوں کاکا وید بھوشن! اب ایک ہی اُپائے ہے اگر تم اپنی پتنی کو لے کر کل سویرے سدا کے لیے یہاں سے چلے جاؤ تو ہم دونوں کی شرافت بنی رہے گی۔ میں ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا......''
''آپ دیوتا ہیں پنڈت جی۔'' وید بھوشن کی بیوی نے اپنے پتی کی طرف زہر بھری نظر سے دیکھ کر کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔ ''میں اب ایک منٹ بھی ان کو اس مکان میں نہیں رہنے دوں گی۔''

☆......☆

سولہویں دن پنڈت جی رام سرن داس کے سامنے حاضر ہوئے 'لائیے دیالو میرے پانچ سو روپے۔''
''ہاں بھئی مان گئے تمہیں، وید بھوشن مکان کی چابی دے گیا ہے۔''
''میری فیس۔''
''ہاں دیتا ہوں بابا۔''
رام سرن داس کے آدمی نے فوراً کہا۔ ''سرکار نے کرائے داروں کو اتنی ڈھیل دے رکھی ہے کہ بدمعاش مکان کے مالک بن بیٹھتے ہیں۔''
اُسی وقت رام سرن داس بولے۔ ''اب میرے مکان کی پوری قیمت وصول ہوگی' لاؤ تم بھی اپنے کمرے کی چابی' یہ لو تمہارا پانچ سو روپیہ۔''
''دھنیہ واد دیالو۔''
''اور تمہارے کمرے کی چابی؟''
پنڈت جی نے رقم گن کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لی۔
''اَن داتا۔'' میں نے اپنی بیٹی کو یہاں بلا لیا ہے۔ جب تک ہمارے رہنے کو کوئی اور مکان نہ ملے دیالو۔''
رام سرن داس اچھل پڑا۔ ''دیکھو گرو میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں چلے گی' چابی لاؤ' ورنہ میرے آدمی تمہارا خون پی جائیں گے۔''
''میرا خون پی کے کسی کو آنند پراپت ہو مائی باپ تو مجھے کوئی عذر نہیں مگر میں اپنی جوان بیٹی کو لے کر کہاں جاؤں؟ ہاں ایک کام کریں تو بات بن سکتی ہے۔'' پنڈت جی کی آواز بڑی سرل تھی۔ ''میں نے ایک خالی کمرا دیکھ رکھا ہے۔ پر مالک! مکان کا مالک پگڑی کے ڈھائی ہزار مانگتا ہے۔ اگر آپ میرے بھاڑے کے دو ہزار بڑھا دیں تو اپنے ماتھے پر آپ کی دھول کا تلک لگالوں۔''
''میری دھول تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔''
''دیوتاؤں کی دھول سستی تھوڑی ہوتی ہے دیالو' آپ ہی سوچیے۔ میں اپنی جوان بیٹی کو لے کر کہاں جاؤں؟''
''میرے پاس لے آؤ۔'' رام سرن داس نے غصے سے لال پیلے ہو کر پنڈت جی کو گالی دی۔
''آپ ہی کے پاس لے آؤں گا مائی باپ۔'' پنڈت جی نے بڑی شانتی سے اسے جواب دیا۔ ''انکار کیا تو میری شرافت گھربار کے بغیر ویشیا لگے گی۔''

☆☆......☆☆

دوشیزہ میگزین

- رنگِ کائنات
- دوشیزہ گلستاں
- نئے لہجے، نئی آوازیں
- یہ ہوئی نا بات
- لولی وُڈ، بولی وُڈ
- نفسیاتی اُلجھنیں اور اُن کا حل
- کچن کارنر
- حکیم جی!
- بیوٹی گائیڈ

اسماء اعوان

ستائیسویں شب

حضرت علیؓ فرماتے ہیں جو کوئی بھی رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو بعد نماز عشاء انا انزلنا پڑھے، اسے ہر مصیبت سے نجات ملے گی اور ہزار فرشتے اس کے لیے جنت کی دعا کریں گے۔

مرسلہ: معصومہ رضا۔ کراچی

قرآن کی آیات اوران کی فضیلت

1) سورۃ یسین ہر صبح پڑھنے والا جنتی ہوگا۔

2) سورۃ واقعہ پڑھنے والا فقروفاقے سے دور ہوگا۔

3) سورۃ عصر پڑھنے والوں کا خاتمہ سلامتی ایمان پر ہوگا۔

4) سورۃ اخلاص بکثرت پڑھنے سے حضورﷺ نے جنت کی خوش خبری دی ہے۔

5) سورۃ قریش پڑھ کر کھانا کھانے سے آدمی نظر بد سے محفوظ رہتا ہے۔

6) ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت عطا کرے گا۔

مرسلہ: مسز نوید ہاشمی۔ کراچی

تم بن عید

نظر جو چاند پہ کی دل میں مسکرائے تم
دعا کو ہاتھ اٹھائے تو یاد آئے تم
بہار آئی صباء آئی ہر خوشی آئی
سب آئے عید کے مہماں مگر نہ آئے تم

پسند: ماہین خاور۔ سیالکوٹ

اقوال زریں

☆ روزی وہ چیز ہے جو اس کو تلاش نہ بھی کرے پھر بھی، اس کو پہنچ جاتی ہے۔

☆ دوسروں کے حالات ہمیں اور ہمارے حالات دوسروں کو اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

☆ عقل مند اپنے عیب خود دکھاتا ہے جب کہ بے وقوف کے عیب دنیا دیکھتی ہے۔

☆ ظالمو کے ساتھ خاموشی سے زندہ رہنا خود ایک جرم ہے۔

☆ طنز وہ تیر ہے جو سمندر میں بھی بھگو کر مارا جائے تو اس کی چبھن کم نہیں ہوگی۔

مرسلہ: سعدیہ عابد۔ کراچی

سمجھداری

بیگم صاحبہ: رمضو یہ تمہاری بہت بری عادت ہے کہ تم دستک دیے بغیر منہ اٹھائے کمرے میں چلے آتے ہو۔

نوکر: بیگم صاحبہ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں اندر آنے سے پہلے ہمیشہ دروازے کے سوراخ میں سے جھانک لیتا ہوں کہ اندر آپ کیا کر رہی ہیں۔

مرسلہ: ارسلان حیدر۔ گلشن اقبال کراچی

ماں کا حق

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی ماں کی بہت خدمت کی، اس کی بیماری کا علاج کروایا، اسے سہولتیں فراہم کی، اس کے پاؤں دبائے اس طرح ہم نے ماں کا حق ادا کر دیا ایسے لوگوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری عمر ریت کے ذروں، بارش کے قطروں اور درخت کے پتوں جیسی ہو اور تم اس ساری زندگی میں اپنی ماں کی خدمت کرتے رہو تو تب بھی تم اپنی ماں کا صرف ایک حق ادا نہیں کر سکتے جو اس نے نو ماہ تک اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا، اس سے سمجھ لیں کہ ماں کی کتنی عظمت اور فضیلت ہے۔ آپ نماز پڑھیں روزے رکھیں لیکن یاد رکھیں اگر آپ کی ماں آپ سے ناراض ہے تو آپ کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں۔

مرسلہ: مسز توقیر مہدی۔ لندن

عید کا دن

گئے برس کی عید کا دن کیا اچھا تھا
چاند کو دیکھ کر اس کا چہرہ دیکھا تھا
دعا کے بے آواز الوہی لمحوں میں
وہ لمحہ بھی کتنا دلکش لمحہ تھا
ہاتھ اٹھا کر جب آنکھوں ہی آنکھوں میں
اس نے مجھ کو اپنے رب سے مانگا تھا

انتخاب: رضوانہ کوثر۔ لاہور

اپنی ہی بیوی

ایک مولوی صاحب گاؤں کی مسجد میں درس دے رہے تھے۔ روزوں کے بدلے آپ کو جنت میں اپنی ہی بیوی حوروں کی سردار بن کر ملے گی یہ سن کر ایک دیہاتی نے پاس بیٹھے آدمی کو کہنی ماری اور آہستہ سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ''پتر ہور رکھ روزے۔''

مرسلہ: ڈاکٹر سہیلا کاظمی۔ کلفٹن کراچی

عید کا چاند

عید کا چاند نظر آئے گا جس دم ہم کو
ہم ترے وصل کی اے دوست دعا مانگیں گے
ہم جو برسوں سے ہیں تنہاء کے صحرا میں مقیم
اب ترے عہد رفاقت کی گھٹا مانگیں گے

انتخاب: خولہ عرفان

نشانے باز

ایک ماہر نشانے باز کے پاس ایک اخباری نمائندہ انٹرویو کرنے کے لیے گیا۔ کمرے میں بہت سی آنکھیں بنی ہوئی تھیں اور ہر آنکھ پر بالکل ٹھیک نشانہ لگا ہوا تھا۔ اخباری نمائندہ بہت امپریس ہوا اور اس نے پوچھا۔ آخر آپ ایسا نشانہ کس طرح لگاتے ہیں؟'' شکاری نے فخریہ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ یہ کون سا مشکل کام ہے۔ پہلے ہم نشانہ لگاتے ہیں پھر اس نشانے پر آنکھ بنا دیتے ہیں۔

مرسلہ: یاسمین اقبال۔ سنگھ پورا لاہور

سوچنے کی بات

کسی نے ایک درویش سے پوچھا دنیا میں سب دکھی کیوں ہیں۔

درویش نے ہنس کر جواب دیا خوشیاں سب کے پاس ہیں بس ایک کی خوشی دوسرے کا درد بن جاتی ہے۔

مرسلہ: نیلم اسلم (اینکر سماٹی وی کراچی)

چارپائی

ایک عورت کے گھر کچھ مہمان آگئے تو وہ پڑوسن سے ایک دن کے لیے چارپائی مانگنے گئی۔ پڑوسن نے معذرت کرتے ہوئے کہا'' بہن میں کبھی انکار نہ

کرتی لیکن ہمارے گھر میں صرف دو چار پائیاں ہیں۔ایک پر میں اور میری بہو سوتے ہیں اور دوسری پر میرا بیٹا اور شوہر سوتے ہیں۔عورت جل کر بولی۔ چار پائی نہیں دینا ہے تو نہ دو لیکن سویا تو ڈھنگ سے کرو۔''

انتخاب: شعبان کھوسہ۔کوئٹہ

تلخ حقیقت

ہم بھی گزرے ہوئے
وقت کی طرح گزر جائیں گے دوست!
پہلے ہر روز کسی کو
پھر کبھی کبھی کسی کو
پھر کبھی نہ کبھی کسی کو
پھر کبھی نہ کسی کو یاد آئیں گے

پسند: نگہت غفار۔کراچی

اللہ دے سادگی

ایک سردار جی کتے کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ایک آدمی آیا اور بیٹھنے سے قبل اس نے سردار جی سے پوچھا۔''آپ کا کتا کاٹتا تو نہیں ہے۔''

''سردار جی بولے۔بالکل بھی نہیں۔

آدمی جیسے ہی بیٹھا کتے نے اُسے کاٹ لیا۔وہ غصے سے چلا کر سردار جی سے بولا۔''آپ تو کہتے تھے کہ آپ کا کتا کاٹتا نہیں ہے۔'' سردار جی نے اطمینان سے جواب دیا۔یہ کتا میرا نہیں ہے۔

مرسلہ: ندیا معسود۔کراچی

وجہ

ہاسپٹل کے آئی سی یو وارڈ کے ایک پلنگ پر ہر اتوار کو موجود مریض کی انتہائی ڈرامائی صورت میں ٹھیک 11 بجے موت واقع ہو جاتی تھی سب ڈاکٹرز نے اس غیر معمولی صورت حال کی وجہ جاننے کے لیے اتوار کی صبح گیارہ بجے سے ٹھیک سات منٹ پہلے اس مخصوص پلنگ کے مریض کے پاس بہت خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔5 منٹ بعد وارڈ کا دروازہ کھلا اور پارٹ ٹائم جمعدار اندر داخل ہوا اور اس نے جلدی سے اس پلنگ کا لائف سپورٹ پلگ سسٹم نکالا اور اپنا موبائل چارج پر لگا دیا۔

مرسلہ: احسن رضا اسلام آباد

جدائی

یوں تو پہلے بھی ہوئے اس سے جدا کئی بار
لیکن اب کے نظر آتے ہیں کچھ آثار جدا
دو گھڑی، اس سے رہو، دور تو یوں لگتا ہے
جس طرح سایہ دیوار سے دیوار جدا
یہ جدائی کی گھڑی ہے کہ جھڑی ساون کی
میں جدا گریہ کناں، ابر جدا، یار جدا

پسند: شہر یار وحید۔نوشہرہ

عطا

ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پھولوں کا ٹوکرا عطا کرنے کے موڈ میں ہوتا ہے اور ہم صرف ایک پھول کی ضد لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔

زاویہ: اشفاق احمد

انتخاب: انزا نقوی۔کراچی

سگار

شوہر اچانک گھر پہنچا تو دیکھا کہ میز پر رکھی ہوئی ایش ٹرے میں سگار سلگا ہوا رکھا ہے۔وہ بیوی پر برس پڑا۔دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔شوہر نے چلاتے ہوئے پوچھا۔میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں سچ سچ بتاؤ آخر یہ سگار آیا کہاں سے ہے؟

کپڑوں کی الماری سے ایک ڈری کانپتی آواز آئی۔''سنگاپور سے۔''

مرسلہ: ریحانہ مجاہد۔کراچی

انوکھی ہڑتال

ہڑتالیں تو آپ نے بہت سی دیکھی ہوں گی لیکن دنیا میں جو سب سے پہلی ہڑتال ہوئی وہ فرعون کے مزدوروں نے کی تھی ان کا مطالبہ غذا میں پیاز شامل کرنے کا تھا یہ ہڑتال سب سے انوکھی تھی۔

مرسلہ: شہناز جعفری۔ فیصل آباد

وہ شخص

نظر نظر میں ادائے جمال رکھتے تھے
ہم ایک شخص کا کتنا خیال رکھتے تھے
جبیں پہ آنے نہ دیتے تھے ایک شکن بھی کبھی
اگرچہ دل میں ہزاروں ملال رکھتے تھے
خوشی اس کی ہمیشہ نظر میں رہتی تھی
اور اپنی قوتِ غم بھی بحال رکھتے تھے

پسند: یاسمین رضا۔ ڈیفنس کراچی

رشتہ

ہر رشتہ معصوم پرندے کی طرح ہوتا ہے اگر سختی سے پکڑو گے تو مر جائے گا اگر نرمی سے پکڑو گے تو اڑ جائے گا لیکن اگر محبت سے پکڑو گے تو ساری زندگی ساتھ نبھائے گا۔

مرسلہ: افشاں رضا۔ اسلام آباد

عید پہ تیری دید

ہے دید تیری بس عید میری
بن تیرے کچھ بھی راس نہیں
کیا کرنے ہیرے موتی کا
گر ساجن میرے پاس نہیں
گر عید پہ تیری دید ملے
تن مور بنے من رقص کرے
ہونٹوں سے دعائیں ہوں جاری
آنکھوں میں خوشی کے دیپ جلے
میں لاکھ چھپوں دھیرے سے چلوں
چوڑی بھی بجے کنگن کھنکے
جب عید بھی ہو تجدید بھی ہو
کیا اور بھلا مانگوں رب سے
جیون ہو بہاروں کا مسکن
پیار کی پھر برکھا برسے
گر عید پہ تیری دید ملے
تن مور بنے من رقص کرے

شاعرہ: فاطمہ نجیب۔ راولپنڈی

عید کا چاند اور میرا ساجن

عید کے چاند کی بات کریں کیا، وہ تو جھلملاتا ہے
دور سے اپنی چھب دکھا کے بادل میں چھپ جاتا ہے
جیسے میرا پیارا ساجن اپنی راہ دکھاتا ہے
اک لمحے میں میرے دل کو پیار سے گدگداتا ہے
دوجے پل میں جانے پھر کیوں مجھ سے روٹھ جاتا ہے
ہے تو اچھا لیکن سکھیوں گھڑی میں تولہ ماشا ہے

شاعرہ: شگفتہ شفیق۔ کراچی

محبت

محبت ایک جذبہ ہے جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ محبت کا تعلق جسم سے نہیں بلکہ روح سے ہوتا ہے۔ اس میں شکل وصورت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا مگر فانی دنیا میں اس پرخلوص جذبے کی کوئی قدر نہیں کی جاتی۔ محبت کرنے والوں کی زندگی انتظار اور پریشانیوں کا حصہ بن جاتی ہے جو آخری سانس تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی، مگر اس میں محبت کرنے والوں کا کوئی قصور نہیں ہوتا کیونکہ محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں، اس کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اگر وہ شخص ہمیں چھوڑ بھی جائے تو ہماری دعا ہوتی ہے کہ وہ جہاں رہے خوش رہے کیونکہ انسان محبت کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔

مرسلہ: گل رعنا۔ کراچی

نئے لہجے نئی آوازیں

عید مبارک

عید سب کو مبارک مبارک
دن خوشی کا یہ سب کو مبارک
آج چھت پر حسین اک سماں ہے
عید کا چاند سب پر عیاں ہے
ہاتھ اٹھے ہیں دعا کے لیے یوں
اے خدا سب سلامت رہیں یوں
مہندی لگوانے سب جا رہے ہیں
مل کے گانے بھی سب گا رہے ہیں
میرے کپڑے گلابی رو پہلی
چوڑیاں ہیں کھنکتی سنہری
جشنِ کا اک ایسا سماں ہے
معصومہ پھول تڑوا رہی ہے
سارے گھر کو یوں سجو رہی ہے
عید پر گفٹ انزاء ہے دیتی
پیارے بچوں کو خوشیاں ہے دیتی
ہر طرف بکھری قوس و قزح ہے
عید کا کتنا دلکش سماں ہے
عید کا دن ہو انزاءِ مبارک
لاکھوں خوشیاں ہو انزاء مبارک

شاعرہ:انزاءنقوی۔کراچی

غزل

دل لبھاتا رہا ستارۂ شب
جھلملاتا رہا ستارۂ شب
دن میں آنسو بہائے جب ہم نے
یاد آتا رہا ستارۂ شب
غمِ فرقت نے جب کیا بے چین
مسکراتا رہا ستارۂ شب
ظلمتِ شب کی وحشتوں میں جمال
کام آتا رہا ستارۂ شب

شاعر:سمیع جمال۔کراچی

پہلی بارش کی پہلی خواہش

کل موسم کی پہلی بارش برسی
میرے دل میں یہ خواہش جاگی
کہیں سے اک شخص انجانا سا
جو لگتا ہو دیوانہ سا
بارش سے بچنے کی خاطر
کچھ شرما کر کچھ گھبرا کر
میرے دروازے پہ دستک دے

شاعرہ:راحت وفاراجپوت۔لاہور

کب سے خیالوں کے بھنور میں

کب سے خیالوں کے بھنور میں الجھی
اک بھولی بھالی معصوم سی لڑکی
پلکوں سے آس کے موتی چُنتی
سمندر کے کنارے یادوں کے گھروندے بناتی
سندر سپنے...... بُنتی
امید کے صحرا میں بھٹکتی
نگر، نگر، قریہ، قریہ، بستی بستی
اک بھولی بھالی معصوم سی لڑکی
کب سے خیالوں کے بھنور میں الجھتی

شاعرہ:مسز نگہت غفار۔کراچی

محبت

محبت کم نہیں ہوتی، کسی بھی موڑ پہ جاناں
کسی بھی راہ میں ہمدم، یہ آنکھیں نم نہیں ہوتیں
تمہاری راہ میں دلبر، تمہاری چاہ میں دلبر
تمہارے ساتھ چلنے کی، یہ خواہش کم نہیں ہوتی
یہ آنکھیں تو تمہاری ہیں، یہ زلفیں تو اناڑی ہیں
کبھی کھیلو تم ان سے بھی، یہ چاہت کم نہیں ہوتی
تمہاری مہک سانسوں میں، تمہاری یاد راتوں میں
تمہارا ذکر باتوں میں یہ باتیں کم نہیں ہوتیں
شاعرہ: عائشہ شفقت۔ ساہیوال

عید آنے والی ہے

سب کے اپنے قصے ہیں
اپنی اپنی باتیں ہیں
اپنی اپنی خوشیاں ہیں
سب کی اپنی یادیں ہیں
یاد کے جھروکوں سے
جھانکتی ہے خاموشی
خاموشی کو توڑوں تو
عرض مختصر سی ہے
ہم بھی گنگنا اٹھیں
تم بھی مسکرا جاؤ
عید آنے والی ہے
اب کے تم بھی آ جاؤ
شاعرہ: فرح علی۔ کراچی

رہائی

بکھری ہیں زلفیں چہرے پہ گھٹا چھائی ہے
لگتا ہے آج پھر اسے بے وفا کی یاد آئی ہے
وہ جو کہتی تھی سدا تیرا ساتھ نبھاؤں گی
ان جھوٹی قسموں کو یاد کر کے میری آنکھ بھر آئی ہے
وہ جو کرتی تھی باتیں ہمیشہ ساتھ نبھانے کی
آج اس نے اپنی اک نئی دنیا بسائی ہے
تھک چکا ہوں اب تو اسے یاد کر کے تابش
اس کی یادوں سے یہ دل اب چاہتا رہائی ہے
شاعر: علی حسنین تابش۔ چشتیاں۔

بہت دن ہو گئے

بہت دن ہو گئے مجھ کو......
میں خود سے مل نہیں پائی
مجھے کچھ ساعتیں لوگو! میرے ہی ساتھ رہنے دو
میں اپنے دکھ، میں اپنے سکھ
جو کہہ لوں گی اکیلے میں
تسلی خود کو دے لوں گی، کسی کو دکھ نہیں دوں گی
کسی کو دکھ بتا کر کون سا دکھ دور ہوتا ہے
میری ہے دوست تنہائی گلے مجھ کو لگا لے گی
میرے ہم رازِ شب آنسو دامن میں چھپا لے گی
کوئی بھی تنگ نہیں ہوگا مجھے بھی غم نہیں ہوگا
بہت ہنستی ہوں سب کے سنگ
مجھے کچھ دیر رونے دو
مجھے تنہائی میں کچھ دیر
اُس کے سنگ رہنے دو
شاعرہ: خولہ عرفان۔ کراچی

زندگی

زندگی ہے کتاب کی صورت
اور تم پہلے باب کی صورت
زندگی اک بہار کی صورت
اور تم کھلتے گلاب کی صورت
زندگی ہے پیار کی صورت
اور تم سچے اظہار کی صورت
شاعرہ: تمثیلہ لطیف۔ پسرور

سوال آپ کے......
جواب زین العابدین کے!!

اِس ماہ راحت۔ واہ کینٹ کا سوال انعام کا حق دار ٹھہرا۔ انہیں اعزازی طور پر دوشیزہ گفٹ ہیمپر روانہ کیا جارہا ہے (ادارہ)

یاسمین اقبال۔ سنگھ پورہ۔ لاہور

☺: ہم ہمیشہ خیالی پلاؤ ہی کیوں پکاتے ہیں۔ کوئی میٹھا، شیٹھا کیوں نہیں پکاتے؟

✍: شوگر چیک کروالیں۔

بصیرہ۔ کراچی

☺: زین جی! وہ عید کے دن کیا سرپرائز دیں گے؟

✍: اپنی آنکھوں میں سرمہ لگا کر آئیں گے۔

اریبہ ناز۔ گھوٹکی

☺: بھیا! اگر وہ اس عید پر بھی روٹھے رہے تو؟

✍: بی بی! خاصا مالی نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔

مسرت شاہ۔ حیدرآباد

☺: بھائی جان! میں عید پر کیسا جوڑا بناؤں؟

✍: اچھی بہن! آپ پیلے رنگ کا جوڑا بنالیں جو جلد ہی آپ کی مایوں میں بھی کام آجائے گا۔

بوٹا سنگھ۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

☺: بھائی جی! ذرا جلدی سے بتایئے داماد+ سسرال+ عید......؟

✍: بابا جی! یہ تو سراسر بجٹ کی تباہی کا اشارہ ہے۔

ثریا پری۔ جہلم

☺: بھائی جان! بارش میں بھیگ کر مجھے کیا ہو جاتا ہے؟

✍: علامات تو نزلہ، بخار کی ہیں۔

صفیہ کنول۔ لیاری ایکسپریس، کراچی

☺: میری ساس ہر وقت گانے کیوں گاتی رہتی ہے؟

✍: ارے بھئی! آپ کی امی کی حرص میں اور کیوں۔

ثمینہ اشفاق۔ چھانگا مانگا

☺: زین بھائی گنجے شوہر کے لیے کون سا شیمپو مناسب رہے گا؟

✍: پیاری بہن وہی شیمپو استعمال کراؤ جو فری میں مل جائے۔

شفق سلطان۔ مریدکے

☺: زین جی! زن مرید کی پہلی خامی؟

✍: ارے......زن مرید میں کوئی خامی نہیں ہوتی۔

شمیم ربانی۔ سکھر

☺: بھائی! میری بڑی نند مجھ سے عیدی کیوں مانگتی ہے؟

✍: آپا جی! آپ ہر سال اُن کے بچوں کی عیدی جو کھا جاتی ہیں۔

اصغری۔ پاکپتن

☺: کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے، بھلا کیا؟

✍: کبھی کبھی کیوں آتا ہے، روز کیوں نہیں آتا۔

ناہید کنول۔ گجر خان

☺: بھیا! عید آنے والی ہے مگر......؟

✍: ان کی اماں شادی کی تاریخ لینے نہیں آ رہی ہیں۔یہی ٹینشن ہے نا آپ کو۔

انیس فاطمہ۔ پتوکی

☺: عید کا چاند چمک رہا ہے دل دیوانہ دھڑک رہا ہے؟

✍: لگتا ہے آپ کی بارات آنے والی ہے عید کے تیسرے دن۔

سویرا شاہ۔ میلسی

☺: بھیا جی! بجا جاگیردار ہیں ان سے کیا عیدی لوں؟

✍: بہن آپ ان سے جاگیریں لے لیں۔

فوزیہ فرحین۔ گجرات

☺: بھیا جی! میں حیران ہوں کہ عید پر اچانک اُن کے پاس پیسے کہاں سے آ جاتے ہیں؟

✍: پیاری بہن! آخر وہ پورا رمضان سحری میں

لوگوں کو جگاتا ہے۔ اتنا تو حق بنتا ہے کہ جیب بھاری کر لے۔

میمونہ۔ آزاد کشمیر

☺: بھائی! اگر کوئی شخص بغیر لکھا عید کارڈ بھیجے تو کیا سمجھنا چاہیے؟

✍: سو سمپل! وہ لکھنا ہی نہیں جانتا۔

عکاشہ راحیل۔ فیصل آباد

☺: زین جی! وہ کہتے ہیں کہ تم دنیا کی سب سے

خوبصورت لڑکی ہو، کیوں؟

✍: زیادہ خوش نہ ہوں، وہ ہر لڑکی سے یہی کہتے ہیں۔

کوثر خان۔کوہاٹ

☺: بھیا! اگر وہ عید پر نہ آئیں تو؟

✍: عید زیادہ پُرسکون گزرے گی آپ کی۔

تہمینہ خان۔باغ

☺: بھیا! حالانکہ میں نے پورے روزے رکھے ہیں پھر بھی میرا وزن کم نہیں ہوا کیوں......؟

✍: گڑیا! افطاری کی میز سے کہاں اٹھتی تھیں آپ۔

شجاعت حسین۔مِٹھی

☺: زین جی! آئینہ کب جھوٹ بولتا ہے؟

✍: ......اکثر بولتا ہے۔

شاہدہ شاہ۔صوابی

☺: بھیا! ماہ رمضان میں محمد رمضان نے رمضان شاہد سے کیا کہا تھا؟

✍: یہی کہ میں پورے روزے رکھتا ہوں۔

فہم الصباء۔راولپنڈی

☺: بھیا! وہ عید کی نماز پڑھتے ہی سیدھے ہمارے گھر کیوں آتے ہیں؟

✍: ارے! آپ کی اماں کو سلام کرنے اور آپ کے ہاتھ کی سویاں کھانے کا یہی تو بہانہ ہے۔

ثناء کنول۔لودھراں

☺: پیارے بھائی! ساس اور نندوں سے بچنے کے لیے کون سے ٹیکے لگوانے چاہییں؟

✍: اوہ! فوری طور پر تشدد سے بچاؤ کے ٹیکے لگوائیں۔

مریم شان۔لاہور

☺: بھیا! وہ منہ کیوں بناتے ہیں؟

✍: پریشان نہ ہوں ایسا ہی منہ ہے ان کا۔

راحت۔واہ کینٹ

☺: بھیا! کوئی نسخہ ایسا بتاؤ کہ میرے چاند کی چندیا پر بہار آئے......!؟

✍: آپ فوراً انہیں سفید ململ کی ٹوپی پر پھول کاڑھ کر پہنا دیں۔

افشاں احمد۔اسلام آباد

☺: زین جی! عید پر سویوں اور عیدی کے علاوہ اور کون سی چیز اہم ہوتی ہے؟

✍: اس کے علاوہ اہم چیز کسی کی 'دید'۔

نفیسہ بیگم۔چک شہزاد

☺: زین! بہت سی خواتین صرف چاند رات کو ہی شاپنگ کرتی ہیں، کیوں؟

✍: آنٹی! یہ وہ خواتین ہوتی ہیں جو دس روپے کی چیز پچاس روپے میں خرید کر خوش ہوتی ہیں۔

کوپن برائے

اگست 2015ء

نام: ____________

پتا: ____________

ماہنامہ دوشیزہ کراچی ڈائجسٹ میں اشتہار کیوں دیا جائے؟

- ......پاکستان کا یہ واحد رسالہ ہے، جس کا گزشتہ بیالیس برس سے چار نسلیں مسلسل مطالعہ کر رہی ہیں۔
- ......اِس لیے کہ جریدے میں شائع ہونے والے اشتہارات پر قارئین بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔
- ......اِس میں غیر معیاری اشتہار شائع نہیں کیے جاتے۔
- ......پوری دنیا میں پھیلے، اِس کے لاکھوں قارئین متوسط اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، جو مستند اور معیاری مصنوعات کی خریداری کو ترجیح دیتے ہیں۔
- ......اِس لیے کہ دوشیزہ ڈائجسٹ کو گھر کا ہر فرد یکساں دلچسپی سے پڑھتا ہے۔
- ......جریدے کے ہر شمارے کو قارئین سنبھال کر رکھتے ہیں۔
- ......اِس جریدے کے بڑی تعداد میں مستقل خریدار ہیں، جو اندرون اور بیرون ملک پھیلے ہوئے ہیں۔
- ......آپ کی مصنوعات کے اشتہار با کفایت اُن تک پہنچ سکتے ہیں۔
- ......جریدے کی اعلیٰ معیار کی چھپائی آپ کے اشتہار کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔

شعبہ اشتہارات: دوشیزہ کراچی

II 88-C۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون نمبر: 021-35893121 - 35893122

قصہءِ چاند رات

اب سے کچھ برس پہلے چوڑیاں بیچنے اور پہنانے کا کام صرف خاندانی طور پر ہی چلتا تھا اور چوڑیاں پہنانے والی، 'منیاریاں' ہی زیادہ تر اس پیشے میں تھیں۔ مگر جب ہمارے نوجوانوں نے 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' کو صرف 'جمہوریہ' بلکہ روشن خیال جمہوریہ، بنتے دیکھا تو......

اُس خاص رات کا احوال، جس کی رونقیں اپنا ہی مزہ رکھتی ہیں

چاند رات کے تصور کے ساتھ ہی ذہن میں اک عجب سی خوشی اور تازگی کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ عیدالفطر کی چاند رات زیادہ مقبول اور مشہور ہے کیوں کہ اس کا تعلق چاند نظر آنے یا نہ آنے سے ہے، اس کے برعکس عیدالاضحی کی چاند رات تقریباً فکس سمجھی جاتی ہے، ویسے بھی نوجوان طبقے کی تقریباً ساری خوشیاں عید الفطر کی چاند رات سے منسوب ہوتی ہیں۔ جب کہ عید الاضحی کی چاند رات تو بکروں کی خریداری کی منصوبہ بندی سے منسلک ہوتی ہے۔ ہمارے بڑے بڑے شعرائے کرام نے چاند رات کے حوالے سے خوب خوب شاعری کی جو کہ نوجوانوں (ٹین ایجر) اور جوانوں (بیس سال سے اسی سال کی عمر والوں) میں بے حد مقبول رہی اور خوب سراہی گئی۔ مثلاً:

عید کا دن ہے گلے آج تو مل لے ظالم
رسمِ دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے، دستور بھی ہے

جب چاند رات کو ہی تیری دید ہوگئی
جاناں ہماری رات کو ہی عید ہوگئی

چاند اگر 29 کی شام کو نظر آ جائے تو لوگوں میں عجیب سی خوشی کے ساتھ ساتھ بھگدڑ بھی مچ جاتی ہے (کچھ 'چاند' تو 29 کی رات سے پہلے ڈھونڈ لیے جاتے ہیں، اور زیادہ تر چاند 29 کو نظر آ جاتے ہیں، باقی رہا عید کا چاند، وہ نظر آئے یا نہ آئے، ہماری مسجد کے مولوی صاحب چاند دیکھ لیے جانے کا اعلان کر ہی دیتے ہیں!) کیوں کہ ہمارے یہاں عید کے حوالے سے بہت سے کام اور بہت سی تیاریاں چاند رات تک ملتوی رکھی جاتی اور اسی رات کو مکمل کرنے کے لیے مخصوص سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً لڑکیوں کا مہندی لگوانا، چوڑیاں پہننا، لڑکوں کا حجامت بنوانا خواہ وہ حجام سے بنائی جائے یا لڑکیوں کے سرپرستوں اور بعض صورتوں میں 'براہِ راست' لڑکیوں کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ ایک شاعر نے ایسے موقع کے لیے ہی شاید یہ شعر کہا تھا:

چاند کے ساتھ کئی درد پرانے نکلے
کتنے غم تھے جو ترے غم کے بہانے نکلے

اسی طرح عید کے کپڑوں کی استری، خواتین

میں پکوان کی تیاری، گھر کی نئی تزئین و آرائش اور اہتمام سے صفائی ستھرائی وغیرہ شامل ہے۔

اگر دیکھا جائے تو ہمارے ہم وطن چاندرات کو ہی عید کا سارا مزہ لوٹ لیتے ہیں۔ عید والا دن تو نمازِ عید کے بعد کپڑے بدل کر شام تک سونے میں ہی کٹ جاتا ہے۔ چاندرات کی اپنی ایک خوبصورتی ہے۔ وہ ہلے گلے والی انجوائے منٹ کہلاتی ہے۔ جس میں جوان اور نوجوان بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

اب سے کچھ برس پہلے چوڑیاں بیچنے اور پہنانے کا کام صرف خاندانی طور پر ہی چلتا تھا اور چوڑیاں پہنانے والی، منیاریاں' ہی زیادہ تر اس پیشے میں تھیں۔ مگر جب ہمارے نوجوانوں نے 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' کو صرف 'جمہوریہ' بلکہ روشن خیال جمہوریہ' بنتے دیکھا تو فٹافٹ گھروں سے میزیں کرسیاں لاکر اور برانڈڈ جینز اور ٹی شرٹ پہن کر فٹ پاتھوں پر چوڑیاں بیچنے بیٹھ گئے اور ماں باپ یہ سوچ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ بیٹے کو 'پیسہ کمانے' کا طریقہ سلیقہ آرہا ہے۔ لڑکوں کے اس عمل سے اصلی چوڑی فروش بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے اپنی دکان پر پاپ کارن مشین اور تازہ چپس کا کنگر رکھ دیا اور یوں ان کی دکانوں کی رونق لوٹ آئی اور لڑکے اپنی میزیں کرسیاں سمیٹ واپس اپنے بلوں میں چلے گئے۔

ہمارے ٹی وی چینل بھی چاندرات کے خصوصی پروگرام بالخصوص میوزیکل نائٹ اور ڈرامے پہلے سے ریکارڈ کر کے رکھ لیتے ہیں جو کہ نوجوان طبقے کے لیے خصوصی کشش اور دلچسپی کا باعث ہونا چاہیے۔ مگر لطف یہ ہے کہ چاندرات کو وہ پروگرام صرف بزرگ اور والدین ہی دیکھتے ہیں کیوں کہ نئی نسل تو شاپنگ کا بہانہ کر کے سڑکوں پر بغیر سائلنسر والی موٹر سائیکلیں چلا رہی ہوتی ہے اور امیر طبقے کے نوجوان اپنی اپنی گاڑی کے اسپیکر زفل والیوم کے ساتھ کھول کر گلی گلی گھوم رہے ہوتے ہیں، اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ رمضان کے ختم ہوتے اور عید کا چاند نکلتے ہی حضرت ابلیس پیرول پر رہا ہو گئے ہیں۔ اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ لوگ انہیں 'خوش آمدید کہنے' بازاروں اور سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔

ذرا تصور کیجیے کہ اگر ہم اپنے 'دیدۂ بینا'' سے حضرت ابلیس کو دیکھ سکتے تو کیا منظر ہوتا کہ موصوف کلف لگی شلوار قمیض پہنے (یہ ابلیس صاحب کے اپنے ٹیسٹ پر منحصر ہے) گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے پورے ملک کا دورہ کر رہے ہیں اور دوسرے دن اخبار کی سرخیاں کچھ اس طرح لگی ہوئی ہیں۔

محترم جناب عزت مآب حضرت ابلیس نے رہائی کے اگلے ہی لمحے ایک ہنگامی اور طوفانی دورہ کیا جو کہ دو گھنٹے کا تھا۔ (پرواز) یہ بھی کہ حضرت ابلیس کے موڈ پر ہے کہ وہ ہوائی سفر کرتے ہیں یا پیدل مارچ، مگر لوگوں کی بے پناہ محبت اور جوش و جذبے کی وجہ سے یہ دورہ بارہ گھنٹوں میں ختم ہوا۔

حضرت ابلیس نے اپنے مختصر بیان میں لوگوں کا اعتماد سے ووٹ لیا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ اگلے گیارہ مہینے لوگوں کے بیچ گزاریں گے کیوں کہ انہیں بنی آدم سے ازلی پیار ہے۔ اسی پیار و محبت کی وجہ سے انہوں نے وعدہ بھی کیا کہ وہ قیامت کے حساب کتاب کے بعد اپنے چاہنے والوں کو اپنے ساتھ رکھیں گے اور انہیں روٹی کپڑا اور مکان کی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے اس عہد کا بھی بھرپور عزم کیا کہ وہ اپنی ایک مہینے کی غیر حاضری کو جلد از جلد 'کور' کرنے کی کوشش کریں گے اور انہیں نوجوان نسل سے پوری امید ہے کہ ان کے خواب کی تعبیر کے لیے ان کا بھرپور انداز میں ساتھ دیں گے۔

کچھ خواتین چاندرات کے نام پر کسی جگہ ڈھولکی کا اہتمام کرتی ہیں۔ جس میں گانے بجانے کے

ساتھ ساتھ مہندی لگانے کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ اور مہندی لگانے والی خواتین اس رات کو 'منہ مانگے' پیسے لیتی ہیں۔ ان کا موقف ہوتا ہے کہ سال میں کمانے کے دو ہی تو مواقع آتے ہیں۔

ایک مرتبہ ہم نے بڑے مزے کا سین دیکھا۔ وہ گھر بالکل بیچ بازار میں تھا۔ اور ہم پارکنگ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان لوگوں کے گھر کے سامنے گاڑی پارک کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ گھر کا مین گیٹ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ ایک خاتون شلوار کے پائنچے چڑھائے، ہاتھوں کو ہوا میں معلق کیے (جن پر تازہ تازہ مہندی لگی، ان کے معلق ہونے کی وجہ بتا رہی تھی) زور زور سے کچھ بولے جا رہی تھیں۔ جب ہماری نظر گھر کے اندر پڑی تو ہم نے دیکھا ایک 'جمعدار صاحب' سر پر پگڑ باندھے ایک ہاتھ میں جھاڑو اور دوسرے میں پانی کا پائپ اور وائپر لیے بڑی 'شدت خلوص' کے ساتھ فرش دھو رہے ہیں اور وہ خاتون بڑے غصے میں بلکہ باقاعدہ ڈانٹ کے انداز میں انہیں گائڈ کر رہی ہیں کہ یہ کونا بھی صاف کرو، گملوں کے پیچھے بھی پانی ڈالو، مٹی جمی ہوئی نظر آ رہی ہے...... پہلے تو یہ سین دیکھ کر ہمیں وہ جمعدار صاحب...... بڑے اچھے لگے کہ محترمہ کے بلانے پر نائٹ ڈیوٹی دینے آگئے ہیں...... مگر...... ہائیں...... یہ کیا؟؟ جب محترمہ اور وہ جمعدار صاحب فرش صاف کرتے ہوئے دہلیز تک آئے تو جمعدار صاحب کا فون بجا اور محترم جناب ''جمعدار صاحب'' نے وائپر، جھاڑو اور پائپ ایک طرف پھینکا اور جیب سے موبائل نکال کر بات کرنی شروع کی اور ہماری حیرت یہ دیکھ کر اور سن کر دو چند ہوگئی کہ واہ بھئی! یہ جمعدار صاحب تو انگریزی زبان کا استعمال بہت خوب جانتے ہیں۔ وہ بھی صحیح تلفظ کے ساتھ! چند ہی لمحوں میں جمعدار صاحب نے کہا۔ کہ تم 'برج' کی بازی جماؤ، بس میں بھی تمہاری بھابی کو مطمئن اور خوش کر چکا ہوں۔ مہندی لگوا دی ہے، کشن کور بدل دیے ہیں، لذیذہ کے شیر خورمہ مکس کے پیکٹ لا دیے ہیں، باقی کھانے پینے کا سامان آرڈر دے دیا ہے، کل صبح آجائے گا اور فرش بھی دھو دیا ہے۔ بس میں بیس منٹ تک پہنچ رہا ہوں......'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا، اپنے سر پر سے رنگین صافہ اتار کر ان خاتون کے گلے میں ڈالا اور فرمایا: ''جانم، اب اس غلام کو اجازت ہے کہ وہ کچھ وقت دوستوں کے ساتھ گزار آئے؟''

یہ آپ قارئین کا بھی مشاہدہ رہا ہوگا کہ چاند رات منانے کی وجہ سے ہمارے نوجوانوں کی اکثریت صبح تھکن کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنے کے لیے نہیں اٹھ سکتی حالانکہ عید کی نماز کا درجہ فرض نمازوں کے فوراً بعد آتا ہے اور عیدین کی نماز واجب ہوتی ہے۔ آج کے نوجوان کے والدین کیا اپنے بچوں پر کنٹرول کھو بیٹھتے ہیں یا آج کا نوجوان بے نکیل اور منہ زور گھوڑے کی مانند ہوگیا ہے۔ جسے اپنی صحیح سمت کا اندازہ بھی نہیں نہیں ہو رہا؟ ہمارا خیال ہے آج کے والدین بچوں کو انجوائمنٹ کے لیے بہت بڑا میدان اور بہت زیادہ رعایت دے رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے ان میں نماز سے بے رغبتی بڑھتی جا رہی ہے۔ وقت کے ضیاع کا احساس ختم ہو چکا ہے...... یاد رکھیے کہ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بے نکیل گھوڑا، یہ منہ زور شہسوار کسی دن اوندھے منہ گرے اور دین و دنیا دونوں کا خسارہ ہمارے معصوم ہم وطنوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ چاند رات بھی عبادات کی رات ہے اور اس رات میں ہمیں نوافل ادا کر کے رمضان میں ہونے والی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگ لینی چاہیے۔ تاکہ رمضان المبارک کی تمام ترنیکیاں اپنے پورے وزن کے ساتھ ان کے نامۂ اعمال کی میزان میں شامل ہو سکیں۔

☆☆......☆☆

لولی وڈ بولی وڈ

ڈی۔ خان

بن روئے ماہرہ خان

لولی وڈ اسکرین کی دلنشیز کوئین ماہرہ خان جو کہ شاہ رخ خان کے ساتھ فلم رئیس سے اپنے فلمی کیریئر کا آغاز کر رہی ہیں۔ عید پر ان کی پہلی پاکستانی فلم 'بن روئے' ریلیز ہو

رہی ہے جب کہ یاد رہے عید پر سلمان خان اور کرینہ کپور کی فلم بجرنگی بھائی جان بھی ریلیز ہو رہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بن روئے یا بجرنگی بھائی جان، دونوں میں سے کون زیادہ کامیاب ہوگا۔ ہماری دعائیں ماہرہ خان کے ساتھ ہیں اور یاد رہے رئیس اور سلطان کی ریلیز دونوں ایک ہی دن متوقع ہیں۔ یعنی ماہرہ اور سلمان دوبارہ بہت تہلکہ خیز فلموں کے ساتھ آمنے سامنے آئیں گے۔

نور کی ویڈنگ بیلز

تین ناکام شادیوں کے بعد لولی وڈ کی نامور ہیروئن نور نے گلوکار حامد علی خان کے بیٹے ولی حامد خان کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان

رومانس کا سلسلہ فلم ''عشق پازیٹو'' کے دوران شروع ہوا جو بالآخر عشق پازیٹو بن کر دونوں کی رگوں میں دوڑنے لگا۔ نور نے کہا ہے کہ ہم دونوں کے درمیان محبت ضرور موجود ہے لیکن شادی کا حتمی فیصلہ نہیں کیا مگر حامد سے

شادی دھوم دھام سے کروں گی۔ (گرلوگل)

اماں کرینہ کپور

لولی وڈ کریز کرینہ کپور نے کہا ہے کہ میں سیف کے بچوں، سارہ اور ابراہیم کی سوتیلی ماں نہیں بلکہ اچھی

دوست ہوں۔ یہ دونوں بہت پیارے بچے ہیں اور دونوں کی میرے ساتھ بہت اچھی دوستی ہے۔

ممتا کلکرنی مسلمان ہو گئیں

ماضی کی خوبصورت اور ہنگامہ خیز اداکارہ ممتا کلکرنی نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کے شوہر وکی گوسوامی پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ ممتا کی شادی 10 مئی 2013 کو وکی گوسوامی کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ کینیا، نیروبی میں خوش وخرم زندگی گزار

رہی ہیں۔ ممتا کلکرنی کی لولی وڈ کی آخری فلم گھاتک تھی جس میں ان کے ڈانس نمبر ''کوئی جائے تو لے آئے'' نے دھوم مچادی تھی۔ اس کے علاوہ ممتا چائنا گیٹ، کرانتی ویر، بھوکمپ، بازی، نصیب، سب سیڑا کھلاڑی جیسی فلموں میں اپنے فن کا جادو جگا چکی ہیں جب کہ ان کی پہلی فلم 1994 میں سیف علی خان کے ساتھ عاشق آوارہ تھی۔

کنگنا، عمران کے ساتھ

تنو ویڈ منو ریٹرنز کی دھواں دار کامیابی کے بعد کنگنا رناوت کی تازہ ترین فلم ہوگی عمران خان کے ساتھ 'کیٹی بٹی'۔ نکھل ایڈوانی کی اس فلم میں عمران اور کنگنا پہلی بار ایک ساتھ نظر آئیں گے۔

سلطان میں سلمان خان کے ساتھ کون؟

سلمان خان کی فلم سلطان آنے سے پہلے ہی زبردست چرچا میں ہے کیونکہ کچھ عرصے قبل سے کہا جارہا تھا کہ سلو بھیا کے ساتھ اس فلم میں انوشکا شرما ہیروئن

ہیں۔ لیکن انوشکا نے اس بیان کر تردید کردی ہے اور کہا ہے کہ وہ ان دنوں کرن جوہر کے ساتھ 'اے دل ہے مشکل' میں بزی ہیں۔ اب سب اس فلم کی ہیروئن کے بارے میں جاننے کے لیے اتاولے ہورہے ہیں۔ جو نام اس فلم کی ہیروئن کے لیے، لیے جارہے ہیں ان میں دپیکا پڈوکون، کنگنا رناوت، اور ہیروپنتی کی ہیروئن کیرتی سینن قابل ذکر ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ کون خوش قسمت ہیروئن سلمان خان کے ساتھ سلطان میں سلطانہ بن کر رومانس کرتی نظر آئیں گی۔

ABCD-2 سپر ہٹ

بولی وڈ کی تازہ ترین فلم اے بی سی ڈی۔2۔ نے باکس آفس پر دھواں دھار کامیابی حاصل کی ہے۔ اس فلم

نے پہلے ہی ہفتے دنیا بھر میں 9 کروڑ جبکہ صرف بھارت

میں 66 کروڑ کا بزنس کیا ہے۔ یاد رہے اس فلم کے ہیرو ورون دھون جبکہ ہیروئن شردھا کپور ہیں۔ فلم پہلے ہی ہفتے میں اپنی لاگت واپس لا چکی ہے۔ 65 کروڑ کی خطیر رقم سے بنائی گئی یہ فلم انڈین سینما میں کامیابی کے نئے ریکارڈ بنانے میں کامیاب ہو چکی ہے۔

رنبیر کی دیوانی دپیکا

بولی وڈ کی نمبر ون اداکارہ دپیکا پڈوکون نے تازہ ترین انٹرویو میں کہا ہے کہ رنبیر کپور اور میرے درمیان خاص تعلق ہے، جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ وہ ہمیشہ میری

زندگی کا اہم حصہ رہے گا۔ میرے دل میں اس کے لیے آج بھی ایک نرم گوشہ موجود ہے۔ میں اُسے کبھی بھلا نہیں سکتی۔ ہم دونوں بھلے ہی اپنی زندگی میں کتنے ہی آگے چلے جائیں اور دنیا کے سامنے خود کو کتنا ہی نارمل کر لیں لیکن یہ دعویٰ نہیں کریں گے کہ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنے میں بھی اعتراض نہیں لیکن وہ تعلق جو ایک بار قائم ہو کر ٹوٹ گیا کبھی مٹ نہیں سکتا۔

راج پال یادو کی A Prayer For Rain

بولی وڈ کے کامیاب ترین ورسٹائل اداکار راج پال یادو ان دونوں ہولی وڈ کی فلم A Prayer For

Rain میں مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ فلم 1984 میں مدھیہ پردیش میں ہوئے آتنک کے اصل حقائق پر بنی ہے۔ پچھلے کچھ دنوں بھوپال میں اس فلم کی شوٹنگ میں ہولی وڈ کے اسٹار مارتھن مشن اور میشا برٹن نے حصہ لیا۔ راج پال یادو نے انڈر ٹرائل، میں مادھوری ڈکشٹ بننا چاہتی ہوں، ڈرنا منع ہے اور ڈرنا ضروری ہے جیسی یادگار فلموں میں اپنی شاندار اداکاری کے جوہر دکھائے ہیں۔

پرینیتی کہیں تو آ گے ہے

بولی وڈ اداکارہ پرینیتی بھلے سے سلام عشق اور کل دل کے ذریعے فلمی منظر نامے سے بہت دور چلی گئیں۔ لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ "عشق زادی"، فیس

ٹک کی رانی بن گئی ہیں۔ فیس بک پر پرینیتی کے چاہنے والوں کی تعداد پانچ ملین کے لگ بھگ پہنچ گئی ہے۔ پرینیتی کی پہلی فلم لڈیز ورس وکی تھی جو کہ اوسط درجے کی کامیابی حاصل کر سکی تھی۔

رنبیر کپور کا تماشا

یہ جوانی ہے دیوانی کی ریکارڈ کامیابی کے بعد رنبیر کپور اور دپیکا پڈوکون پھر سے ایک بار ناظرین کی عدالت میں امتیاز علی کی 'تماشا' میں آ رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ فلم ویورز اس جوڑی کو پھر سے کامیابی کی سند عطا کرتے ہیں یا...... ٹائیں ٹائیں فش کیونکہ رنبیر کپور کے ستارے گردش میں ہیں۔ رائے اور بمبئی ویلوٹ تاریخ ساز ناکامی سے دوچار ہو چکی ہیں جبکہ دپیکا کا جادو چل رہا ہے۔ کیا ہوگا یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔ جب تک ہم اور آپ انتظار کرتے ہیں تماشے کا...... اور یہ تماشا لگے گا اس سال کرسمس کے موقع پر۔ اس دن سنجے لیلا بھنسالی کی ڈریم مووی باجی راؤ مستانی بھی ریلیز ہو رہی ہے۔ دپیکا اس فلم میں بھی ہیروئن ہیں۔

ایشوریہ کی ہم شکل کی واپسی

سلمان خان کی فلم 'لکی' سے اپنا کیریئر شروع کرنے والی اداکارہ سنیہا الال بولی وڈ فلم 'بے زبان عشق' کے

ساتھ اپنا کم بیک کر رہی ہیں۔ دس سال قبل انہوں نے لکی میں اداکاری کی تھی، جو ان کے لیے ان لکی ثابت ہوئی اور وہ پس منظر سے غائب ہو گئیں۔ سنیہا کے لیے یہ خوش آئند ہے کہ وہ واپس آ گئی ہیں کیوں کہ بولی وڈ غائب ہونے والوں کو بہت کم موقع دیتا ہے۔ امید ہے ایشوریہ کی ہم شکل سنیہا اس بار ایشوریہ جیسی قسمت پانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

عرفان خان سب سے آگے

بولی وڈ خانز کی ساری فلمیں ایک طرف اور اداکارہ عرفان خان نے صرف ایک ہی ہولی وڈ فلم کے ذریعے کمائی اور مقبولیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے

ہیں۔ عرفان خان نے یہ کمال ہولی وڈ کی فلم جراسک ورلڈ میں کام کر کے دکھایا ہے۔ جراسک ورلڈ نے جہاں مقبولیت اور کمائی کے نئے ریکارڈ قائم کیے ہیں، وہیں بولی وڈ کے عرفان خان کی قسمت بھی عروج پر پہنچ گئی ہے۔ جراسک ورلڈ اب تک 51 کروڑ 10 لاکھ ڈالر کما چکی ہے یعنی انڈین کرنسی کے مطابق 32 ارب، 43 کروڑ، 87 لاکھ روپے۔ اس حساب سے عرفان خان نے بولی وڈ خانز کی کمائی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ جن کی کئی فلمیں 100 کروڑ کلب میں شامل ہیں۔ اس فلم کی دھواں دھار کمائی اور مقبولیت سے عرفان خان بے حد خوش ہیں۔

سیانے میں نرگس فخری ہٹ

بولی وڈ کے نامور فلم ساز کرن جوہر نے کہا ہے کہ فلم 'سیانے' میں نرگس فخری نے شاندار پرفامنس کا مظاہرہ کرتے ہوئے دل جیت لیا ہے۔ فلم میں نرگس نے ایک مختصر رول پلے کیا ہے امید ہے کرن کی بھرپور حوصلہ افزائی نرگس بولی وڈ کی بہت بڑی فلم میں چانس کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہیں۔

نفسیاتی اُلجھنیں اور اُن کا حل

مختار بانو طاہرہ

زندگی اپنے ساتھ جہاں بہت ساری خوشیاں لے کر آتی ہے وہیں بہت سارے ایسے مسائل بھی جنم لیتے ہیں جو اس زندگی کو مشکلات کے شکنجے میں جکڑ لیتے ہیں ان میں سے بیشتر الجھنیں انسان کی نفسیات سے جڑی ہوتی ہیں اور انہیں انسان از خود حل کر سکتا ہے۔ یہ سلسلہ بھی اُن ہی الجھنوں کو سلجھانے کی ایک کڑی ہے۔ اپنے مسائل لکھ بھیجیں ہماری کوشش ہوگی کہ آپ ان مسائل سے چھٹکارہ پالیں۔

امبرین۔ جیکب آباد

❁: باجی میری شادی کو ایک سال ہوا ہے میں ابھی تک اپنے گھر میں سکون سے نہیں رہ سکی۔ کوئی بھی بات ہو، ساس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ سب لوگ اپنے معمول کی زندگی گزار رہے ہیں، کسی کو ان کے آنسوؤں کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ میں ان کو روتے ہوئے دیکھتی ہوں تو کھانا نہیں کھایا جاتا۔ ان کے ساتھ بیٹھا نہیں جاتا۔ بات کرتے ہوئے گھبراتی ہوں کہ کہیں دل نہ دکھ جائے کیوں کہ دکھا ہوا دل دُکھانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ میں نے کئی بار پوچھا، وہ کچھ نہیں بتاتیں۔ معمولی بات پر بھی معافی مانگتی رہتی ہیں۔

☆ آپ کا خط پڑھ کر خوشی ہوئی اس لیے کہ ایک بہو کو اپنی ساس کی آنسوؤں کی فکر ہے۔ آپ کے دل میں ان کی بہتری کے لیے جذبہ ہے۔ جو لوگ بار بار روتے ہیں ان کے آنسو وہ اثر نہیں رکھتے۔ جو کبھی کبھار اور کسی بات پر رونے والوں کے اثر رکھتے ہیں۔ ساس ڈپریشن کا شکار معلوم ہوتی ہیں۔ اس مرض سے متاثرہ فرد کو اپنے آنسو روکنے پر اختیار نہیں ہوتا۔ اس کی شخصیت عام لوگوں سے بدلی ہوئی نظر آتی ہے ان میں بعض لوگ خود کو قصور وار سمجھتے ہیں اور دوسروں سے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات ان کو اپنا ذہن خالی خالی محسوس ہوتا ہے۔ اس وقت کسی کی بات کا جواب نہیں دیتے۔ ڈپریشن کی تشخیص کے لیے رونے کے علاوہ اور بھی کئی اہم علامات کا جاننا ضروری ہوتا ہے مثلاً بھوک اور نیند میں خلل، تھکاوٹ، احساسِ جرم، خودکشی کا رجحان وغیرہ۔ بعض اوقات جسمانی امراض بھی ڈپریشن کا سبب بنتے ہیں۔ بڑی عمر میں طبی معائنہ ضروری ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر کے مشورے سے ان کے علاج کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

فائزہ گل۔ خضدار

❁: پیاری باجی! میں نے کہیں پڑھا تھا خریداری کرنے سے ڈپریشن کم ہوتا ہے، جیسے ہی امتحان سے فارغ ہوئی کزن کو ساتھ لیا اور جو دل چاہا خریدا، نتیجتاً ساری بچت ختم ہوگئی۔ ہوسٹل کے کرائے اور یونیورسٹی کی فیس کا مسئلہ ہوا۔ باوجود اس کے کہ گھر والے خوشحال ہیں۔ اب اپنی خوشی کے لیے کیا کروں۔ تعلیم حاصل کرتے ہوئے تنہائی اور بوریت کا شکار ہو جاتی ہوں، کسی کو پتا چل گیا کہ مجھے

ڈپریشن ہوتا ہے تو اچھی بات نہ ہوگی، یہ بھی ڈر ساتھ ہے۔

☆ اکثر لوگوں کو خریداری کرنے میں لطف آتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے لیے پیسہ کمانا پڑتا ہے۔ طالب علم اگر صبر سے کام نہ لیں اور اپنی خواہشات کو قابو میں نہ رکھیں تو یہ دور بہت مشکل اور بور ہوگا۔ اگر دیکھا جائے تو اس وقت بھی آپ علم حاصل کر رہی ہیں اور یہ وہ دولت ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ جسے علم حاصل کرنے میں لطف آجائے، وہ خریداری میں مایوسی کا علاج تلاش نہیں کرتا۔

عامرہ۔ گوجرانوالہ

:باجی جان! میرے خواب بہت عجیب ہوتے ہیں۔ پوری پوری کہانیاں ہیں۔ زیادہ تر وہ لڑکا خواب میں نظر آتا ہے جس سے میری منگنی ہوئی تھی حالانکہ اب وہ ملک سے باہر جا چکا ہے۔ میرا کوئی رابطہ بھی نہیں ہے۔ وہ مجھے پسند تھا اس لیے ہر ایک سے اُس کی تعریفیں کرتی تھی۔ اپنے خیالوں سے نکالنے کے لیے اس میں برائیاں تلاش کرتی ہوں۔ اپنی دوستوں سے برے انداز میں ذکر کرتی ہوں۔ پھر بھی جس دن وہ خواب میں آجائے، اس دن اسی کے بارے میں خیالات آتے ہیں۔ وہ برا تھا یا بھلا میری زندگی میں تو آیا۔ آخر اس خواب کی تعبیر بھی ہوگی۔ کوئی نفسیاتی وجہ ہوگی۔

☆ اکثر خواب عجیب ہوتے ہیں آپ جو خواب دیکھ رہی ہیں۔ وہ دراصل خیالات اور خواہشات پر مبنی ہیں۔ ان کے تعبیر کے حوالے سے پُر امید نہ رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لڑکے سے منگنی ہوئی مگر وہ زندگی میں نہیں آیا۔ یہ کوئی ایسا رشتہ نہ تھا جو ٹوٹنا مشکل ہو۔ صرف اچھائیاں ہی ہیں برائیاں بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خیالوں میں موجود ہے۔ کسی کو خیالوں سے نکالنے کے لیے بھلانا پڑتا ہے۔ مرضی کے خلاف فیصلے زندگی میں نیا سبق سکھاتے ہیں وہ سبق جو انسان کو نیا اور روشن مستقبل دینے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

ارمان فاطمہ۔ حویلیاں

:باجی! 20 سال پرانی بات ہے۔ میرا اپنے شوہر سے جھگڑا ہوا اور میں اپنے والدین کے گھر آگئی۔ 4 سال کے بچے کو بھی گھر پر چھوڑ آئی تھی۔ دوسرے دن شوہر اس کو لے کر مجھے لینے آگئے۔ میں نے بچے کو روتا دیکھ کر سمجھوتا کر لیا۔ آج یہی بیٹا اپنی مرضی سے شادی کرنے پر تیار ہے۔ باپ کو اعتراض نہیں لیکن مجھے تو دُکھ ہے۔ اتنا بڑا فیصلہ اس نے اکیلے ہی کر لیا۔ شوہر ضدی اور غصے کے تیز ہیں، ان کو میں نے بیٹے کی خاطر برداشت کیا، اب وہ میری ضد میں بیٹے کے فیصلے پر اعتراض نہیں کر رہے۔ بیٹا کہتا ہے آپ راضی نہیں تو میں شادی نہیں کروں گا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح ضدی ہے۔

☆ اتنا بڑھا ہوا غصہ جس کی وجہ سے ازدواجی تعلقات اچھے نہ رہ سکیں، علیحدگی تک نوبت پہنچ جائے، مریضانہ ہوتا ہے اس کیفیت کو مزاج یا عادت نہیں سمجھنا چاہیے۔ یقیناً آپ نے صبر اور برداشت کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی لیکن بچے نے اپنے ماحول سے جو سیکھا، وہی اس کی شخصیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ آپ کے شوہر کسی بھی وجہ سے اگر انکار نہیں کر رہے ہیں تو یہ ان کا مثبت رویّہ ہے۔ آج کل کے ماحول میں لڑکے اور لڑکیاں اپنی پسند کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ غور کیا جائے تو بیٹا آپ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اور دوسری صورت میں شادی نہ کرنے کی بات کر رہا ہے۔ آپ کو بھی چاہیے کہ اس لڑکی سے مل لیں، اور وہ آپ کو بھی پسند آہی جائے۔

☆☆......☆☆

نادیہ طارق

عیدالفطر کے بابرکت موقع پر ہم آپ کے لیے عید کی مناسبت سے کچھ بہت منفرد اور لذیذ ڈشز کی رسیپیز لائے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ اِس تہوار کے موقع پر آپ ان ڈشز کے ذریعے اپنی فیملی اور احباب کے دل جیتنے میں ضرور کامیاب ہوں گی۔ عید مبارک۔

ربڑی کھیر

اجزاء

تازہ دودھ	2 کلو
چاول (بھیگے اور پسے ہوئے)	آدھی پیالی
چینی	پون پیالی
ربڑی	آدھا کلو
کیوڑہ	ایک کھانے کا چمچہ
بادام ' پستے (باریک کٹے ہوئے)	4 کھانے کے چمچے /سجانے کے لیے

ترکیب:

دودھ گرم کرکے چاول ڈالیں اور چاولوں کے گلنے تک پکائیں۔ اس میں چینی شامل کرکے گاڑھا ہونے تک پکائیں' پھر کیوڑہ' ربڑی' بادام اور پستے ڈال کر خوب اچھی طرح سے ملائیں۔ اسے بادام' پستے سے سجائیں اور خوب ٹھنڈا کرکے پیش کریں۔

عربین چنک سلاد

اجزاء:

ہرے زیتون	50 گرام
ٹماٹر	100 گرام
سفید پیاز	100 گرام
ہری مرچیں	4-6 عدد
زیتون کا تیل	2 کھانے کے چمچے
کھیرا	100 گرام
پسی ہوئی مرچ	1 چٹکی
پنیر کیوبز	400 گرام
سفید پنیر	100 گرام

ترکیب:

پنیر کے چھوٹے کیوبز بنائیں اور اس میں زیتون کا تیل اور پسی مرچ ملائیں' ساتھ میں سفید پنیر بھی ملا کر ایک ڈش میں رکھ دیں اور ساری سبزیاں بہت چھوٹے سائز میں چوکور کاٹیں اور زیتون ثابت رہنے دیں۔ ڈش میں پہلے سبزیاں ڈالیں' پھر پنیر اور سب سے آخر میں زیتون اوپر ڈال کر ٹھنڈا کرکے پیش کریں۔

ماش کی دال کے دہی بڑے

اجزاء:

ماش کی دال	1 پیالی
پیاز	1 عدد

لہسن	4 جوئے
ادرک	1 درمیانہ ٹکڑا
بادام	8 عدد
میٹھا سوڈا	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسبِ ذائقہ
تیل	2 پیالی
دہی	سوا کلو
دودھ	1 پیالی
ثابت لال مرچیں	8 عدد
سفید زیرہ	1 کھانے کا چمچہ
چینی	1 کھانے کا چمچہ

ترکیب:

ماش کی دال کو ایک گھنٹے کے لیے بھگو دیں، بھیگی ہوئی دال کو ادرک، لہسن اور پیاز کے ساتھ باریک پیس لیں۔ بادام کے چھلکے اتار کر انہیں پیس کر ماش کی دال میں ملا دیں، ساتھ ہی سوڈا شامل کر کے تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ ایک پیالے میں ایک کلو دہی لے لیں اور اس میں دودھ، چینی اور نمک ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ ایک پیالے میں سادہ پانی اور دوسرے میں باقی پھینٹی ہوئی سادہ دہی بھر کر رکھ لیں۔ ماش کی دال کے آمیزے کو چمچے کی مدد سے گرم تیل میں ڈالیں اور سنہری رنگ آنے تک تلیں۔ تیار ہونے والے بڑوں کو ایک ایک کر کے پانی میں ڈالیں۔ 2 منٹ کے بعد ہاتھ سے دبا کر بڑوں کا پانی نکالیں اور انہیں دہی کے پیالے میں ڈال دیں۔ ایک سرونگ ڈش میں تیار کی ہوئی آدھا دہی ڈالیں، اس کے اوپر تیار ہونے والے بڑے رکھ کر باقی دہی اوپر سے ڈال دیں۔ دہی بڑوں کے اوپر چھڑکنے والا مسالا تیار کرنے کے لیے ثابت لال مرچ اور سفید زیرہ بھون کر باریک پیس لیں۔ ماش کی دال کے مزے دار دہی بڑوں پر بھنا ہوا مسالا چھڑک کر املی کی کھٹی میٹھی چٹنی کے ہمراہ پیش کریں۔

حلیم

اجزاء:

گوشت (پکا ہوا)	1 کلو
گندم (کٹی ہوئی)	1 کلو
چنا، مونگ، مسور، ماش کی دالیں	ایک ایک پاؤ
باجرہ (کٹا ہوا)	آدھا کلو
جو، جوار (دونوں ملا کر کٹا ہوا)	آدھا پاؤ
چاول	ایک پاؤ
پیاز (درمیانی)	3 عدد
لہسن	2 گٹھی
گرم مسالا پاؤڈر	2 کھانے کے چمچے
دھنیا پاؤڈر	2 کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر	2 کھانے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر	حسبِ پسند
نمک	حسبِ ذائقہ
سونٹھ	پون چائے کا چمچہ

ترکیب:

گندم کو اچھی طرح دھو کر دیگچے میں چڑھا دیں اور پانی بھی کافی سارا ڈال دیں۔ جب ذرا گل جائے تو اس میں جو، جوار، باجرہ بھی دھو کر شامل کر دیں اور پانی بھی مزید ڈال دیں۔ دالیں صاف کر کے بھگو دیں۔ جب آمیزہ ذرا اور گل جائے تو پہلے اس میں چنے اور ماش کی دالیں شامل کریں اور پانی بھی ڈال دیں۔ جب یہ گل جائیں تو اس میں لہسن، پیاز، گرم مسالا، دھنیا، ہلدی، لال مرچ، نمک، سونٹھ مونگ مسور کی دالیں بھی ڈال دیں اور مزید پانی شامل کر دیں۔ سب سے آخر میں چاول ڈالنے ہیں۔ چمچہ

مستقل چلاتے رہیں تاکہ آمیزہ نیچے نہ لگے۔ جب یہ آمیزہ اچھی طرح گل جائے تو اس کو گھوٹنا شروع کریں۔ کچھ دیر بعد اس میں گوشت شامل کرنا ہے۔ پھر خوب اچھی طرح گھٹائی کریں تاکہ تمام چیزیں یکجان ہو جائیں۔ آخر میں پیاز کا بگھار لگا دیں۔

گارنش کے لیے: لیموں، ہری مرچ، ہرا دھنیا، پیاز، ٹماٹر، ادرک اور چاٹ مسالے سے سجا دیں۔ چٹ پٹی حلیم تیار ہے۔

بادامی قورمہ

اجزاء

بکرے کا گوشت	1 کلو
پیاز	4 عدد (درمیانہ سائز، باریک کاٹ لیں)
لہسن پیسٹ	2 کھانے کے چمچے
ادرک پیسٹ	2 کھانے کے چمچے
ثابت زیرہ	1 چائے کا چمچہ
لونگ	10 عدد
کالی مرچ	10 عدد
بڑی الائچی	2 عدد
دارچینی	2 ٹکڑے
چھوٹی الائچی	6 عدد
دھنیا پاؤڈر	3 چائے کے چمچے
دہی	1 پاؤ
لال مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
بادام	1 کپ (چھلکا اُتار کر دو ٹکڑے کر لیں)
تیل	ڈیڑھ کپ

ترکیب:

ایک دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز ڈال دیں۔ ساتھ ہی ثابت گرم مسالا ڈال دیں، جب پیاز گولڈن براؤن ہو جائے تو آدھی پیاز گرم مسالے کے ساتھ نکال لیں آدھی پیاز اور گرم مسالا دیگچی میں رہنے دیں۔ اس کے بعد اس میں ادرک، لہسن پیسٹ اور نمک ڈال دیں 2 منٹ بعد دھنیا پاؤڈر اور لال مرچ ڈال دیں۔ پانی کا چھینٹا دے کر 5 منٹ تک مسالا بھونیں پھر گوشت شامل کریں۔ جب گوشت اچھی طرح بھن جائے تو دہی اور براؤن پیاز جو رکھی تھی کچل کر ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں جب گوشت کا پانی خشک ہو جائے اور وہ گل جائے تو 5 منٹ مزید بھونیں پھر اپنی پسند کے مطابق شوربہ بنالیں۔ سرونگ باؤل میں نکال کر بادام ڈال دیں اور چپاتیوں کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

لنڈی کوتل چپلی کباب

اجزاء

قیمہ	2 کلو
گھی	2 کھانے کے چمچے
پیاز (چاپ)	4 عدد
ہری مرچ چاپ	5-6 عدد
دھنیا چاپ	1 گٹھی
کُٹی ہوئی لال مرچ	1 چائے کا چمچ
دھنیا ثابت	1 چائے کا چمچ
انار دانہ کُٹا ہوا	1 کھانے کا چمچ
نمک	1 چائے کا چمچ
ٹماٹر سلائس	حسب ضرورت
مکئی کا آٹا	3 کھانے کے چمچ
انڈے	4 عدد

ترکیب:

تمام اجزاء کو مکس کر کے (سوائے ٹماٹر سلائس کے) 2 گھنٹہ کے لیے میرنیٹ کریں۔ اب تقریباً 2 انچ موٹا اور 5 انچ گولائی میں کباب بنائیں اور پر ٹماٹر کا سلائس رکھیں اور فرائی کرتے جائیں۔ مزیدار کباب سرو کرتے جائیں۔

سویٹ یوگرٹ ٹکیاں

اجزاء

میدہ	ڈھائی کپ
بادام	ڈیڑھ کپ
گھی (پگھلا ہوا)	90 گرام
دہی	1/3 کپ
گرم پانی	1/4 کپ
عرق گلاب	1 چائے کا چمچ
گھی (الگ سے)	ڈیپ فرائنگ کے لیے
کیسٹر شوگر	1 کھانے کا چمچ
میٹھا دہی	حسب ضرورت
دہی	1 کپ
عرق گلاب	1/2 چائے کا چمچ
آئسنگ شوگر	1 کھانے کا چمچ

تیاری: ایک چھوٹے پیالے میں دہی میں عرق گلاب مکس کریں اور پھر آئسنگ شوگر چھڑک کر مکس کرلیں۔

ترکیب:

☆ایک بڑے پیالے میں میدہ چھان لیں۔ گھی مکس کریں۔ پانی اور عرق گلاب شامل کریں اور گوندھ لیں۔ اس گوندھے ہوئے مرکب سے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں اور ہتھیلی پر رکھ کر ٹکیہ بنالیں۔ ایک درمیانے ساس پین میں گھی گرم کریں۔ ٹکیوں کو اس میں ڈیپ فرائی کریں، گولڈن براؤن کرکے نکال لیں اور کسی جاذب پیپر پر رکھ دیں۔ کیسٹر شوگر پیچ کوٹ کرلیں اور سویٹ دہی کے ساتھ سرد کریں۔

انڈین برفی

اجزاء

کھویا	1 کلو
چینی	1 کلو
چاندی کے اصلی ورق	4 عدد
بادام گری	1/4 کپ

ترکیب:

☆ایک پین میں کھویا اور چینی مکس کرکے دھیمی آنچ پر رکھ کر اچھی طرح چمچ چلائیں اور کھوئے کو اس وقت تک بھونیں جب تک کہ وہ سرخ نہ ہو اور آمیزہ سخت ہو جائے۔ پھر اُسے سرونگ پلیٹ میں ڈال کر جما دیں اور چاندی کے ورق لگا دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر برفی کی طرح چکور کاٹ لیں۔ نہایت لذیذ مٹھائی ہے۔

سوہن حلوہ کلکتہ

اجزاء

نشاستہ	: 1/2 کلو
جائفل	: 3 عدد
جاوتری	: 1 انچ کا ٹکڑا
بادام گری	: 1 چھٹانک
پانی	: دو 1/4 کلو
سبز الائچی	: 1/4 کپ
ٹاٹری	: 1 چٹکی
گھی	: 2 کلو
چینی	: 2 کلو یا حسب ذائقہ
پستہ	: 1/4 کپ
زردرنگ	: 1/2 چائے کا چمچ

ترکیب:

☆ایک پین میں چینی ڈال کر ڈیڑھ کلو پانی ڈالیں تاکہ چینی اس میں خوب حل ہو جائے پھر اسی پین میں جائفل، جاوتری، ٹاٹری اور چھوٹی الائچی پیس کر ملا دیں اور پین کو مدہم آنچ پر رکھ کر چاشنی لیں اور اس مرکب کو چاشنی میں ملا دیں اور چمچ چلاتے ہوئے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ چند منٹ بعد اسی چاشنی میں پستہ بادام کی گریاں۔ چھلی ہوئی) ڈال دیں۔ جب یہ تمام مکسچر پک کر حلوے کی شکل اختیار کرلیں تو ایک بڑا چمچ گھی ڈال کر حلوے کو بھونیں جب تک کہ حلوہ گھی نہ چھوڑے۔

☆☆......☆☆

حکیم جی!

محمد رضوان حکیم

ساتھیو! اکثر ہمیں کسی ایسی بیماری سے سامنا کرنا پڑتا ہے جس کے لیے ہمیں سمندر کی تہہ یا آسمان کی بلندیوں، جنگل بیابانوں یا پہاڑوں تک پر جانا پڑ جاتا ہے مگر...... جان ہے تو جہان ہے۔ خدا اگر بیماری دیتا ہے تو اُس نے شفاء بھی دی ہے۔ قدرت کے طریقۂ علاج کا آج بھی کوئی مول نہیں۔ حکمت کو آج بھی روزِ اول کی طرح عروج حاصل ہے۔ اسی لیے طبیب اور حکیم صاحبان کو خدائی تحفہ کہا جاتا ہے۔ آپ کی صحت اور تندرستی کے لیے ہم نے یہ سلسلہ بعنوان 'حکیم جی' شروع کیا ہے۔ اُمید ہے ہمارے مستند اور تجربہ کار حکیم صاحب آپ کی جملہ بیماریوں کے خاتمے کے لیے اہم کردار ادا کریں گے۔ نیا سلسلہ حکیم جی! آپ کو کیسا لگا؟ اپنی آراء سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔

پیارے قارئین آج آپ کو، آپ کے گھر میں موجود ایک بہت اہم چیز کے ذریعے ہی آپ کے بہت سارے مسائل اور بیماریوں سے علاج کا حل بتا رہا ہوں۔ وہ ہے اجوائن (دیسی)

اجوائن۔(دیسی)

اجوائن ایک ایسی دوا ہے جس سے تقریباً ہر شخص واقف ہے۔ اس کی بو تیز ہوتی ہے۔ اس کا مزاج تیسرے درجے میں گرم وخشک ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کی مقدار خوراک تین ماشہ سے چھ ماشہ ہوتی ہے۔

اجوائن کی دو مشہور اقسام ہیں: اجوائن دیسی اور اجوائن خراسانی۔ بعض اطباء نے اس کی چار اقسام بتائی ہیں یعنی۔

1)اجوائن دیسی 2)دلجوائن 3)اجوائن خراسانی 4)اجمود

لیکن مذکورہ بالا دونوں اقسام ہی زیادہ مشہور ہیں۔ جبکہ دلجوائن، اجوائن اور اجمود کی مشابہت ضرور ہے مگر خواص کے اعتبار سے ان میں اجوائن دیسی کی نسبت خاصا فرق ہے۔

اجوائن دیسی کے پتے کچھ کچھ دھنیا پتوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان میں تھوڑی سی تیزی اور تلخی ہوتی ہے اس کا پودا سوئے کے پودے کی طرح ہوتا ہے جبکہ اس کے چھوٹے چھوٹے سفید چھتری کی طرح ملے ہوئے پھول ہوتے ہیں۔ پھولوں کے بعد چھوٹے چھوٹے بیج لگتے ہیں اور یہی اجوائن دیسی کے دانے کہلاتے ہیں۔

اجوائن (دیسی) کے فوائد:

اجوائن دیسی کھانا ہضم کرتی ہے اور بھوک بڑھاتی ہے۔ کاسر ریاح ہے۔ فساد بلغم اور اپھارہ دور کرتی ہے۔ جگر کی اصلاح کرتی ہے۔ اور اس کی سختی

میں بے حد مفید ہے۔ پیشاب اور حیض کو جاری کرتی ہے۔ گردہ مثانہ کی پتھری کو دور کرتی ہے۔ فالج اور اعصابی کمزوری والے مریضوں کے لیے مجرب

ہے۔ جسم کے بعض زہریلے مادوں کو تحلیل کرتی ہے۔ دل کو طاقت دیتی ہے اور اعصابی دردوں کے لیے بہت مفید ہے۔

اجوائن سے علاج۔

☆ اجوائن کو اگر شہد کے ہمراہ کھایا جائے تو چہرے اور ہاتھ پاؤں کی سوجن میں فائدہ دیتی ہے۔

☆ اگر اسے لیموں کے پانی میں رگڑ کر خشک کر کے سفوف بنایا جائے اور یہ سفوف ایک چمچ چائے والا ہمراہ پانی دن میں ایک بار استعمال کرنے سے قوت باہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ کالی کھانسی دور کرنے کے لیے اگر اجوائن کا پانی یعنی اجوائن کو پانی میں بھگو کر اور نتھار کر پانچ روز تک صبح و شام تین تولے پینے سے انشاء اللہ شفاء ہوگی۔

☆ پیٹ کے درد اور بدہضمی میں اجوائن اور نمک کی پھکی بنا کر کھانے سے شفا ہوتی ہے۔ تجربے میں آیا ہے کہ اس کی ایک خوراک ہی بہت فائدہ دیتی ہے۔

☆ اس کا روزانہ استعمال بمقدار چھ ماشہ ہمراہ پانی بدن میں چستی لاتا ہے۔ چہرے کا رنگ نکھارتا ہے اور بواسیر کو بے حد فائدہ دیتا ہے۔

☆ پرانے بخار میں اجوائن دیسی چھ ماشہ، گلو تین ماشہ رات کو پانی میں بھگو کر صبح تک رگڑ کر چھان کر حسب نمک ملا کر استعمال کرنے سے تین سے پانچ دن کے اندر بخار دور ہو جاتا ہے۔ مجرب ہے۔

☆ زکام کی صورت میں اجوائن کو گرم کر کے باریک کپڑے میں پوٹلی باندھ کر سونگھنے سے چھینکیں آتی ہیں جس سے پانی بہہ جاتا ہے اور زکام کا زور کافی حد تک کمزور ہو جاتا ہے۔

☆ ہچکی کو روکنے کے لیے اجوائن دیسی کو آگ پر ڈال کر اس کا دھواں کسی نلکی کے ذریعے ناک میں لیا جائے تو ہچکی فوراً بند ہو جاتی ہے۔

☆ اجوائن کے چند دانے چبا لینے سے قے فوراً رک جاتی ہے۔

☆ اگر منہ کا ذائقہ خراب ہو تو اجوائن کے دانے چبانے سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔

☆ اس کے کھانے سے خراب ڈکاریں آنا بند ہو جاتی ہیں۔

☆ مرض برص و بہق میں دیگر نسخہ جات میں اجوائن کو شامل کرنے سے اس کی تاثیر بڑھ جاتی ہے اور مرض جلدی ٹھیک ہو جاتا ہے۔

☆ بند چوٹ والی جگہ پر اجوائن کو رگڑ کر شہد ملا کر لگانے سے اس جگہ کا منجمد خون جاری ہو جاتا ہے اور درد ٹھیک ہو جاتی ہے۔

☆ بھڑ یا بچھو کے کاٹنے کی صورت میں اگر فوری طور پر متاثرہ جگہ پر اجوائن کی لیپ کی جائے تو فوراً آرام ہو جاتا ہے۔

☆ پیچش کی صورت میں اجوائن تین ماشہ اور کلونجی ایک ماشہ ملا کر ہمراہ دہی استعمال کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

☆ داد، خارش اور چنبل میں اجوائن کی مرہم بنا کر لگائی جائے تو چند روز میں فائدہ ہوتا ہے اور پھر کبھی بھی یہ تکلیف نہیں ہوتی۔ اس مرہم کے بنانے کا نسخہ ہے۔

نسخہ:

اجوائن...... چار تولہ،
پھٹکری سفید...... ایک تولہ
توتیائے سبز...... ایک تولہ

ترکیب:

ان تمام چیزوں کو لوہے کی کڑاہی میں آگ پر اتنی دیر رکھیں کہ وہ سیاہ ہو جائے۔ پھر مثل کر سرمہ کر کے ویزلین میں ملا کر مرہم تیار کر لیں۔

☆☆......☆☆

بیوٹی گائیڈ

آپ کے جانے پہچانے، اسکن اسپیشلسٹ **ڈاکٹر خرم مشیر**

ہر ماہ آپ کی بیوٹی سے متعلقہ مسائل کے حل کے ساتھ

خواتین کے لیے میک اپ، میک اپ کے طریقے اور اقسام وقت کے ساتھ تبدیلی چاہتے ہیں۔ اس ماہ بیوٹی گائیڈ میں ہم تیزی سے مقبول ہوئے Mineral Makeup کے حوالے سے جانکاری لائے ہیں۔

آپ کو اِس ماہ کا بیوٹی گائیڈ کیسا لگا؟ اپنی آراء سے ضرور نوازیے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ Mineral Makeup (دھاتی میک اپ) آج کل کافی مشہور ہورہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں اس پاؤڈر، فاؤنڈیشن کو خود با آسانی لگا سکتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان کی جلد کو ایک صاف ستھرا اور شاندار انداز ملتا ہے۔ علاوہ ازیں اس چیز کی عورتیں زیادہ پذیرائی کرتی ہیں کیونکہ یہ انہیں سورج کی مضر شعاعوں سے محفوظ رکھتی ہے اور بہت سی عورتوں نے اس بات کا بھی نوٹس لیا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جلد کو نہ صرف چٹخنے بلکہ لالی میں کمی واقع ہونے سے بھی بچاتی ہے (جسے عام طور پر rosacea بھی کہتے ہیں)۔

اب یہی ایک مسئلہ بھی بن گیا ہے کہ اس کی مقبولیت کی وجہ سے مارکیٹ میں ایسی ہی بہت سی مصنوعات دستیاب ہیں۔ اب ایک مصروف عورت کس طرح اپنے لیے صحیح منرل فاؤنڈیشن کا انتخاب کرے؟

منرل فاؤنڈیشن کے انتخاب کے مراحل

ایک چیز یاد رکھیں کہ تمام ریٹیل سیلر اور آن لائن مینرل کمپنی فاؤنڈیشن واپس کرنے میں حیل و حجت نہیں کرتی اس لیے فاؤنڈیشن کو اعتماد سے خریدیں کیونکہ آپ اسے چاہیں تو واپس بھی آسانی سے کرسکتے ہیں۔

دوسری چیز یہ کہ کچھ آن لائن کمپنیز جیسے مونیو مینرل، آفٹر گلو کاسمیٹک، سن کیٹ مینرل، قلوپطرہ چوائس اور دیگر بیچنے کے لیے کم قیمت پر نمونہ مہیا کرتی ہیں۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو فوراً مصنوعات خریدنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ان کمپنیوں سے نمونے منگوائیں اور فاؤنڈیشن خریدنے سے پہلے اسے استعمال کر کے پرکھ لیں۔

دوسرا طریقہ نمونے کو خریدنے کا یہ ہے کہ آپ اسٹور پر جائیں اور میک اپ ٹرائی کریں۔ وہاں موجود دکاندار اس کے فوائد سے آگاہ ہوتے ہیں اور آپ کو اپنی مطلوبہ چیز پسند کرنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ Base مینرل دونوں اسٹور

میں دستیاب ہوتی ہے اور صفورا کے مقام پر اربن ڈیکے کا نمونہ بھی ملتا ہے۔

آخر میں انٹرنیٹ فارم اور تاثرات کا مطالبہ کریں۔ اس میک اپ کے لیے منرل فاؤنڈیشن ریریو چیٹ پر جائیں اور آپ کو بہت سی سرچ انجز دستیاب ہو جائیں گی۔

فاؤنڈیشن کے رنگ اور انڈر ٹون

اگر آپ آن لائن منرل فاؤنڈیشن چنتی ہیں تو آپ کو منتخب کرنے کے لیے بہت سی کمپنیاں دستیاب ہوں گی۔ ویب سائٹ میں رنگوں کی بے تحاشا تصاویر ہیں۔ ہوسکتا ہے کچھ مونیٹرز آپ کو دیگر مونیٹرز کے مقابلے میں رنگوں میں فرق دکھائیں اس بات کو ذہن میں رکھ کر منرل میک اپ کی کمپنیاں لکھ کر اپنے رنگوں کے حوالے سے تفصیلات فراہم کرتی ہیں۔

یہ آپ کو بتائیں گی کہ یہ کیسے لگے گا (چاہے وہ میٹ ہو یسی میٹ' ڈیوی یا لائٹلی لیومیسٹ) یہ آپ کو یہ بھی بتاتی ہیں کہ مطلوبہ رنگ کس کیٹگری سے تعلق رکھتا ہے۔ Warm رنگوں کی بیس پیلی یا سنہری ہوتی ہے۔ Cool رنگوں کی بیس نیلی ہوتی ہے مگر یہ آپ کو آپ کے مطلوبہ میک اپ کے استعمال کے حوالے سے بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔

جن عورتوں کو لالی کا مسئلہ ہے پیلی بیس کا فاؤنڈیشن استعمال کریں جو کہ لالی کو بہتر طور پر ڈھانپ سکتا ہے۔

Kits

کچھ کمپنیاں اپنے منرل کو بڑی کٹ میں پیش کرتی ہیں۔ شیر کو ورنگ اور لیورین ہوٹن میک اپ کارگر رہتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا آپ کو ایک سے زیادہ شیڈ کے فاؤنڈیشن ایک ہی وقت میں دستیاب ہو جاتے ہیں۔ تو آپ اپنی انفرادی ضرورت کے لحاظ سے انہیں ملا کر نیا رنگ تخلیق کر سکتی ہیں۔

لگانے کا طریقہ

اگر منرل فاؤنڈیشن کو پہلی مرتبہ استعمال کر رہی ہیں تو اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ کی جلد مرطوب ہو مگر چکنی نہ ہو۔ اگر آپ موئسچرائزر استعمال کر رہی ہیں تو وہ منرل پاؤڈر لگانے سے پہلے اچھی طرح جذب ہو چکا ہو۔ جو برش آپ استعمال کر رہی ہوں وہ بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جو نرم' گول اور اچھے طریقے سے پیک ہوا برش ہوتا ہے۔ مصنوعی بالوں سے بنے برش' جانوروں کے بالوں سے بنے ہوئے برش سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

جب ٹیسٹ فاؤنڈیشن لگائیں تو ایک وقت میں پتلی تہہ لگائیں اگر زیادہ کوریج کی ضرورت محسوس ہو تو ہمیشہ میک کی تہہ بھی لگائیں۔

ٹیسٹ فاؤنڈیشن لگانے کے بعد اسے مختلف لائٹوں میں دیکھیں جیسے سورج کی گھر کی روشنی اور Incandescent لائٹ۔ پھر سینک کا استعمال کریں یا فنشنگ پاؤڈر لگائیں اگر آپ کو میٹ فنش سے بہتر چاہیے تو آپ اپنے میک اپ کو دوبارہ تین مختلف روشنیوں میں چیک کریں۔

اوپری سطح پر ٹیٹنگ پاؤڈر کے بغیر فاؤنڈیشن' فنشنگ پاؤڈر کے ساتھ والے انداز سے بالکل مختلف انداز دیتی ہے۔

منرل میک اپ کرنا ایک فن ہے۔ اس کا ایک شاندار انداز دیکھ کر اچھا لگتا ہے۔ رنگ ملانا اور مختلف برانڈ کے ساتھ تجربہ کرنے کے طریقے میں تخلیقی انداز آ گیا ہے اور یہ جلدی سے لگ بھی جاتا ہے۔

☆☆......☆☆